Scanned by CamScanner

چمنستان

اشاعت التوحید والسنت

پیش لفظ:

شیخ القرآن مولانا محمد طیب

تالیف:

مولانا حبیب اللہ مختار

علمائے اشاعت کی کتابوں اور سی ڈیز کا ادارہ

اشاعت اکیڈمی

محلہ جنگی پشاور۔ 0300-9391643

نام کتاب	:	چمنستانِ اشاعت التوحید والسنۃ
مؤلف	:	مولانا حبیب اللہ مختار
پیش لفظ	:	قائد انقلاب شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری
نظر ثانی	:	ابومعاویہ مولانا محمد ایاز
معاونین	:	مولانا محمد شریف رشاد، مولانا محمد زکریا (عالم گل)
ضخامت	:	276 صفحات
تاریخ طباعت اوّل	:	محرم الحرام ۱۴۲۸ھ/فروری 2007ء
تعداد	:	1000
ناشر	:	اشاعت اکیڈمی محلہ جنگی پشاور

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ الایمان دارالقرآن پنج پیر ضلع صوابی
☆ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
☆ کتب خانہ رشیدیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک نوشہرہ
☆ اشاعت اکیڈمی اینڈ حنیف کیسٹ ہاؤس مینگورہ سوات
☆ توحید وسنت کیسٹ ہاؤس نزد دارالقرآن پنج پیر صوابی
☆ مکتبہ فیصل جامع مسجد ذوالنورین محلہ ظفر آباد پرانا چنیوٹ روڈ جھنگ صدر

بسم الله الرحمن الرحيم
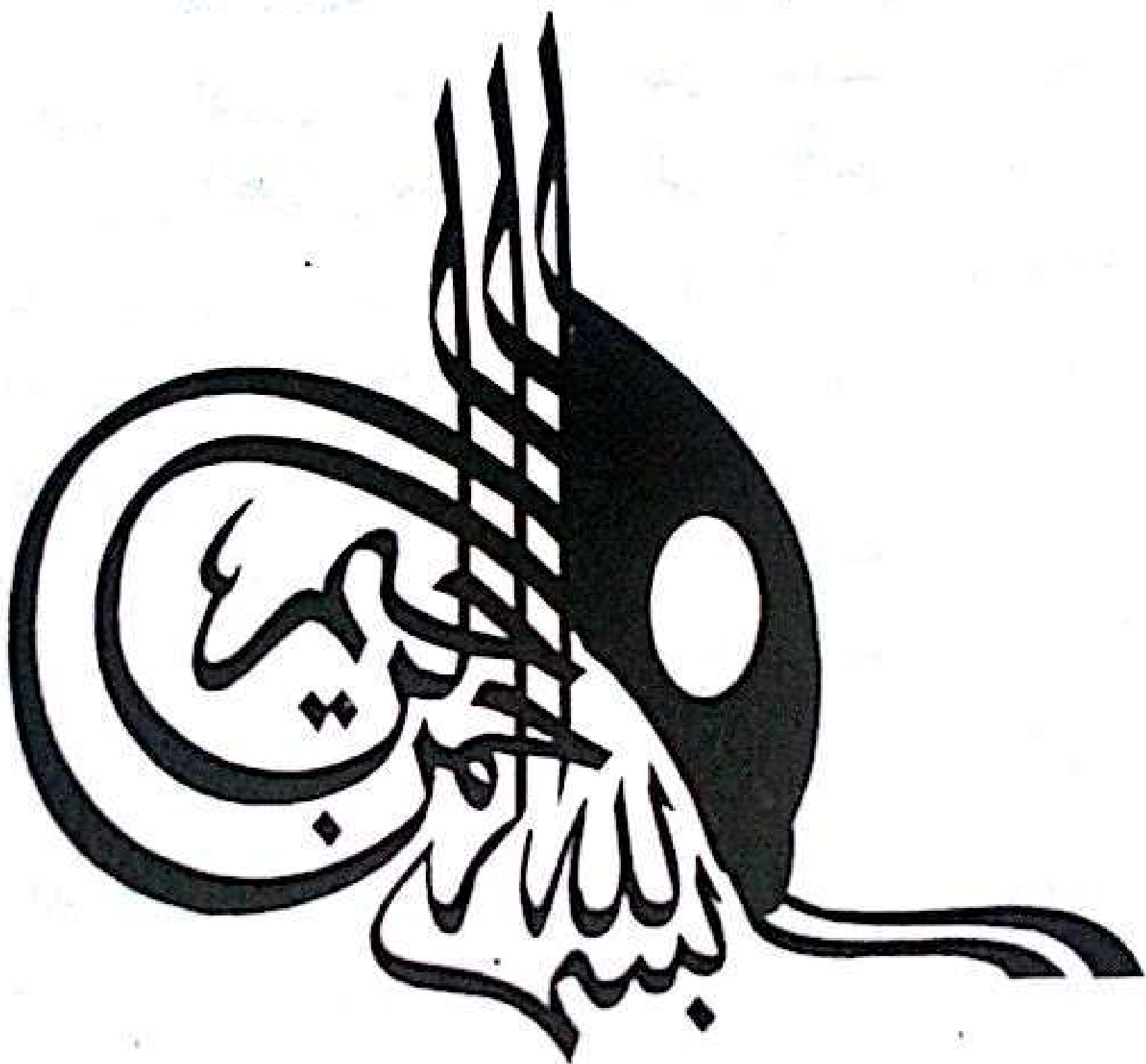
ان آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

اقوالِ نبیؐ پھول ہیں بدعات ہیں کانٹے
ہم پھول کو کانٹوں سے جُدا کرتے رہیں گے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

چمنستانِ اشاعت التوحید والسنۃ

بابِ دوم .... فوت شدہ اکابر ومشاہیر علماء ۱۰۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے عظیم المرتبت استاد مناظر اہل السنت، ماہر فن اسماء الرجال، محقق العصر، کشمیریٔ وقت، شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مولانا سلطان غنی عارف الطاہری دامت برکاتھم وفیوضھم .... اور

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے معتمدِ خاص بابائے کتب الحاج بابا عبدالشکور صاحب حفظہ اللہ کے نام منسوب کرتا ہوں۔

اللہ کریم ان دونوں محسنوں کا سایہ تادیر قائم رکھے۔(آمین)

(ح۔ا۔م)

باسمہٖ تعالیٰ

اظہارِ حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ بندہ کچھ نہ تھا، جب جامعہ ابوہریرہ آیا تو استادِ محترم، مصنف کتبِ کثیرہ، شعلہ بیان مقرر اور عالمِ بے بدل حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم و فیوضہم کی شفقتیں میسر آئیں تو بندہ کچھ لکھنے کے قابل ہوا۔ حضرت الاستاد نے ہاتھ سے پکڑ کر لکھنے کا ڈھنگ سکھایا، قدم قدم پر اصلاح فرماتے رہے، اور ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ آج بندہ جو کچھ ہے ان ہی کی مرہونِ منت ہے۔ ربِّ کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام دینی مساعی کو قبول فرما کر دارین میں ذریعۂ نجات بنائے۔

اور اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ مطالعۂ کتب کا شوق کیسے پیدا ہوا، تو شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے تلمیذِ خاص مناظر اسلام حضرت علامہ سلطان غنی عارف الطاہری صاحب مدظلہٗ کے درس میں شرکت سے اس کی ابتداء ہوئی اور حضرت حقانی صاحب کی صحبت نے اسے بامِ عروج تک پہنچایا۔

(ح۔ا۔م)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اُستادِ مکرم قایدِ انقلاب شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب مدظلہ

ہر دوسرے تہذیب وتمدن کی طرح اسلامی تہذیب وتمدن کے بھی دو پہلو ہیں، ایک فکری اور دوسر عملی۔ فکری پہلو میں وہ امور شامل ہیں جن کا تعلق اقرار یا انکار سے ہے۔ انہیں جدید اصطلاح میں نظریات اور دینی زبان میں عقائد کہتے ہیں۔ عقائد میں سے اہم ترین عقیدہ یعنی اہم العقائد کا مقام عقیدۂ توحید کو حاصل ہے، جس کی ضد عقیدۂ شرک ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء"

ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا، معاف کردے گا۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا دوسرا پہلو عملی ہے جس میں انفرادی واجتماعی امور کی انجام دہی اور اس طرح معاشرہ کی عملی صورت گری شامل ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے اس پہلو کی صورت گری اور فکری پہلو کے عملی اطلاق کے لئے شریعت نے سنت کو میزان مقرر کیا ہے، جس کی ضد کا نام بدعت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

"قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنو بکم واللّٰہ غفور رحیم"

ترجمہ: فرمادیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گنا معاف کردے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس زندگی کے فکری وعملی دونوں پہلوؤں کی اصلاح کے لئے قرآن کریم کو پیش کرتا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

"وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا"

ترجمہ: اور آپ ﷺ ان سے اس قرآن کے ذریعہ جہادِ کبیر کیجئے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے تصحیح عقائد اور اصلاح معاشرہ کا جو عظیم الشان انقلاب برپا فرمایا، اس کی بنیاد قرآن کریم ہے۔ آپ ﷺ نے اس قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو صحیح عقائد سمجھائے اور اسی قرآن کریم میں پیش کی گئی مثالوں اور دلائل سے ان عقائد کو لوگوں کے ذہن نشین کرایا۔ اس لئے اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی معاشرے کی بنیاد قرآن کریم ہے۔ دنیا میں اسلامی بنیادوں پر قیام معاشرہ اور اصلاح معاشرہ کا کارنامہ جب بھی انجام پایا، قرآن کریم ہی کے ذریعے انجام پایا اور آئندہ بھی جب کبھی یہ کارنامہ انجام پائے گا، قرآن کریم ہی کے ذریعے انجام پائے گا۔ اس کا کوئی دوسرا راستہ اور طریقہ ممکن نہیں۔

گزشتہ صدی میں قرآن کریم کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی سب سے نمایاں اور مربط کوشش پنج پیر (صوابی) میں میرے والد محترم شیخ والحدیث حضرت مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ الغافر کا عوامی زبان میں درس قرآن کریم کرنا اور اپنی ساری توانائیاں، سارے اوقات اور تمام صلاحیتیں اس کے لئے وقف فرمادینا ہے۔ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ الرحمٰن نے قرآن کریم کے ذریعہ تصحیح عقائد کو اپنی دعوت کا محور بنایا، اس کی خاطر بے نظیر قربانیاں دیں اور ان گنت مصائب ومشکلات

کو برداشت کیا۔لیکن بالآخر معاشرہ میں توحید وسنت کے پورے کو تناور درخت بننے کی منزل تک پہنچا رہا ہے۔حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ الرحمٰن نے جب اشاعت توحید وسنت اور رد شرک وبدعت کا کام شروع فرمایا تو ہر چہار طرف سے مخالفت کے طوفان اُمڈ آئے لیکن آپؒ نے اللہ رب العزت کے بھروسے پر اپنا کام جاری رکھا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ

میں تو اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ الرحمٰن بے مثال مدرس تھے اور اپنی بات مخاطب کے ذہن نشین کرنے کے فن میں خوب ماہر تھے۔اس لئے درس قرآن کے شرکاء اور اپنے تلامذہ کو قرآن کریم سمجھاتے ہوئے قرآن کریم کی دعوت پر اپنا سب کچھ نچھاور کردینے پر تیار فرمادیتے۔اور قرآن کریم کی تعلیمات کا موجودہ معاشرہ پر اطلاق فرماتے ہوئے قرآن کریم کو اس زندگی اور معاشرے کا بنیادی حصہ بنادیتے۔چنانچہ درس قرآن کریم کے شرکاء جب اپنے علاقوں کو واپس جاتے تو اپنی عملی زندگی میں قرآنی برکات

کا نظارہ دیکھنا چاہتے۔یہی وہ مقام ہے جہاں سے معاشرتی انقلاب کے سوتے پھوٹتے ہیں ۔چنانچہ زمانہ گواہ ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ الرحمٰن کے تلامذہ ملک وبیرون ملک جہاں جہاں گئے، درس قرآن کریم کے حلقے قائم کئے اور عملی زندگی پر قرآن کریم کو منطبق کیا۔

جس طرح حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ نے بہترین مدرس تھے اسی طرح خداد تنظیمی صلاحیتوں کے بھی ملک تھے اور ان صلاحیتوں کا استعمال کرنا بھی خوب جانتے تھے۔چنانچہ آپؒ نے اپنے تلامذہ کو تسبیح کے دانوں کی طرح تنظیم کی لڑی میں پروکر ۱۹۵۷ء میں جماعت اشاعت التوحید والسنّت کی بنیاد رکھی اور اسے قرآنی انقلاب کی بہاروں کا سفیر بنادیا۔چنانچہ آپؒ کے تلامذہ نے ملکوں ملکوں میں اس جماعت کے نظم میں رہ کر کام کرتے ہوئے دروس قرآن کریم کے حلقے قائم کئے اور ہر عامی وعالم کو قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے میں لگادیا۔

دروس قرآن کریم عقائد وایمانیات کی تعلیم اور انفرادی واجتماعی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لئے ایک عنوان ہے۔ جو خوش نصیب ایک مرتبہ درس قرآن کریم میں آجاتا ہے، اُس کی زندگی کا انداز ہی بدل جاتا ہے اور وہ معاشرے کی موجودہ روش کے قطعاً برخلاف آسائش وآرائش کی دوڑ میں شامل ہونے کی بجائے اپنے دین کی خاطر قربانی دینے والا اجماعتی کارکن بن جاتا ہے۔

ہزاروں خوش نصیب علماء وطلباء نے میرے والد گرامی حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ الغافر سے قرآن کریم سیکھا اور آگے ایک دنیا کو سکھایا۔ الحمد للہ حضرت شیخ القرآنؒ کے درس قرآن کریم کا سلسلہ میں نے اسی طرح جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ہر سال ہزارہا سعادت منداس درس سے استفادہ کرتے اور پھر اسے آگے پھیلانے میں اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہیں۔

ضرورت تھی کہ اس قرآنی کاروان اور توحید قافلے کے احوال قلم بند کئے جائیں تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے ایک دستاویز کا کام دے اور انہیں معلوم ہو سکے کہ آرائش چمن میں کس کس کا لہو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے شاگرد مولوی حبیب اللہ مختار صاحب) کو جزائے خیر عطا فرمائیں جنھوں نے ''علمائے اِشاعت'' کے عنوان سے یہ مختصر سا تذکرہ ترتیب دے کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا اور تاریخ کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائیں اور مؤلف کو دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں (آمین)

(حضرت شیخ القرآن مولانا) محمد طیب طاہری

۲۲ فروری ۲۰۰۷ء

دارالقرآن پنج پیر (صوابی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از ! اُستادِ مکرم حضرت العلامہ مولانا سلطان غنی عارف الطاہری مدظلہم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل و خاتم النبیین و قائد الغر المحجلین سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و علیٰ ازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین و علی امت المتقین الیٰ یوم الدین و بعد !

زیرِ نظر کتاب ''چمنستانِ اشاعۃ التوحید والسنۃ'' مولوی حبیب اللہ مختار صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی قلم کا شاہکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصحابِ قلم نے علماء کے سوانح اُن کے صبر کے حکایات اوران کی علمی خدمات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کسی نے حفاظِ حدیث کے تذکرہ میں ضخیم کتاب لکھی ہے تو کسی نے نبلاء کے سِیَر پر تفصیلی کلام کرکے ''ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما'' کا نقش ثبت کیا ہے تو کسی نے فقہاءِ کرام کے طبقات کا ذکر کیا ہے اور حنفیہ مالکیہ شافعیہ وحنابلہ طبقات پر کتابیں لکھی ہیں، تو بعض نے علماءِ اقرآن کے ذکر کو زینتِ قرطاس بنایا ہے اور درر کا منہ کو ضوٗ لامع بخش کر ہمارے جیسے عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ جبکہ بعض اہلِ قلم نے اپنے مشائخ کے معاجم لکھ کرامت پر احسان کرکے علماء کا تعارف کرایا ہے جبکہ دیگر علماء نے تاریخ کی بجائے معاجم حدیث لکھ کر اپنے مشائخ کا تعارف کرایا ہے ......

...... الغرض ...... یہ داستان بہت لمبی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی مولوی حبیب اللہ مختار صاحب کی یہ کتاب بھی ہے۔ دراصل اس کتاب میں چودہویں و پندرہویں

صدی کے مجدد شیخ العرب والعجم شیخنا المولیٰ محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ کے اُس تحریک کے نتائج کا ذکر ہے جو انہوں نے علماء کی صورت میں توحید وسنت کی خدمت کے لئے بطور آثار چھوڑے ہیں ....

ان اثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

حضرت شیخ القرآن المولیٰ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے کئی شعبے ہیں۔ تقریباً نصف صدی تک انہوں نے قرآن وحدیث کی خدمت کی ہے۔ توحید وسنت کا پیغام لے کر ملک کے کونے کونے تک پہنچا دیا ہے۔ مولوی حبیب اللہ مختار کی کتاب اس تحریک کی کامرانی وکامیابی کا شاہد عدل ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ایک طرف اگر حسینی مشرب کے اکابر علماء کا تذکرہ موجود ہے تو اصل دیوبندی مکتبِ فکر کے وہ علماء جنہوں نے فکر دیوبند کی آبیاری کی ہے اُن کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اگر شیخ القرآن سیدنا المولی محمد طاہرؒ کے رفقاء کار مذکور ہیں تو اُن کے تلامذہ کا بھی ذکر ہے۔ جن میں شیوخ القرآن، شیوخ الحدیث، فقیہ اور علم سلوک سے حظِ وافر پانے والوں کا بھی تذکرہ ہے۔

اگر چہ بظاہر تو یہ ایک مکتبِ فکر کے علماء کا تذکرہ ہے لیکن بعد میں آنے والوں کے لئے ایک درسِ عبرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مولوی حبیب اللہ مختار کے اس سعی کو قبولیتِ عام سے نوازے اور دینی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

هذا و آخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمين.

وانا الفقیر ابو رشید سلطان غنی عارف الطاہری

احد من أدانی تلامذة شیخ العرب والعجم شیخنا المولی محمد طاہر نور الله مرقده

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از ! خطیب العصر شیخ القرآن حضرت مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہم
اُستاذِ تفسیر وحدیث مدرسہ جواہر القرآن ویسہ اٹک

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ...... اما بعد ...... !

بندہ ناچیز پراز تقصیر نے محترم برادرم حضرت مولانا حبیب اللہ مختار کی تالیف کو چند جگہوں سے دیکھا۔ مؤلف محترم نے اکابرین ومشائخ اشاعت التوحید والسنۃ کے کوائف، حالات، ان کے کارنامے، دین کی محنت، قرآن مجید سے محبت اور دل لگی کے احوال لکھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مؤلف محترم اکابرینِ اشاعت التوحید والسنہ سے دل کی گہرائیوں سے محبت رکھتے ہیں اور توحید وسنت کے ساتھ انہیں نہایت محبت اور وابستگی ہے، جس کی وجہ سے ان کے دل میں ایسے تالیف کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ ان کی تالیف اس قول کے مصداق ہے "المرء مع من احب"۔

محترم مؤلف مولانا حبیب اللہ مختار کا اندازِ تحریر مجھے بہت ہی پسند آئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید لکھنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور ان سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی احیاء کا کام بڑے پیمانے پر لے لیں اور ان کی یہ تالیف اور تالیفات کے لئے منبع اور سرچشمہ بنائیں۔

دل چاہتا ہے کہ بہت کچھ لکھوں، لیکن عارضۃً بیماری کی وجہ سے اس مختصر تحریر پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو مؤلف کے لئے نجات کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے اور اس کتاب کو مقبولِ عوام وخواص بنائے۔ وجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

غلام حبیب ...... مدرسہ جواہر القرآن ویسہ اٹک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

ہر جن وانس بنیادی طور پر دینِ فطرت کو لے کر پیدا ہوتا ہے، پھر آگے اس جن و انس کا اپنا ارادہ اور میلان اچھے اور بُرے راستے کا خود تعیین کرتے ہیں۔ چاہے ماحول سے متاثر ہو کر یہ رغبت پیدا ہوئی ہو، چاہے اپنے نفس سے متاثر ہو کر، یہ ایک الگ بات ہے کہ ابلیسی نظام پسِ منظر میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے مسلسل سرگرم رہتا ہے۔ بہر حال رب نے اُسے عقل وشعور اور سیدھی راہ کی جانب کامل رہنمائی کی حُجت پوری کر رکھی ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اُس پاک ذات نے دینِ اسلام کی صورت میں ایک مکمل رہنمائی فراہم کر کے عقل وفہم کے ہر سوال کا بڑی خوبصورتی سے جواب دیا ہے۔ بدقسمت ہوگا ہر وہ عقل وشعور رکھنے والا ذی روح جس کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب اور فرقے سے ہو، اگر اس دین کو من وعن تسلیم کر کے اپنی اُخروی نجات کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ سو جس قدر اس دینِ فطرت اسلام کی حقانیت ہے اُسی قدر اس کے خلاف شیطان کی سرکردگی میں منفی قوتوں کا متحرک ہونا بھی ایک فطری ردِ عمل تھا۔

شیطان مردود نے خالقِ کائنات کی حیثیت کی ایک قسم نفی کے ذریعے کے طور پر شرک کا گندہ جرثومہ پہلے قومِ نوحؑ میں بویا، پھر اُن کے بعد کی قومیں بھی کسی نہ کسی حوالے اور کسی نہ کسی شکل میں اس عظیم ترین جرم پر مبنی عقیدہ کو اپناتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کی خاطر انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا رہا، جنہوں نے تسلیم کیا کہ خالقِ کائنات کی رحمتوں نے اُسے اپنے

سایے میں لے لیا۔ گو وہ اس دوران آزمائشوں سے بھی گزرتے رہے، جنہوں نے تمام عقلی، نقلی دلائل، آسمانی صحائف اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی ہستیوں کو اپنی آنکھوں دیکھنے کے باوجود میں نہ مانوں کی رَٹ لگائے رکھی۔ تباہی اور بربادی اُن کا مقدر بن گئی۔
ہم انبیاء علیہم السلام بشمول امام الانبیاء جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین کرامؒ اور تبع تابعینؒ کے مقام کی کیا بات کریں کہ وہ تو اللہ کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ہر قسم کی اذیت اور قربانیاں صبر وشکر سے جھیل گئے۔

یہ مذکورہ شخصیات تو ایسے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے کہ جن کا شاید ہم تصور بھی نہ کرسکیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے بعد منفرد اور ممتاز انداز میں دینِ اسلام کی خدمت سرزمینِ عرب میں خصوصاً شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور قریب کے دور کے قابلِ احترام شیخ عبدالوہاب نجدیؒ کرتے رہے۔ برصغیر ہندوستان میں اللہ نے اپنے خاتم النبین پیغمبر کے علمی وارثین کے طور پر شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو منتخب فرمایا۔ علمائے دیوبند کی خدمات انہی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اُن کے جانباز ساتھی سید احمد شہیدؒ کی قربانیوں ہی کا نتیجہ ہے۔ ہم اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی قربانیوں کو قطعاً نظر انداز نہیں کرسکتے۔ علمائے دیوبند میں پھر مفتی رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ، بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ .... غرض کس کس کا نام لیا جائے۔ یہ تمام ہی چمکتے ہوئے ستارے تھے۔
علمائے دیوبند کے سامنے انگریزوں کے ساتھ ساتھ فرقۂ بریلویت، شیعیت اور دوسرے کے

مخصوص زہریلے عقائد سے نبرد آزما ہونے کا چیلنج بھی موجود تھا۔ ان عقائد میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء کو حاضر ناظر جاننے، اُن کے غیب دان ہونے اور متصرف الامور بنانے کے زہریلے اور مکروہ ترین تصورات بھی شامل تھے۔ دشمنانِ صحابہؓ کو منہ توڑ جواب دینے کا چیلنج بھی درپیش تھا۔ اس کے علاوہ باطل فرقے اور ہندوانہ رسومات کی آمیزش بھی مسلمانوں کو تباہی کی دلدل میں دھکیلنے میں سرگرم تھے۔ اکابرینِ دیو بند تو اپنا کام اور تحریک قربانیوں کی صورت میں نبھا گئے، لیکن بعد کے دور کے علماءِ وقت کا رُجحان زیادہ تر دوسرے علوم کے درس و تدریس کی جانب نسبتاً زیادہ رہا۔ اُس وقت معاشرے کی حالت ایسی تھی کہ ہر طرف مختلف برائیوں خصوصاً عقائد میں کفر و شرک کی ظلمتوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ ادھر واحد عالم الغیب ذات کی الہامی کتاب قرآنِ پاک کی جانب رجوع خود مسلمانوں میں بھی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنے اور اختلاف کی صورت میں اس کی قسم اُٹھانے کی حد تک تھا۔ قرآنِ پاک کی صورت میں ہدایت کے اس سب سے بڑے عظیم ترین ماخذ کے سرچشمے کو عوام کی اصلاح کے لئے جس قدر استعمال کیا جا سکتا تھا حقیقت میں ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔ معاشرے کی اصلاح قرآن کے ذریعے کرنے کی عظیم تحریک کے لئے محققین اور نڈر علماء پر مشتمل ایک راسخ العقیدہ جماعت ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کے ہونہار شاگرد اور قرآنِ پاک کے معنی و تفسیر میں انتہائی مہارت اور منفرد انداز کے اسلوب بیان کے حامل مولانا حسین علی الوانیؒ (واں بھچراں) نے قرآن کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ مولانا حسین علیؒ کو بجا طور پر رئیس المفسرین کا لقب دیا گیا۔ اُن سے آگے بڑے بڑے علماء فیض یاب ہوئے۔

چونکہ اس مقدس مقصد اور پیغمبری تحریک جو جماعتی شکل میں انجام دینا ناگزیر تھا۔ اس لئے ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کے نام سے محققین علماء کی ایک جماعت اُبھری۔

انصاف کی نظر اور تعصب سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو مولانا حسین علیؒ اور اُن کے عظیم تلامذہ خصوصاً شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ راولپنڈی، پیر سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ، قاضی شمس الدینؒ، علامہ امیر بندیالویؒ، قاضی نور محمدؒ، سید سجاد بخاریؒ اور مفتی سید محمد حسین شاہ نیلویؒ کی مہارت قرآن وحدیث میں اور پھر جو خدمت اور قربانیاں اُنہوں نے توحید وسنت کے احیاء کے سلسلے میں کیں، وہ ایک اَن مٹ حقیقت ہے۔ اس جماعت کے کریڈٹ پر بڑے عظیم مناظر اور اعلیٰ پائے کے محققین علماء ہیں۔ اشاعت کے نامور علماء آج بھی ہر منبر ومحراب سے توحید کی صدا بلند کرنے اور نبی ﷺ کی سنت کو رائج کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام وناموسِ صحابہؓ کے ساتھ سلف صالحینؒ، ائمہ مجتہدینؒ کا دفاع بھی اشاعت کے منشور کا اہم حصہ ہے۔

زیرِ نظر تصنیف (چمنستانِ اشاعت التوحید والسنۃ) اسی عظیم جماعت کے علماء کے مختصر تعارف پر مبنی ہے۔ مولانا حبیب اللہ مختار خود بھی اس توحیدی جماعت سے منسلک ہیں اور ایک عالم ہونے کی حیثیت سے درس وتدریس کے ساتھ تحریر کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کو بخوبی اُجاگر کر رہے ہیں۔ اُن کی اس کاوش کو دیکھ کر سچ پوچھیے تو ان کی قدر اور محبت ہمارے دلوں میں مزید بڑھ گئی کیونکہ اس موضوع کا انتخاب پھر جس محبت اور جس خوبصورت انداز میں انہوں نے تحریر کیا ہے' بے اختیار انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

قارئینِ کرام سے یہ گذارش ہے کہ پڑھتے وقت اس بات کو ضرور پیشِ نظر رکھیں کہ مولانا صاحب نے اس تحریر کے ذریعے کوئی بت تراشنے کی کوشش ہرگز نہیں کی ہے بلکہ یہ تو اُن شخصیات کا تعارف ہے جنہوں نے باوجود اپنی بزرگی اور تقویٰ کے پیروں، فقیروں اور درویشوں جیسی جھوٹی سچی کرامت کو خود سے چسپاں نہیں کیا۔ یہ اُن گمنام اولیاء کا تعارف ہے

جنہوں نے دنیا کے اسباب کو بظاہر چھوڑ کر خانقاہوں اور گدی نشینوں کی مانند ڈیرے ڈالنے کی روش اختیار نہیں کی بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی سچی تعلیمات کے مطابق حقیقی معنوں میں خود بھی زندگی گزاری اور دنیا والوں کو بھی اُن کی بھلائی کا واحد نسخہ قرآنِ کریم کا ایسا بیان کیا کہ جاننے والا حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ تمام عمران پر توحید کا رنگ غالب رہا۔ علمائے اشاعت کی اس تحریک کے دوران آزمائشوں کے ساتھ علماءِ سوء اور پیرانِ باطل بھی مقابل آتے گئے اور اپنی ضد اور مخالفت میں اپنی طرف سے سب ہٹ دھرمیاں کر گئے مگر اللہ نے علمائے اشاعت کو ہر محاذ پر سرخرو کیا اور توحید وسنت کا یہ حیرت انگیز قافلہ کامیابی سے آج بھی اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کی دوسری دینی خدمات سمیت اس سعی کو بھی ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

ابو معاویہ محمد ایاز

مدرسہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم امابعد!

فقال النبی ﷺ العلماء ورثة الانبیاء۔(الحدیث)

یقیناً اگر علماء نہ ہوتے تو کرۂ ارض پر ظلم وستم کا اندھیر ہوتا۔ احادیث میں علماء کو انبیاءؑ کا وارث بتایا گیا، کسی ایک نبی کا نہیں بلکہ انبیاء کا وارث۔ انبیاء علیہم السلام دین کے حوالے سے جن حالات سے دوچار ہوئے، علماء کو اس سے حصہ ملا اور ضرور ملا۔ انبیاء علیہم السلام کو علوم سے نوازا گیا تو علماء بھی فیض یاب ہوئے۔ ایسے ہی اُمت کی فکر، تعلیمِ دین و تزکیہ کی تڑپ، جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی آرزو اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مصائب وحوادث کا برداشت کرنا اور استقامت اختیار کرنا، غرض صفاتِ انبیاء سے خداوندِ قدوس نے علماء کو بھی متصف فرمایا۔

جب سے یہ دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے، تب سے لے کر آج تک ہمیشہ حق و باطل ستیزہ کار رہا ہے، مگر داعیانِ حق نہ اپنے مشن سے ہٹے ہیں نہ ہٹیں گے۔ حق اور اہلِ حق دنیا میں تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتے ہیں اور ان شاء اللہ یہی قرآن وسنت کا چراغ ساری دنیا کو روشن کرے گا اور دشمنانِ حق ایک دن حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں گے اور

اپنے آنے والوں کے لئے نشانِ عبرت بن کر تاریخ کے اوراق میں گم ہو جائیں گے لیکن داعیانِ حق کے کارنامے تاریخ کے روشن باب ہوں گے اور ان کے پیچھے آنے والے ان کے نقشِ قدم پر اپنے لئے نشانِ راہ ڈھونڈیں گے اور ان کی تاریخ یکساں ذوق وشوق کے ساتھ دُہرائی جائے گی اور عقیدت مند لوگ مگر باشعور انہیں آنکھوں سے لگائیں گے۔

انہی داعیانِ حق اور علماءِ حق کے قافلہ میں جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے عظیم علماء بھی شامل ہیں جو حنفی مذہب اور مسلک علماءِ دیوبند کے صحیح ترجمان ہیں۔ ویسے تو فرداً فرداً اکثر علماء کی سوانح لکھی گئی ہیں، راقم الحروف نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ سوا اکابر علماءِ اشاعت التوحید والسنۃ کے نام خطوط لکھ کر ان کے مختصر حالاتِ زندگی اور خدماتِ جلیلہ کو طلب کیا۔ انہوں نے بڑی فیاضی اور فراخدلی سے جواب دیا۔ اللہ سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ پھر ان خطوط کو اپنے الفاظ وتعبیر سے مضامین کی شکل میں پرودیا۔ اکثر علماء کے حالات دستیاب نہ ہوئے۔ آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ جو بھی مواد ہاتھ آئیں گے شاملِ اشاعت کیئے جائیں گے۔

بندہ کو اپنی علمی کم مائیگی کا احساس ہے لیکن اللہ کے بے پایاں کرم ورحمت کے بعد اپنے اکابر، مشائخ واساتذہ کی شفقت ومحبت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس موضوع پر قلم اُٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ اردو ادب کی کمزوریاں ضرور ہوں گی۔ اہلِ ذوق حضرات تصحیح فرما کر مطلع فرماویں تو ممنونِ احسان ہوں گا۔

محدود وسائل میں جو ہو سکا پیشِ خدمت ہے، ان شاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگا، خود پڑھیں اور اس تاریخی تحفہ کے ساتھ ساتھ جماعت کی ہر تحریر اور پیغام حق کو ملک کے کونے کونے میں پہنچائیں۔ خلوصِ نیت کے ساتھ ہر ممکن محنت وسعی جاری رکھیں۔ نتائج اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ان شاء اللہ ذرہ برابر عمل بھی ضائع نہ ہوگا۔ دنیا دار العمل ہے اور اجر کی جگہ

عالمِ آخرۃ ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ راقم کی اس حقیر سی کاوش کو قبول فرمائے اور اپنی رضا کا سبب بنائے اور اسے قبولیتِ عام و خاص بخشے اور دارین میں راقم الحروف اور والدین کے لئے ذریعۂ نجات۔

وصلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقه محمد و آلہٖ و اصحابه

وازواجه والاوده واتباعه اجمعین۔(آمین)

حبیب اللہ مختار

کوٹ دولت زئی بنگرام

گڑھی کپورہ، ضلع مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہارِ تشکر

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ (الحدیث) پر عمل کرتے ہوئے بندہ اپنے تمام اکابرین کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے ناچیز کے خطوط کے جوابات نہایت فراخدلی سے دیے۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

بالخصوص استادِ مکرم و قایدِ محترم شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری صاحب کا ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے خط کا جواب بھی سب سے پہلے عنایت فرمایا اور پیش لفظ بھی لکھ کر احسان فرمایا۔ فجزاہ اللّٰہ خیراً۔

اپنے مخلص دوست حضرت مولانا قاری عطاء الرحمن باجوڑی کا بھی ممنونِ احسان ہے جو اس سلسلے کے اکثر اسفار میں ساتھ رہا۔ فاجرہ علی اللّٰہ۔

ابومعاویہ حضرت مولانا محمد آیاز صاحب مدظلہٗ (مدیر مدرسہ تبلیغ القرآن خیبر کالونی یوسف آباد دلہ زاک روڈ پشاور) اور حضرت مولانا حشمت علی صافی (مدیر اشاعت اکیڈمی محلہ جنگی پشاور) بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

فجزاھما اللّٰہ احسن الجزاء۔

(ح۔ا۔م)

باب : ا

شیخ التفسیر حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں

ان اکابر اربعہ (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور خواجہ عثمان دامانیؒ) کے علوم فنون اور سلوک و عرفان کے امین و وارث اگلی صدی (چودھویں صدی ہجری) کے پہلے نصف میں واں بھچراں کے مولانا حسین علیؒ صاحب ہوئے مولانا حسین علیؒ نے رجوع الی القرآن اور دعوت الی التوحید کے ذریعے ہزاروں مسلمانوں کے عقائد کی اس طرح اصلاح کردی اور مفسرین اور مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار کردی کہ ملک کا گوشہ گوشہ ان کی دینی خدمات کے زیر بار ہے۔

مولانا حسین علیؒ نے مولانا گنگوہیؒ سے حدیث، مولانا محمد نانوتویؒ سے تفسیر قرآن مولانا کانپوریؒ سے علم وفنون میں شرف تلمذ حاصل کیا اور حضرت مولانا خواجہ محمد عثمانؒ کے خلیفہ ہوئے۔ اس اعتبار سے وہ ان چاروں اکابر شیوخ کے علم و معرفت کا امتزاج تھے۔

ہندوستان اور پنجاب کے عوام کی مذہبی بدعقیدگی کا جو نقشہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا۔ ان کے تسلسل سے پنجاب کا خطہ شرک اور بدعات کا ظلمت کدہ بن جانا فطری امر تھا مگر ایسا نہیں ہوسکا اس کے برعکس اب حالت یہ ہے کہ ملک کے تقریباً ہر قصبہ و شہر میں روزانہ درس و تدریس کا اہتمام موجود ہے اور فضا شرک و بدعات کی تردید و مذمت کے ساتھ ساتھ توحید و سنت کے نغموں سے معمور ہے اس کے علاوہ ملک کے بڑے بڑے

مدارس سے ہر سال سینکڑوں مبلغین تیار ہو کر دعوت الی التوحید کے نبوی ﷺ مشن کی تبلیغ واشاعت کے لئے تیار ہوتے ہیں جس سے اس مقدس مشن کے اثرات آئندہ کی صدی پر بھی نظر آتے ہیں۔ یہ مولانا حسین علیؒ کی محنت اور شغف وانہماک کا ثمر ہے مولانا کے تلامذہؒ نے بھی ان کی انہی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے دعوت قرآن وتوحید کے کام کو آگے بڑھایا جس کا اعتراف کرنے پر دعوت وعزیمت کا مورخ خود کو مجبور پاتا ہے یہ تذکرہ انہی مولانا حسین علیؒ صاحب کا ہے۔

حالاتِ زندگی (پیدائش خاندان اور وطن)

مولانا حسین علیؒ مورخہ ۲۵ر مارچ ۱۸۶۷ء بمطابق ۱۹ر ذیقعدہ ۱۲۸۳ھ ہفتہ کے روز واں بھچراں ضلع میانوالی (پنجاب) کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمدؒ تھا، جو حافظِ قرآن تھے۔ شجرہ نسب یوں اس طرح ہے:

مولانا حسین علیؒ بن حافظ محمد بن حافظ عبداللہؒ بن حافظ الیاسؒ بن حافظ زکریاؒ بن حافظ امام دینؒ۔ (مرشد کامل ص ۱۸۰، ۱۸۱ از مولانا خلیل احمد)

اس اعتبار سے ان کا خاندان کئی پشتوں سے حافظِ قرآن چلا آرہا تھا اور یہی وجہ ان کے خاندان کے "میانہ" مشہور ہوجانے کی ہے۔

فوائد عثمانیہ، ملفوظاتِ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ، از سید محمد اکبر دہلویؒ میں مولانا کی قوم "میانہ" لکھی ہے۔ پنجاب میں مولوی اور حفاظ گھرانوں کو (میانے) کہتے ہیں۔ محترم افضل ضیاء خطیب لالہ موسیٰ نے حضرت کے پوتے جناب خالد لطیف کے حوالے سے آپ کی قوم اعوان بتائی ہے۔ واللہ اعلم۔ جبکہ مولانا کا تعلق راجپوت بھٹی خاندان سے تھا جو ہندوستان کے حکمران خاندان کی ایک ذیلی گوت یا شاخ ہے۔

(مقدمہ فیوضاتِ حسینی ص ۱۵، ۱۶ از مولانا صوفی عبدالحمید)

واں بھچراں ضلع میانوالی کا ایک مشہور قصبہ ہے، جہاں راجپوت قبیلے کی ایک

دوسری شاخ (بھچراں) کے افراد کثرت سے آباد ہیں اور انہی کی مناسبت سے قصبہ کا نام معروف ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے یہ علاقہ گرم خشک ہے۔ زمین ریگستانی اور صحرائی ہے۔

تعلیم و تکمیل :

اس زمانے میں فارسی اور عربی نظامِ تعلیم کا رواج تھا اور انگریزی تعلیم کے اثرات سے مسلمان گھرانے محفوظ تھے۔ ویسے بھی مولانا کا تعلق مذہبی خاندان سے تھا، اس لئے دینی تعلیم کا حاصل کرنا ہی اصل تعلیم تھا۔ چنانچہ آپ کے والد محترم نے فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں گھر پر ہی پڑھائیں۔ منطق وحمد اللہ وغیرہ کی کتابیں شادیہ، تلہریاں (ضلع میانوالی) کے مدارس میں مولانا غلام نبیؒ اور مولانا سلطان احمدؒ سے پڑھیں۔

اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں دورۂ حدیث کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ ایسا وقت تھا جب اسباق شروع ہو چکے تھے اور طلبا میں کتابیں تقسیم ہو چکی تھیں، اور ان کی خوراک و رہائش کا انتظام مختلف گھرانوں میں کیا جا چکا تھا۔ اب کسی اور طالب علم کے لئے نہ تو کتاب ہی میسر آ سکتی تھی اور نہ خوراک و رہائش کا بندوبست ہو سکتا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر حضرت گنگوہیؒ نے شریکِ درس کرنے سے معذرت کر لی مگر یہ خیال کر کے کہ طالب علم بہت دور سے آیا ہے، آپ نے دو شرائط پر شریکِ درس ہونے کی اجازت دیدی۔

اوّلاً ! طالبِ علم کو خوراک کا بندوبست خود کرنا ہوگا۔

ثانیاً ! مطالعۂ کتب کے لئے کسی ساتھی سے شراکت کرنا ہوگی۔ چند دنوں بعد جب استادِ محترم پر اس نوجوان پنجابی طالب علم کی ذہانت کا عقدہ کھلا، تو اپنی ذاتی کتابیں مطالعہ کے لئے فراہم کر دیں اور اپنی بیٹی کے ہاں کھانے کا بندوست کر دیا، دورانِ درس سبق کی عبارت پڑھنا بھی آپ کی ذمہ داری ٹھہرائی گئی۔ عرصۂ تعلیم میں حضرت کی خصوصی

توجہ بھی حاصل رہی۔۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں دورۂ حدیث کے امتحان میں اوّل آئے۔
حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے :

''میں نے اپنی پوری زندگی میں ان سے بڑھ کر ذہین، محنتی طالب علم نہیں دیکھا''۔

یہ روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے حلقۂ خاص میں بارہا فرمایا کہ اس مرتبہ کا دورۂ حدیث تو اس پنجابی طالب علم کے لئے پڑھا رہا ہوں۔نوجوان مولانا حسین علیؒ کی دین سے رغبت اور علم سے لگن کو محسوس کرتے ہوئے حضرت نے ہدایت کی کہ سہارنپور جاکر مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحبؒ سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھیں چنانچہ شیخ محترم کے حکم کی تعمیل میں سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں حاضر ہوئے اور ایک سال تک مولانا محمد مظہر صاحبؒ سے ترجمۂ قرآن وتفسیر پڑھی۔مولانا محمد مظہرؒ صاحب شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ التزاماً پڑھایا کرتے تھے اور اسی کو مستند خیال کرتے تھے۔ ۱۸۸۶ء (۱۳۰۳ھ) کے امتحان میں مولانا حسین علیؒ صاحب نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔
(مرشد کامل ص ۷ تا ۱۱، از مولانا خلیل احمد)

سہارنپور سے کانپور تشریف لے گئے، جہاں فلسفہ ومنطق اور فنون کے علوم کے حوالے سے مولانا احمد حسن صاحبؒ کی ذاتِ گرامی مرجع خلائق تھی۔یہاں آپ نے ایک سال میں بیس کتابیں پڑھیں۔جن میں حمد اللہ، قاضی مبارک اُمور عامہ، عبدالتین، متن متین، اور فتح القدیر جیسی کتابیں بھی تھیں، کانپور میں آپ کی وسعتِ مطالعہ کی بہت شہرت تھی اور مکتبہ نولکشور کی بڑی تقطیع پر شائع فتح القدیر کے بیس (۲۰) صفحات مع تشریحات ایک گھنٹے میں پڑھ لیتے تھے۔لوگ دور ونزدیک سے آزمانے آتے تھے اور آپ ایک صفحہ پڑھ کر سوال کرتے کہ اگر کوئی اشکال ہو تو بیان کروں، وگرنہ آگے پڑھوں، اسی طرح دوسرا صفحہ

پڑھ کر یہی سوال دہراتے۔ اس طرح پڑھتے چلے جاتے۔ ساتھی طالبعلموں نے اسی لگن و محنت کی بناپر آپ کا نام مطواطی رکھ دیا تھا۔

۱۸۸۷ء (۱۳۰۴ھ) میں بیس (۲۰) کتابوں کا امتحان دیا اور پانچ ممتحنین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ مدرسہ کانپور کے امتحان میں آپ نے اوّل پوزیشن حاصل کی' آپ کے استادِفنون مولانا احمد حسن صاحبؒ نے آپ کی سند پر مندرجہ ذیل توصیفی الفاظ لکھ کردادودی۔

"اما بعد فان الفهيم الاريب، الذكى النجيب، الكثير علمه الدقيق فهمه، المويد بتائيد الله القوى، الفاضل اللوذعى، المتوقد اليلمعى المولوى حسين على بن ميان محمد الوانى الفنجابى، صانه الله عن شر كل غوى و غبى"۔

بے شک مولوی حسین علی بن میاں محمد الوانی پنجابی (اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے) فہیم الاریب، ذکی النجیب، کثیر العلم، دقیق الفہم، قوی الذہن اور فاضلِ اجل ہیں۔

(اقامۃ البرہان، ص ۷، از مولانا سید سجاد بخاریؒ، مقدمہ فیوضیات حسینی ص ۴۴)

کانپور سے اسی سال دوبارہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور ان سے ان کی طرزِ خاص پر ترجمہ وتفسیر پڑھی۔ اسی طرح تکمیلِ علوم کر کے ۱۸۸۹ء (۱۳۰۶ھ) میں وطن واپس آئے۔ (بلغۃ الحیران ص ۸، از مولانا حسین علیؒ)

اسناد :

مولانا حسین علی صاحبؒ صرف تین واسطوں (عن مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، عن شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، عن شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

کے شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ مولانا تفسیر بلغۃ الحیران کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

"حسین علی بن محمد بن عبداللہ کہتا ہے کہ میں نے پہلے تفسیر قرآن مولانا محمد مظہرؒ سے پڑھی جو کہ شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے اور وہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اور وہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پھر دوسری بار تفسیر قرآن اپنے شیخ الحدیث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھی، جو شاہ عبدالغنیؒ تلمیذ شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے۔ مجھے قرآن کریم کی اجازت سیدی مرشدی خواجہ محمد عثمانؒ سے بھی حاصل ہے۔ ان کو اپنے مرشد حاجی دوست محمد قندھاریؒ ان کو شاہ احمد سعیدؒ سے، ان کو اپنے والد شاہ ابوسعید سے اور ان کو شاہ عبدالعزیزؒ سے اور ان کو اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اجازت حاصل ہے"۔

اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ سند کی ترتیب یوں ہے :

شاہ ولی اللہ عن شیخ عاصم عن محمد الفاضل عن الشیخ عبد الخالق عن الشیخ البقری عن شیخ عبد الرحمن یمنی عن والدہ الشیخ الاسلام سجادہ یمنی عن الشیخ ابی نصر الطبروی عن الشیخ الاسلام زکریا عن ابی نعیم العقبی عن محمد بن علی بن یوسف الجزری عن ابی العباس احمد بن شیخ الاسلام حسین دمشقی عن والدہ ابی محمد القاسم بن احمد بن موفق الورقی عن علی الشیوخ ابو العباس احمد بن علی بن یحییٰ ابی عبد اللہ محمد بن سعید بن محمد

المرادی ابو عبد اللّٰہ محمد بن ایوب عن الشیخ ابو الحسن
علی بن محمد بن ھذیل البلنسی عن الشیخ ابی داد بن نجاح
عن الامام ابی عبد الشدالدانی عن ابی الحسظاھر بن علبون
المقرلی عن ابی الحسن علی محمد المقرلی عن احمد بن
سھل الاشنانی عن ابی عبید بن الصباح عن عاصم عن ابی عبد
الرحمن عبد اللّٰہ بن حبیب بن ربیعہ السلمی عن زر بن حبیش
عن ابو عبد الرحمن عن اصحاب النبی ﷺ عثمانؓ بن عفان
علیؓ بن ابی طالب ، ابی بن کعبؓ ، زید بن ثابتؓ ، عبد اللّٰہ بن
مسعودؓ کلھم عن رسول اللّٰہ ﷺ.

قال حسین علی اخبرنا صحیح البخاری و صحاح الستۃ
الشیخ رشید احمد عن شیخ محمد التھانوی عن شاہ عبد
الغنی و شیخ عابد عن شاہ عبد الغنی و شاہ احمد سعید عن
ابی ھما شاہ ابو سعید و شاہ محمد اسحاق الدھلوی عن شاہ
عبد العزیز عن الامام شاہ ولی اللّٰہ الدھلوی عن الشیخ محمد
المدنی عن ابراھیم عن احمد الفشاشی عن احمد بن عبد
القدوس اشناوی عن محمد بن احمد الرملی عن زکریا
انصاری عن احمد بن علی بن حجر عسقلانی عن زین
التنوجی عن احمد بن ابی طالب عن الحسین بن مبارک عن
عبد الاوّل بن عیسٰی عن عبد الرحمن بن مظفر عن عبد اللّٰہ
بن احمد عن محمد بن یوسف الفریدی عن محمد بن
اسماعیل البخاری ۔ (مرشد کامل ص ۶۰، ۶۲)

درس وتدریس :

۱۸۸۹ء، (۱۳۰۶ھ) میں وطن واپسی کے بعد مولاناؒ نے اپنے آبائی قصبہ واں بھچراں میں درس وتدریس کے ذریعے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ شروع شروع میں آپ صَرف ونحو اور فنون کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، مگر کچھ عرصہ بعد خود کو قرآنِ پاک کے ترجمہ وتفسیر اور تدریسِ حدیث کے لئے وقف کردیا، جس سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور طلباء کی بڑی تعداد ارد گرد کے اضلاع مثلاً سرگودھا، اٹک، ملتان اور گجرات وغیرہ سے آپ کے پاس آنا شروع ہوگئے۔ مولاناؒ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی اخلاقی پستی اور بدعقیدگی کی اصل وجہ قرآنی تعلیمات سے دوری ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ترجمہ وتفسیر کے ذریعے عقیدۂ توحید کے اعلاءً واحیاءً کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ (مرشد کامل ص ۱۱)

> ''اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے۔ صرف وہی پکاریں سننے والا ہے اور وہی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے، کوئی دوسرا نہ کسی کی پکار سُن سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے، نہ ہی کسی کی رضا مندی وخوشنودی کے لئے نذر ومنت جائز ہے۔ یہی توحید ہے اور اس کے خلاف کرنا یا عقیدہ رکھنا شرک کہلاتا ہے''۔

یہ دعوت وتعلیم صوبہ پنجاب کے ان اضلاع میں رائج خانقاہی نظام کے خود ساختہ عقائد وافکار سے ٹکراتی تھی اور خانقاہوں میں مقیم گدی نشین اسے اپنے اقتدار وروزگار کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولاناؒ ایک ممتاز ماہر معلّم ومدرس ہونے کے ساتھ ساتھ داعیِ توحید کی حیثیت سے بھی معروف ہوگئے۔ اس کا اندازہ اس مکالمہ وگفتگو سے بھی ہوتا ہے، جو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ اور مولاناؒ کے درمیان پہلی بار ہوئی۔ ادھر سجادہ نشینوں اور عجمی تصوف وشریعت کے پیروکاروں نے انہیں گستاخ اور وہابی کہنا شروع کردیا، مگر زبردست مخالفت

کے باوجود کمالِ استقامت اور جرأت مندی سے تقریباً ساٹھ سال تک ۱۹۴۴ء (۱۳۶۳ھ) تک قال اللہ وقال الرسول کا درس انہی ریگستانی فضاؤں میں دیتے رہے۔ مولانا نے اپنے پاس آنے والے طالب علموں کے لئے کبھی چندہ مانگا نہ ہدیہ قبول کیا، بلکہ اپنے گھر سے کتب وقرطاس، خوراک وپوشاک اور دیگر مصارف کا بندوبست کرتے تھے۔ خود کھیتی باڑی کرتے اور زمینوں سے جو حاصل ہوتا اپنے اہل خانہ اور طالب علموں پر خرچ کرتے تھے۔ جوان کے خلوص وللٰہیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

بیعت وخلافت :

بیس سال کی عمر میں مولانا ؒ کو اصلاحِ ذات کے لئے تلاشِ مرشد کی فکر ہوئی اور یہی فکر انہیں نقشبندی سلسلۂ طریقت کے عظیم شیخ اور مجددی نسبتوں کے امین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی ؒ (متولی ونگران خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف) کے پاس لے گئی، جن کے بارے میں کئی بار خواب میں اشارے بھی ہوئے تھے۔ مولانا خواجہ صاحب کی گرمائی خانقاہ دیپ شریف وادی سون سیکسر (ضلع شاہپور جواب ضلع خوشاب، پنجاب) حاضر ہوئے۔ (مقدمہ فیوضیات حسینی ص ۱۶،۸)

حضرت خواجہ ؒ صاحب کو دیکھا تو خواب کے مطابق پایا۔ خواجہ صاحب ؒ کے سوال پر بتلایا کہ واں بھچراں ضلع میانوالی سے آیا ہوں۔ پوچھا گیا کچھ مولوی حسین علی کے بارے میں جانتے ہو۔ عرض کیا گیا میں ہی حسین علی ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب ؒ نے سنا تو فرطِ مسرت سے کھڑے ہوگئے اور اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے جا کر بہت احترام سے بٹھایا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ بتایا گیا کہ بیعت کا ارادہ ہے، فرمایا کہ یہاں کشف وکرامات تو ہیں نہیں بس اپنے آپ کو جلا دینا، مٹا دینا ہے۔ تم نے دین کا علم بہت محنت سے اور بڑے استادوں سے حاصل کیا ہے کیوں اپنے آپ کو جلاتے ہو؟ عرض کیا کہ بیعت کے لئے ہی

حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے بیعت فرما کر داخلِ سلسلہ کر لیا اور روحانی تربیت شروع کر دی۔

مولاناؒ نے پیرو مرشد کے فرمودہ وظائف و اوراد میں اس قدر محنت و مشقت کی کہ صحت بہت کمزور ہوگئی اور ایک مدت بعد جب مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ پہچان نہ سکے، احوال سن کر انہوں نے مزید محنت سے منع کر دیا۔ آپ نے مرشدِ عالی مقام کی سرپرستی میں تمام منازلِ سلوک طے کیں اور جب سبق کمالاتِ نبوت تک پہنچا تو خلافت کا خرقہ عطا کر کے چاروں طرق میں بیعت کرنے کی اجازت دی۔ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کو مولانا پر بے حد اعتماد اور یقین تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کے مریدین میں سینکڑوں جید علماء اور مدرسین شامل تھے، مگر اپنے صاحبزادے خواجہ سراج الدینؒ کی تعلیم و تربیت کے لئے مولاناؒ کا انتخاب کیا۔ اس مقصد کے لئے انہیں موسیٰ زئی شریف بلایا۔ جہاں آپ نے تقریباً دو سال تک عارضی قیام کیا اور خواجہ سراج الدینؒ، صاحبزادہ محمد عیسیٰؒ و دیگر ہم سبق طلباء کو حدیث اور تفسیرِ قرآن پڑھائی۔ اس کے بعد حکمِ مرشد کی تعمیل میں صاحبزادگان کی روحانی تربیت کی اور طریقہ عالیہ مجددیہ کے مطابق عرفان و سلوک کی منازل طے کرائیں۔ صاحبزادہ سراج الدینؒ نے آپ کی بیعت کی اور انہیں مولانا کی طرف سے اجازت بھی دی گئی۔ (مرشد کامل و مقدمہ توضیحات حسینی)

پیرومرشد کا اعتماد و ایقان اور موسیٰ زئی شریف میں عارضی قیام:

موسیٰ زئی شریف میں دو سالہ قیام کے دوران مولانا نے حضرت خواجہ محمد عثمانؒ سے قرآن پڑھا اور سلوک کی جملہ منازل طے کیں اس دوران انہیں مرشد عالی مقام کی تمام توجہات حاصل رہیں۔ مولانا پر حضرت خواجہ صاحبؒ کے اعتماد کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ علمی محافل میں زیرِ بحث آنے والے مشکلات اور مسائل میں ان کی رائے طلب

کرتے۔ مولاناؒ مسئلہ مذکورہ میں تمام آئمہ مجتہدین کی آراء بیان کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتے تو خواجہ صاحب فرماتے :

''میں حسین علیؒ کے فتویٰ سے متفق ہوں جو اس کا وہی میرا''۔

(کمالات عثمانیہ ص ۱۴۴، از مولانا محمد اسماعیل سراجیؒ)

صاحبزادہ سراج الدین کی عمر بیس سال تھی حضرت خواجہ محمد اسماعیلؒ کو اطمینان ہوگیا کہ وہ مجددی نسبت سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو انہیں خلعت خلافت عطا فرمائی اور مولانا کو اپنے مکتوب کے ذریعے اطلاع دی۔ صاحبزادہ صاحب کی دستار بندی کے لئے خانقاہ میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا ہے، جس میں مرشد نے صاحبزادہ کی دستار بندی کی استاد ہونے کے ناطے مولانا نے دستار بندی میں معاونت کی اسی موقع پر حضرت خواجہ محمد عثمانؒ نے مولانا حسین علیؒ، مولانا محمود شیرازیؒ اور مولانا سید محمد اکبر دہلویؒ کی بھی دستار بندی کی۔ (بلغۃ الحیران ص ۶ و مقدمہ فیوضات حسینی)

خرقہ خلافت :

۱۸۹۳ء (۱۳۹۳ھ) میں مولاناؒ کو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کی طرف سے خلعت خلافت سے نوزا گیا اور تحریراً اجازت دی گئی۔ فیوضات حسینی کے مقدمہ نگار نے فوائد عثمانی کے حوالے سے اجازت نامہ کا فارسی سے اردو میں مختصر و ملخص ترجمہ کیا ہے :

''بعد حمد و صلوٰۃ فقیر و حقیر لاشے محمد عثمان کی طرف سے واضح ہو کہ حقائق و معارف آگاہ، حاوی علوم عقلی و نقلی، راوی جنون، فرعی و اصلی مولوی حسین علی صاحب (بارک اللہ تعالیٰ فی عمرہ ورفع اللہ تعالیٰ درجاتہ) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ میں بیعت کی غرض سے فقیر کے پاس آئے اور فقیر نے حسب دستور حضرات مشائخ کرام لطیفہ اسم اللہ ان کی قلب

میں بٹھایا۔ اللہ کے فضل و کرم سے قوی درجہ کی روشن تاثیر اس لطیفہ سے ظاہر ہوئیں۔ نیز درجہ بہ درجہ دیگر لطائف مثلاً روح، سر، خفی، اخفی، نفس، قالب وغیرہ میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ذوق وشوق اور انہماک کا ظہور ہوتا رہا اور انہوں نے مشروبات کے درجات نفی واثبات، مراقبہ کے بعد ولایات ثلاثہ، اسم الظاہر اور کمالات ثلاثہ کو طے کیا اللہ تعالیٰ ان کے مقامات وحالات اور تاثیرات میں حضور و جامعیت فنا وبقاء عطا فرمائے۔ (آمین)

مولوی صاحب ممدوح کی استعداد وصلاحیت کو دیکھتے ہوئے اپنے شیخ ومرشد کی کی روش پر طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں اجازت عامہ دی گئی (اللہ ان کو اپنی ذات اقدس کا محبّ وعاشق بنائے اور اپنے اسلاف ومشائخ کا محب بنائے) اب ان پر لازم ہے کہ طریقہ عالیہ کو رواج دے اور اسکی تلقین کریں طالبان حق کے لئے ان کا مقبول میرا مقبول ہے اور ان کی اقتداء کرنے والوں کو بشارت ہے اور میں انہیں تاکید کرتا ہوں کہ ذکر وفکر کا اہتمام کریں، خلوت وعلیحدگی اختیار کریں اور اپنے تمام اموری اللہ عز وجل ہی سے امید رکھیں اور اسی کی طرف توجہ کریں اجازت کی شرط شریعت حقہ پر استقامت اور سنت رسول ﷺ کی اتباع کامل پر ہے اللہ تعالیٰ میری اور ان کی اپنی رضا کے لیے بنادے''۔

از لاشئی محمد عثمان (کمالات عثمانیہ ص ۱۳۲)

اجازتِ خلافت کے بعد حضرت خواجہ صاحب اپنے اکثر طالبین کو مولانا کے پاس بیعت وتربیت کے لئے بھجواتے اور اپنے مکتوبات میں ہدایت کرتے تھے۔ جیسا کہ

کمالاتِ عثمانیہ میں ہے :

"میاں باران صاحب کو اپنے حلقے میں جگہ دیں اور سید صاحب کو کہا گیا ہے کہ ان کا سلوک اور اسباقِ باطنی نصف تک پہنچ گیا ہے، جو ولایتِ عالیہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر فقیر زندہ رہا تو بعد میں دیکھا جائے گا، اس لئے مہربانی کر کے ان کو اپنے حلقہ میں بٹھائیں تا کہ ان کے فیضان میں ترقی ہو۔ نیز اگر کوئی حقائق، کمالات کا طالب حضرت لعل شاہ صاحبؒ کے مریدوں میں سے آپ کے پاس آئے، ان کو توجہات دینے میں دریغ نہ کریں"۔

واں بھچراں واپسی اور دعوتِ توحید میں استقلال واستقامت :

موسیٰ زئی شریف دو سال کے عارضی قیام کے بعد مولانا واں بھچراں واپس تشریف لے آئے اور یہاں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کا سلسلہ شروع کیا' قرآن کا نظریہ توحید ان کا خاص موضوع تھا۔ ساتھ ہی ساتھ بدعات ومنکرات کی بھرپور تردید ومذمت بھی کرتے تھے، جس پر علاقہ کے بدعتی مولوی اور پیران کے مخالف ہوئے اور ان پر وہابی ہونے کا الزام لگایا۔ اس زمانے میں وہابی ایک بہت بڑی گالی اور ناقابلِ معافی جرم تھا۔ مشہور تھا کہ وہابی ہونے سے سکھ ہو جانا بہتر ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پاک وہند میں جس مردِ مجاہد نے بھی قرآن وسنت کی بات کی اور مشرکانہ عقائد ورسوم اور بدعات ومنکرات سے منع کیا۔ اسے وہابی کہہ دیا گیا۔ ولی اللّٰہی خاندان کے جلیل القدر افراد شاہ عبدالقادرؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ محمد اسحٰقؒ سے لے کر مولانا غلام اللہ خانؒ تک بھی تہمتِ وہابیت کا شکار رہے ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ہے :

"اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں"۔

(اقبال کے ممدوح علماء ص ۱۳۰ از فضل حق قریشیؒ)

چودھویں صدی ہجری کے عظیم فلسفی شاعر علامہ محمد اقبالؒ کا رجحان بھی اسی طرح ہے کہ انگریزوں نے ہر داعی قرآن وسنت کو وہابی کہہ کر اسے مسلمانوں میں بے اثر کرنے کی کوشش کی اور صوفیوں نے اپنے مفاد کی خاطر اپنے حلقہ ہائے اثر میں اس پروپیگنڈے کو ہوا دی۔ (قول امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بروایت مولانا غلام اللہ خانؒ از آغا شورش کاشمیریؒ)

الحمدللہ! اب وہابی ہونا یا وہابی کہلانا عیب نہیں رہا اور ہمارے ملک پاکستان میں اس کا کریڈٹ مولانا حسین علیؒ اور ان کے تلامذہ کو جاتا ہے۔ جنہوں نے قرآن وسنت کی دعوت کو عام کیا اور بدعات کے خلاف بھرپور جدوجہد کر کے صوفیوں کی صدیوں پرانی قوت وحشمت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ (سوانح مولانا حسین علیؒ ص: ۱۳۷ از مولانا محمد یعقوب)

مولانا حسین علیؒ نے مجلس وجلسہ، درس ووعظ حتیٰ کہ محفلوں میں بھی مسئلہ توحید کے بیان کو اپنا شعار بنالیا تھا، اور اس میدان میں اتنا آگے نکل گئے کہ بڑی بڑی خانقاہوں اور گدیوں میں سالانہ عرسوں کے موقع پر تشریف لے جاتے اور سجادگان وعوام میں وعظ فرماتے۔ سیال شریف (سرگودھا) کی مشہور گدی کے سالانہ عرس میں ان کی شرکت اور جلسۂ عام میں دعوتِ توحید کی روایت مشہورِ عام ہے۔

(پرانے چراغ ج ا ص: ۱۵۹ از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

وہ توحید خالص کی تبلیغ واشاعت اور دعوت الی القرآن کے میدان میں آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مصلح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شہید اسلام حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ کے نقشِ قدم پر تھے، جس کی شاہد ان کی مرتبہ کتاب البیان فی ربط القرآن المعروف بہ تفسیر بے نظیر اور ان کے امالی وملفوظات کا مجموعہ بلغۃ الحیران ہیں۔ ان کی دعوت وتحریک کا خلاصہ کلمۂ اسلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، جس کی وضاحت وہ اس طرح کرتے ہیں:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ :

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا مسجود کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا عالم الغیب کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت روا کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا مشکل کشا کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا پکاروں کے لائق کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا حاضر و ناضر کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ کے سوا نذروں اور نیازوں کے لائق کوئی نہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ :

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس لئے صرف انہی کی سنت، طریقے اور نقشِ قدم پر چلنا ہی دین ہے۔ صرف ان کے اتباع میں نجات ہے۔ اور وہی اسوۂ حسنہ ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا دین میں سند یا اتھارٹی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، عبد ہیں بلکہ عبدہ ہیں، مگر الٰہ اور مسجود ہیں نہ مشکل کشا اور حاجت روا، عالم الغیب ہیں نہ حاضر و ناظر، غائبانہ حاجات میں انہیں پکارنا شرک ہے اور جب انبیاء علیہم السلام کو پکارنا شرک ہے تو صالحین و اولیاء کو پکارنا بھی شرک ہے۔ (خلاصہ تصنیف حضرت مولانا حسین علیؒ اور خلاصہ تقاریر و خطبات مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ)

مولاناؒ کے نزدیک عقائد و اعمال کا اصل مآخذ قرآن و سنت ہیں اور مسلمانوں کی بدعقیدگی کی اصل وجہ ان کے ہاں قرآن سے دوری اور احکامِ قرآن سے انحراف و بغاوت

ہے۔ جب مسلمان قرآن سے وابستہ ہو جائیں گے تو شرک کی نحوست اور توحید کی اہمیت سے آگاہی ہو جائے گی۔ شرک چونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس لئے مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور اگر مسلمان شرک سے توبہ کرلیں تو ان کی دنیاوی فلاح یقینی ہے اور آخرت تو نورٌ علیٰ نورٌ ہے۔

(ماہنامہ الفرقان بریلی شمارہ شوال المکرم ۱۳۶۰ھ بحوالہ اقامۃ البرہان ص ۷)

ہجرت :

توحید وسنت کی اس طرح واشگاف دعوت اور شرک وبدعت کی اتنی بھرپور مذمت پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ خود مولاناؒ اس معاملے میں بہت حساس تھے جیسا کہ مولانا محمد منظور نعمانی" مدیر الفرقان لکھنؤ نے لکھا ہے :

''اخلاص توحید اور اس کی دعوت وتبلیغ کے ساتھ اتنا شغف وانہماک اور شوائب وشرک سے اتنی بیزاری بلکہ عداوت اور اتباع سنت کے ساتھ اس قدر اہتمام مجھے کہیں اور دیکھنا یاد نہیں''۔ (مرشد کامل ص ۸)

یہی وجہ ہے کہ شہر کے لوگ عداوت پر اُتر آئے، کئی بار جان سے مار دینے کی کوشش کی گئی، حتیٰ کہ ان کا گھر بار جلا دینے کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔ ان حالات میں مولاناؒ نے سنت نبوی ﷺ کے تقاضوں کے عین مطابق اپنے شہر سے نقل مکانی کر کے تقریباً دو میل دور اپنی زمینوں پر نیا مکان بنا کر رہائش اختیار کرلی اور وہاں مسجد اور طلباء کی رہائش کے لئے کمرے بھی بنا لیے۔ مولاناؒ کا اخلاص فی الدین اور ہجرت ہی ان کی عند اللہ مقبولیت ومحبوبیت کا باعث ہوئی اور ملک کے دور ونزدیک سے علوم قرآنی کے پروانے اور توحید وسنت کے محب ان کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے اور جنگل میں منگل کا سماں نظر آنے لگا۔ اسی محنت واخلاص کا ثمرہ ہے کہ اب دنیا بھر میں قرآنی حلقے قائم ہیں، جہاں ان کے فکر وفہم کی

تعلیم ہو رہی ہے۔ ہجرت کا واقعہ غالباً موسیٰ زئی شریف سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ۱۸۹۳ء میں پیش آیا۔ جس کا اندازہ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے، جس پر جولائی ۱۸۹۳ء (۱۳۱۳ھ) کی تاریخ ثبت ہے۔ مکتوب میں مولاناؒ کو درس و تدریس اور دعوتِ توحید میں صرف اللہ کی خوشنودی کا خیال رکھنے اور استقلال کی ہدایت کی گئی تھی۔

(رودِ کوثر ص ۶۶۴، از شیخ محمد اکرام)

حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کی وفات اور حضرت مولانا حسین علیؒ کا حضرت خواجہ سراج الدینؒ سے رجوع:

جولائی ۱۸۹۷ء (۱۳۱۷ھ) میں حضرت خواجہ محمد عثمانؒ نے انتقال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ سراج الدینؒ مجددی سلسلے کے اس عظیم مرکز موسیٰ زئی شریف کے مسند نشین ہوئے۔ مولانا حسین علیؒ نے اخذ الاکابر من الاصاغر کی مثال قائم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے بھی آپ کو تحریری اجازت نامہ کے ساتھ خرقۂ خلافت عطا کیا:

> ''اخی الصالح مولانا حسین علی صاحب نے نقشبندی مجدد طریق میں میرے والد صاحبؒ سے بیعت کی تھی۔ جنہوں نے لطائف کی بیداری کے بعد ان کو طریقۂ عالیہ میں اجازت مطلقہ عطا فرمائی تھی۔ والد صاحبؒ کے بعد انہوں نے فقیر سے رجوع کیا اور اسباق کے اعادہ و تکرار کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہر چند کہ اس کی لیاقت فقیر میں نہ تھی، مگر مولوی صاحب کی درخواست کو رد کرنا بھی مشکل تھا، چنانچہ حقیقت احمدی، حب صرف، دائرۂ سیف قاطع، دائرۂ حقیقت صوم کے اسباق میں فقیر نے مشاہدہ کیا کہ وہ مجمع البحار اور معدن الانوار بن گئے ہیں چنانچہ وہ میری طرف سے

بھی طریقہ عالیہ نقشبندیہ اور دیگر طریقہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، بحرویہ وغیرہ میں مجازِ مطلق ہیں۔ چنانچہ ان پر لازم ہے کہ ان طریقوں میں طالبینِ ہدایت سے طریقہ مسنونہ پر بیعت لیں۔ وہ میرے خلیفہ ہیں اور ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کا اتباع کریں''۔

حضرت خواجہ سراج الدین کی طبیعت پر حدیث رسول ﷺ کا غلبہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ''مبسوط سرخسی'' کی احادیث کی تخریج کا مشغلہ اختیار کیا۔ اس کے لئے حضرت مولانا حسین علیؒ کی معاونت وہم نشینی ضروری قرار دی گئی۔ (مقدمہ فیوضات حسینی، بلغۃ الحیران)

مدرسہ حسینیہ واں بھچراں کا دورۂ تفسیر قرآن :

مسلمانوں کی اخلاقی' معاشی اور سیاسی پستی اور ملی زوال کے اصل سبب سے متعلق مولاناؒ کا نظریہ گزشتہ صفحات میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ مولاناؒ نے اس کے علاج کے لیے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کا عزم کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے علمائے کرام اور دینی علوم کے طلباءَ کو اس طرف متوجہ کیا۔ ان کے پاس جو بھی آتا اسے قرآن پاک کا ترجمہ ضرور پڑھاتے۔ حتیٰ کہ مہمانوں اور عام ملنے والوں کا بھی لحاظ نہ کرتے، اس معاملہ میں ان کے انہماک کا اندازہ مندرجہ ذیل دو واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

واقعۂ اوّل :

''مولانا غلام رسول صاحب المعرف باباجی انہی والے اپنے زمانہ کے جید علماءَ میں شمار ہوتے تھے۔ سینکڑوں علماءَ ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر چکے تھے اور فی الواقعہ استاذ العلماءَ تھے۔ مولانا حسین علی صاحبؒ کی شہرت سن کر محض ملاقات کے لئے واں بھچراں تشریف لے گئے۔

مولاناؒ نے ان کی توجہ قرآنِ پاک کے ترجمہ کی ضرورت واہمیت کی طرف دلائی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ان سے ترجمہ پڑھیں۔ بابا جی نے کہا کہ مولانا میں تو تفسیر کا استاد ہوں اور کئی بار طالب علموں کو تفسیر پڑھا چکا ہوں۔ مولاناؒ نے فرمایا قرآنِ پاک کے مضامین کا خلاصہ اس طرح بیان کیا کہ بابا جی کو اپنی کم علمی کا احساس ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد بابا جی مستقل طور پر ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے لئے واں بھچراں تشریف لے گئے اور پورا قرآنِ پاک پڑھا''۔ (مقدمہ فیوضاتِ حسینی ص:۳۹)

واقعۂ دوم :

''مولانا انوار الحق صاحبؒ اور مولانا نجم الدینؒ (پروفیسر اورنیٹیل کالج لاہور) مولانا حسین علیؒ سے ملنے واں بھچراں پہنچے۔ واں بھچراں کے ریلوے اسٹیشن پر ہی ملاقات ہوگئی۔ مہمانوں نے آنے کا مقصد بتایا۔ مولاناؒ نے بتایا کہ پیر و مرشد حضرت خواجہ سراج الدین دریا خان آئے ہوئے ہیں، ان کی ملاقات کو جا رہا ہوں، آپ لوگ بھی آجایئے ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے، مجھ سے بھی مل لو گے اور حضرت سے بھی۔ چنانچہ دونوں حضرات گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مولاناؒ نے قرآنِ حکیم کے بیان کا سلسلہ شروع کر دیا اور دریا خان تک پہلے تیرہ پاروں کا خلاصہ بیان کر دیا''۔ (سوانح شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ص:۴۳، از مولانا عبد المعبود)

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ انہوں نے دورۂ تفسیر قرآن سب سے پہلے کب شروع کیا، مگر ارضِ پنجاب میں اس طرح کا کام کرنے والے وہ پہلے شخص تھے۔ یہ مولاناؒ کے اخلاص کا ثمرہ تھا کہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے علماءؒ اور طلباءؒ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے

استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ مولاناؒ قرآنِ پاک کے مضامین کے بیان اور ان کی تشریح و تفسیر میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ درسِ قرآن عمر بھر کا وظیفہ رہا اور کبھی ناغہ نہ ہوا۔ وہ فنا فی القرآن تھے اور علوم و معارف کے قیمتی نوادر روزمرہ کی گفتگو میں بیان کرنے پر قادر تھے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ کا دورۂ تفسیر قرآن بہت بعد میں شروع ہوا جو کہ ایک طرح سے مولانا حسین علیؒ ہی کے دورۂ قرآن کا شہری ایڈیشن تھا۔ مولاناؒ کے پاس جو طالب علم آتے اور ترجمہ پڑھتے کسی وجہ سے ان کا دل نہ لگتا تو وہ سفارش کرتے کہ لاہور چلے جائیں اور مولانا احمد علی صاحبؒ سے پڑھ لیں۔

ان کی خواہش تھی کہ ان کا دورۂ قرآن ملک بھر میں رواج پذیر ہو جائے اور اس لئے اپنے تلامذہ کو خاص ہدایت کرتے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ جو ان کی فکر کے سب سے بڑے شارح و ناشر اور مبلغ و داعی تھے کا بیان ہے کہ میں نے شیخؒ کی طرز پر دورۂ تفسیر کا ارادہ کیا اور اجازت لینے واں بھچراں پہنچا۔ حضرتؒ میرا پروگرام سن کر بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا: ''اللہ راضی تھیوی شروع کر برکت ہوسی''۔ (اللہ راضی ہو شروع کرو برکت ہوگی) اور جیسا کہ خود حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے تلامذہ میں قرآنِ پاک کی تعلیم اور خدمت کا کام سب سے زیادہ مولوی غلام اللہ خانؒ کریں گے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ نے راولپنڈی میں دورۂ قرآن کا آغاز کیا اور چند ہی سالوں میں اسی طرز کا دورۂ تفسیر پنجاب بلکہ ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر پورے عالم میں معروف ہوا، اور امریکہ، یورپ، افریقہ و آسٹریلیا تک سے علماً اس دورۂ تفسیر میں شرکت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی: "شیخ القرآن نمبر" و رسالہ جواہر القرآن)

ایک مولانا غلام اللہ خانؒ ہی پر کیا موقوف واں بھچراں کی اس قرآنی خانقاہ سے جتنے علماً تیار ہوئے، ان سب پر قرآنِ پاک کا غلبہ تھا، اور سب نے قرآن کے پیغام بالخصوص مسئلۂ توحید کو عام کرنے میں شاندار خدمات سرانجام دیں۔ راولپنڈی کا دارالعلوم

تعلیم القرآن، پنج پیر صوابی کا مدرسہ دار القرآن، سرگودھا کا مدرسہ ضیاء العلوم، خانپور کا مدرسہ مخزن العلوم، گوجرانوالہ کا مدرسہ صدیقیہ، گجرات کا مدرسہ ضیاء الاسلام، اٹک کا مدرسہ اشاعت الاسلام، رحیم یار خان کا مدرسہ بدر العلوم، قلعہ دیدار سنگھ کا مدرسہ محمدیہ اور خوشاب کا مدرسہ مفتاح العلوم اس درسگاہِ حسینیہ قرآنیہ کی مشہور شاخیں ہیں جن سے دورۂ تفسیر کے سوتے پھوٹے اور ان سے فارغ التحصیل ہونے والوں نے قرآن کے پیغام کو دور دور تک پھیلا دیا۔

تبلیغی اور اصلاحی اَسفار :

قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے علاوہ مولانا اصلاحِ عقائد کے لئے تبلیغی دورے بھی کرتے تھے۔ جن کے پروگرام بسا اوقات وہ خود یا ان کے تلامذہ ترتیب دیتے تھے۔ دیوبند، ڈابھیل، دہلی، سرحد اور پنجاب کے اضلاع گوجرانوالہ، گجرات، سرگودھا، راولپنڈی اور ملتان وغیرہ میں بار بار تبلیغی تقاریر کے لئے جانا ہوتا تھا۔ انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ اجتماع میں ضرور شرکت فرماتے۔ انجمن کے امیر مولانا احمد علی لاہوریؒ ان کے خصوصی معتقد اور معتمد تھے، وہ فرمایا کرتے تھے: ''انجمن خدام الدین کے جلسوں میں دوسرے علماءؒ کو اس لئے دعوت دیتا ہوں کہ عوام کی اصلاح ہو اور مولانا حسین علی صاحبؒ اور علامہ انور شاہ صاحبؒ کو اس لئے بلاتا ہوں کہ علماءؒ کی اصلاح ہو اور وہ استفادہ کریں۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، اگست ۱۹۶۸ء)

مولانا حسین علی صاحبؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مولد و مرقد سرہند شریف بھی جایا کرتے تھے اور خانقاہ کے منتظم کی خواہش پر درس و وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

سفرِ حج اور حرمین شریفین میں مصروفیات :

یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مولاناؒ نے حج کا سفر کس سن میں کیا، مگر ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ وہ ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) کے حج میں شریک تھے۔ قیامِ مکہ کے دوران آپ نے وہاں کے اہلِ علم سے ملاقاتیں کیں اور دین متین کے مختلف پہلوؤں پر ان سے تبادلۂ خیال کیا۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ کو آپ نے مکہ کے قاضی (چیف جسٹس) الشیخ محمد حسن بن محمد یوسف دمشقی سے ملاقات کی اور علم غیب لغیر اللہ تعالیٰ کے موضوع پر گفتگو کے بعد اس اساسی عقیدہ کے کفریہ ہونے کا فتویٰ حاصل کیا۔ شیخ موصوف نے فتویٰ پر دستخط اور مہر ثبت کر کے ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ کی تاریخ لکھی۔ سفرِ حج سے قبل دورانِ سفر اور ارضِ حرمین میں قیام کے دوران آپ کو رؤیائے صالحہ کے ذریعے حضور ﷺ کی طرف سے کئی بشارتیں دی گئیں جو کہ آپ کی دینی خدمت کی عنداللہ مقبولیت اور دربارِ رسالت مآب ﷺ میں محبوبیت پر دلالت کرتی ہیں۔ (روایت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاریؒ گجرات خلیفۂ مجاز حضرت مولانا حسین علیؒ)

اہلِ بدعت سے مناظرے :

حضرت مولانا عموماً مناظرہ مجادلہ سے گریز کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مناظروں سے مسئلہ حل ہونے کی بجائے اُلجھ جاتا ہے۔ عصبیت بڑھ جاتی ہے اور فریق ثانی ضد میں حق فہمی کے باوجود تسلیم نہیں کرتا۔ (سوانح مولانا حسین علیؒ ص:۳۸)

تاہم فریق مخالف کا چیلنج ضرور قبول کر لیتے۔ ان کے مقابل عموماً اہل بدعت ہی ہوتے تھے۔ مناظرہ کی ان مجالس میں شرکت سے ان کا واحد مقصد قرآنِ پاک کے ذریعے احقاقِ حق کرنا اور وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن کے تقاضے پورا کرنا تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں براہِ راست مناظرہ سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔ مسئلہ توحید کے بیان و وضاحت کے لئے انہوں نے اپنے تلامذہ کو اس میدان میں خصوصی تربیت دے رکھی تھی۔ مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا محمد طاہرؒ، مولانا قاضی نور محمدؒ، مولانا قاضی شمس الدینؒ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اہلِ بدعت کے ساتھ مناظروں میں ان کی نیابت کرتے رہے ہیں۔ جہاں

ان حضرات نے اپنے شیخ و مرشد کی تعلیمات کی روشنی میں حق و صداقت کے انمٹ نشان چھوڑے۔ چھدرو ضلع میانوالی میں علمِ غیب کے موضوع پر ہونے والا مناظرہ میں اس کی ایک مثال ہے۔ (مزید تفصیل سوانح مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ از علامہ عنایت اللہ منڈی بہاؤالدین)

علمِ غیب ہی کے موضوع پر ایک مشہور مناظرہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مولانا محمد منظور نعمانیؒ عالمی شہرت کے عالم دین، مناظر اور مصنف تھے) الفرقان جیسے علمی جریدہ کے بانی مدیر ہیں۔ ایک عرصہ تک بریلوی فتنے کا محاسبہ کیا۔ حتیٰ کہ خاص اسی مقصد کے لئے بانس بریلی میں بریلوی مکتبِ فکر کے مرکزی دارالعلوم کے عین سامنے الفرقان کا دفتر قائم کیا اور برس ہا برس تک علمائے بریلویہ سے مناظرے کرتے رہے۔

علالت :

۱۹۴۰ء (۱۳۶۰ھ) کے عشرے کے آغاز میں مولاناؒ کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ بڑھاپا بذاتِ خود ایک بڑی بیماری ہے۔ چنانچہ ان کی زندگی کے آخری دو تین سال علالت ہی میں گزرے، گاہے صحت یاب ہو جاتے اور کبھی طبیعت ناساز ہو جاتی۔ دیہاتی زندگی کے عادی تھے۔ شہری فضا میں گھٹن محسوس کرتے، ایک بار علاج کی غرض سے انہیں لاہور لے جایا گیا، وہاں طبیعت پر زبردست بوجھ پڑا، فرمایا: مجھے واپس لے چلو، میں یہاں ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ گاؤں واپس چلے گئے۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ نے ایبٹ آباد جانے کا مشورہ دیا یا تو فرمایا: سبحان اللہ یہ وقت مکہ مدینہ جانے کا ہے یا ایبٹ آباد جانے کا۔ (مقدمۂ فیوضاتِ حسینی ص ۴۸)

وفات کی افواہ :

علالت کے اسی زمانہ میں اہل بدعت نے آپ کی خبر ملک کے طول و عرض میں

پھیلا دی اور دیو بند اور دیگر جگہوں میں ٹیلی گرام کے ذریعے اطلاع بھی کر دی مولانا صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں :

''بخاری یا ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ سیدی مرشدی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی'' پڑھا رہے تھے کہ اثنائے درس میں کسی طالب علم نے رقعہ دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ میانوالی سے تار آیا ہے کہ حضرت مولانا حسین علیؒ جو حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے وفات پا گئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق رقعہ پڑھا اور اس کی تصحیح فرمائی کہ حضرت مولانا حسین علیؒ حضرت گنگوہی کے تلمیذ تھے خلیفہ نہیں تھے خلیفہ آپ حضرت خواجہ عثمانؒ آف موسیٰ زئی شریف کے تھے پھر حضرت مدنی نے نہایت افسوس کا اظہار فرمایا اور دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ میں ایصال ثواب کے لیے نو درہ میں (حسب دستور) طلباء اور اساتذہ حضرات حاضر ہو جائے۔ قرآن پاک کی تلاوت ہوئی اور پھر حضرت کی مغفرت اور رفعت درجات کے لئے دعا کی گئی لیکن واقعہ کے چند دن معلوم ہوا کہ یہ تار کسی بدظن نے دیا تھا حضرت مولانا حسین علیؒ تو ابھی تک بقید حیات ہیں''۔

(مقدمہ فیوضات حسینی ص ۱۲)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس اطلاع پر الفرقان میں حگرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا :

''۱۳۵۵ھ میں قضا و قدر نے ایک عجیب اتفاق سے مجھے دو تین دن کے لئے خدمت بابرکت میں پہنچا دیا۔ اخلاص توحید اور اس کی دعوت د

تبلیغ کے ساتھ اتنا شغف، شوائب سے اتنی بیزاری، بلکہ عداوت اور اتباع سنت کے ساتھ اس قدر اہتمام مجھے کہیں اور دیکھنا یاد نہیں اس کے علاوہ بھی جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اب اس کو یاد کر کے صرف حسرت ہی ہوتی ہے۔ مجھے خود تو ان چیزوں کی معرفت سے بہرہ نہیں لیکن بعض واقفین سے سنا تھا کہ اس زمانہ میں اس ملک میں مجددی طریق سلوک کے سب سے بڑے صاحب ارشاد شیخ اور ان دیار میں مجددی نسبت کے واحد حامل وامین تھے"۔ (اقامۃ البرھان ص ۷)

بہر حال اس افواہ کے بعد بھی حضرت مولانا تقریباً دو سال تک زندہ رہے تاہم بیماری بدستور رہی۔

وفات حسرت آیات :

چنانچہ اس بیماری میں وقت آخریں آ پہنچا اور سوموار کی رات ۲۵ جون ۱۹۴۴ء (۴ رجب ۱۳۲۳ھ) واں بھچراں کی اسی صحرائی درسگاہ میں اس عالم ربانی، واقف اسرار حقانی، داعی توحید اور مفسر قرآن نے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اگلے روز نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جس میں علاقہ گرد ونواح کے بڑے بڑے عباد وزہاد نے شرکت فرمائی (سوانح مولانا حسین علی ص ۴۴)

حضرت مولانا کے شاگرد خاص اور علمی جانشین شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے نماز جنازہ کی امامت کی نماز کے بعد اسی درسگاہ کے احاطہ میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (سورۃ رحمٰن ۲۷)

سب کیا لالہ گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں تھیں پنہاں ہوگئیں

تعزیت :

حضرت مولانا حسین علیؒ کے سانحہ ارتحال کو ملک بھر کے دینی اور علمی حلقوں میں شدت سے محسوس کیا گیا اور اسے ایک عظیم ملی نقصان قرار دیا گیا ملک کی سب سے بڑی دینی جماعت، جمعیت علمائے ہند نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ سہارنپور میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی زیر صدارت حسب ذیل قرار داد تعزیت جسے مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے پیش کیا منظور کی۔

''جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ میانوالی جو توحید کے بیان میں سیفِ عریاں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبل الاستقامۃ اور اعلاء کلمۃ الحق میں لایخافون لومۃ لائم کی شان کے حامل تھے کے سانحۂ احتحال کو ملت کا نقصانِ عظیم خیال کرتے ہوئے دلی حزن وملال کا اظہار کرتا ہے''۔

(روایت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ خلف الرشید مولانا حسین علیؒ)

اولاد :

حضرت مولاناؒ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ پانچ صاحبزادگان شامل تھے۔ حضرت کے صاحبزادوں کے نام مولوی صدر دینؒ، مولانا محمد صادقؒ، مولانا حافظ عبدالرحمنؒ، مولانا حافظ عبداللہؒ اور مولانا عبدالرزاق صاحبؒ تھے۔ مولوی صدر دینؒ اور حافظ عبداللہ صاحبؒ تو غالباً حضرتؒ کی حیات میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کے بعد اس درسگاہ کو قائم رکھا اور عمر بھر اپنے والد کے مشن کی تبلیغ و اشاعت میں گزادی۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تمام عمر اس کے سرپرست رہے۔ مولانا عبدالرزاق صاحبؒ بھی دعوت الی القرآن اور تبلیغ

توحید کے سلسلے میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر تھے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ درسِ قرآن میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ عمر بھر جمعیت اشاعت التوحید والسنّت سے وابستہ رہے، جولائی ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔

مولانا حافظ فقیر عبدالرحمان مرحوم تصوف وسلوک میں ان کا قدم بڑا راسخ تھا اور نقشبندی مجددی حسینی سلسلۂ طریقت میں ہزاروں لوگ ان سے فیض یاب ہوئے۔ حافظ صاحبؒ کا رُجحانِ طبع تصوف وسلوک کی طرف تھا۔ مولانا حسین علیؒ نے اپنے تمام صاحبزادوں میں سے خلافت انہی کو عطا فرمائی تھی۔

چند معروف تلامذہ :

حضرت مولاناؒ سے پنجاب وسرحد کے سینکڑوں علماء فیض یاب ہوئے اور بعض تو مستقبل میں بڑے نامور ہوئے۔ چند معروف تلامذہ کے نام یہ ہیں :

- ☆ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدینؒ غورغشتوی
- ☆ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ راولپنڈی
- ☆ شیخ التفسیر مولانا محمد طاہرؒ پنج پیر ضلع صوابی
- ☆ استاذ الاساتذہ حضرت بابا غلام رسولؒ انہی والے
- ☆ سراج الامت حضرت خواجہ سراج الدینؒ، موسیٰ زئی شریف
- ☆ حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ، انہی والے
- ☆ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز محدثؒ گوجرانوالہ
- ☆ شیخ التفسیر مولانا قاضی نور محمدؒ، قلعہ دیدار سنگھ
- ☆ شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدینؒ گوجرانوالہ
- ☆ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ بوچھالوی چکوال

☆ حضرت مولانا فضل کریم بندیالویؒ سرگودھا

☆ شیخ التفسیر مولانا محمد امیر بندیالویؒ سرگودھا

☆ مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ دیوبند (بھارت)

☆ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ گجرات

☆ پیر طریقت حضرت خواجہ محمد ابراہیمؒ موسیٰ زئی شریف

☆ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ خانپور

☆ پیر طریقت حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ شجاع آباد

☆ مفسر قرآن حضرت مولانا محمد زمان سنگوالہ تلہ گنگ

☆ مفسر قرآن حضرت مولانا محمد شاہ صاحبؒ جہلمی ثم چنیوٹی

☆ حضرت مولانا محمد زمان صاحبؒ میانوالی

(مولانا حسین علیؒ، شخصیت، کردار، تعلیمات ص ۵۵تا۵۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

احباب اشاعت التوحید والسنۃ کو یاد رکھنا چاہئے کہ '' اشاعت التوحید والسنۃ کی بنیاد دو (۲) اکابر پر ہے۔ ایک رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ اور دوسرے امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ (یہ بات احقر راقم الحروف سے قائد انقلاب شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب نے سالانہ اجتماع 2007ء کے لئے شوریٰ کے دوران کالوخان میں فرمایا) اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ امامِ انقلاب کا مختصر تذکرہ وسوانح سے اس مجموعہ کی زینت بڑھائی جائے۔

آپؒ ۱۰؍مارچ ۱۸۷۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی مذہب (سکھ) تھا۔ ۱۶ برس عمر میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ بھر چونڈی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

قبولِ اسلام کا واقعہ :

شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ۸؍ذی الحجہ کو مسجد خیف میں مولانا صاحب سے پوچھا کہ آپ کیسے مسلمان ہوئے۔ آپؒ نے فرمایا :

'' تم بہت شریر ہو (یہ ان کے پیار کے الفاظ تھے جو کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے) آج تک کسی نے یہ جرأت نہیں کی، پھر خود ہی فرمانے لگے کہ میں یتیم بچہ تھا اور میرا والد سکھ تھا جو فوت ہو گیا تھا، میرا ماموں ڈیرہ غازی خان میں تھانیدار تھا اور میری والدہ وہاں اپنے بھائی کے ساتھ رہتی تھی۔ میں اس وقت تقریباً ۱۵، ۱۶ سال کا تھا اور آٹھویں جماعت میں

پڑھتا تھا۔ میں کھیل کود کا زیادہ شوقین تھا۔ ایک رات میں نے بازار میں ہجوم دیکھا تو میں بھی ہجوم میں داخل ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ چار آدمیوں کی پنچایت کرسیوں پر بیٹھی ہے اور سامنے ایک طرف کرسی پر ایک مولوی صاحب اور دوسری طرف کرسی پر پنڈت بیٹھے ہیں۔ مولوی صاحب اُٹھے اور اعتراض کرنے لگے کہ ہندو دھرم اس واسطے غلط ہے کہ ہاتھ کے بنائے ہوئے بت کو سجدہ کرتے ہیں اور اسے حاجت روا سمجھتے ہیں۔ پنڈت اُٹھا اور جواب میں کہنے لگا کہ مسلمان بھی اپنے ہاتھوں مردوں پر مٹی ڈال کر ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور انہیں حاجت روا سمجھ کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ مولوی صاحب دوبارہ اُٹھے اور جواب میں کہنے لگے کہ اگر ہمارے مسلمان مردوں کو پکارتے ہیں تو یہ ہمارے دین میں نہیں بلکہ جاہلوں کا عمل ہے اور ہم اس سے منع کرتے ہیں۔ جبکہ تمہارے دین کی کتابوں میں ہے کہ بتوں کی پوجا پاٹ کرو۔

پنڈت دوبارہ اُٹھا اور کہنے لگا کہ تمہارے دین میں ہے کہ دیواریں خانہ کعبہ تم نے اپنے ہاتھ بنایا ہے اس کو سجدہ کرو۔ مولوی صاحب نے جواب میں کہا کہ ہم خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں نہ کہ کعبہ کو، جبکہ تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت کو سجدہ کرتے ہو۔

پنڈت لاجواب ہوگیا اور پنچایت نے، جو ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ مولوی صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ انہوں نے مناظرہ جیت لیا ہے۔

مولانا سندھیؒ فرمانے لگے کہ اس وقت سے اسلام کی حقانیت اور عظمت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان مطالعہ کی اور پٹنہ کے مشہور پنڈت جو مسلمان ہوگئے تھے کی کتاب تحفۃ الہند کا بھی مطالعہ کیا۔ ان دونوں کتابوں نے اسلام کے لئے میری رغبت اور شوق کو اور بڑھا دیا۔ میں نے ایک طالب علم کے ساتھ گھر سے بھاگنے کا مشورہ کیا۔ چنانچہ پہلے ہم ملتان گئے وہاں سے سندھ

اور پھر شوق علم سے حضرت شیخ الہند کے پاس دیو بند چلا گیا۔ (بقیۃ الاثار ص: ۶۷،۶۸)

۱۳۰۸ھ میں دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر سندھ واپس آئے۔ آپ کی آمد سے دو دن قبل حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ آپ بھر چونڈی سے ہوتے ہوئے سیدھے امروٹ شریف آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کا ارادہ فرمایا۔ حضرت مولانا تاج محمد امروٹیؒ نے آپ کے ارادہ کو بہت پسند فرمایا اور رہنے کی تمام سہولتیں مہیا کر دیں۔ حضرت مولانا امروٹی نے آپ کی شادی کرادی اور آپ کی والدہ کو پنجاب سے بلوالیا۔ نیز آپ کے لئے عربی کتابوں کا ایک بہترین ذخیرہ جمع کیا، جس میں مصر، استنبول اور قاہرہ کی اہم اور نادر کتابیں تھیں۔ امامِ انقلابؒ مسلسل سات سال تک نہایت سکون و اطمینان سے امروٹ شریف میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے ایک دارالعلوم کھولا، جس میں علومِ عربیہ خصوصاً فلسفہ ولی اللٰہی کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے امروٹ میں ایک مطبع بھی قائم کیا جس میں سندھی زبان میں کئی دینی کتابیں چھپیں۔ اسی پریس سے "ہدایۃ الاخوان" نامی سندھی زبان میں ایک دینی ماہنامہ بھی کچھ عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔

سات سال کے بعد حضرت مولانا سندھیؒ امروٹ سے پیر جھنڈہ سندھ منتقل ہو گئے لیکن امروٹ سے آپ کا رابطہ قائم رہا۔ آپ نے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کو حضرت مولانا امروٹیؒ سے متعارف کرایا اور حضرت شیخ الہندؒ دوبارہ امروٹ شریف تشریف لائے۔ اسی طرح حضرت مولانا امروٹی بھی دیو بند تشریف لے گئے اور مدرسہ دیو بند کی پچاس سالہ جوبلہ کے جشن میں شریک ہوئے۔

۱۳۳۴ھ (۱۹۱۵ء) میں حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے جب حضرت مولانا سندھیؒ نے کابل جانے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا امروٹیؒ نے ان کو وہاں تک پہنچانے میں

ہر طرح کی مدد کی۔ کابل جانے کے بعد بھی مولانا امروٹی سے رابطہ قائم رکھا۔ انقلابی تحریکات میں ایک تحریک ''ریشمی رومال کی تحریک'' ہے۔ ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا گیا تھا۔ وہ سی آئی ڈی کے ہاتھ لگ گیا۔ یہی خط سی آئی ڈی کی تجسس وتفتیش کی بنیاد بنی۔ صحیح بات یہ ہے کہ تحریک کے بانی حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ جیسا کہ حضرت مولانا سندھیؒ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے :

''۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق سندھی، مولانا ابو محمد لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۴ء) میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا۔ اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اسی غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاست سے واقف رہا۔

۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل

پروگرام نہیں بتایا گیا اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی مگر تعمیلِ حکم کے لئے جانا ضروری تھا۔ خدا ان نے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا۔ دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے۔ انہوں نے بھی اپنا نمائندہ بنا دیا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہیں بتا سکے۔

کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندہ تھے، اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہے۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا''۔ (تحریک ریشمی رومال ص:۱۱۳۔۱۱۴)

قیامِ افغانستان کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ قندھار سے ہوتے ہوئے ۱۵/ اگست کو کابل پہنچے۔ سردار نصر اللہ خان' امیر حبیب اللہ خان اور ان کے فرزندِ اکبر سردار عنایت اللہ خان سے ملاقات کی۔ ترکی اور جرمن مشن آیا اور ہندوستانیوں نے حکومت موقتہ قائم کی تو مولانا بعض وجوہ سے اس کے ہمنوا نہ رہ سکے۔ راجہ مہندر پرتاپ صدر حکومت موقتہ کے متعلق مولانا کو یقین ہو گیا تھا، وہ کانگریس کے بجائے ہندو مہاسبا کے کارندے ہیں اور انہوں نے خود حکومت موقتہ کی اسکیم لالہ لاجپت رائے کو دے دی تھی۔ غالباً اسی اسکیم کی بناء پر لالہ راجپت رائے نے یہاں افغانوں کے حملہ کا افسانہ تیار کیا تھا۔ حکومت موقتہ کی طرف سے روس، جاپان اور ترکی مشن بھیجے گئے۔ مولانا ان کی تجویز و ترتیب میں شریک رہے۔ افغانستان میں خدامِ خلق کی ایک جماعت بنائی جس کا نام ''جنود اللہ'' رکھا۔

امیر امان اللہ خان کے عہد میں ایک ہندوستانی تعلیم گاہ قائم کرنے کی اجازت لی

لیکن برطانوی سفیر نے زور دے کر یہ اجازت مسترد کرادی۔ ۱۹۲۳ء میں افغانستان سے نکل کر ماسکو اور استنبول ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے۔
(تحریک شیخ الہند ۱۲۰، ۱۲۱)

حجاز مقدس میں بارہ (۱۲) برس تک قیام کے دوران میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار ونظریات کی روشنی میں اپنے انقلابی اصولوں کی تکمیل کی اور قرآن مجید کی تعلیمات کو ایک سچے طالب علم کی طرح از سرِ نو سمجھنے کی کوشش کی اور قرآن حکیم کی تفسیر پر انقلابی نقطۂ نگاہ سے نظر ثانی کی پھر آزادئ ہند کا ایک عملی پروگرام وضع کیا۔

جب ۷؍ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہندوستان واپس آئے اور زندگی کے بقیہ ایام شاہ ولی اللہؒ کے افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت میں گزار دیئے۔ دراصل تعلیمات قرآنی کی درس وتدریس ہی مولانا موصوف کی زندگی کا ماحصل ہے، کیونکہ قرآن پاک کو وہ مسلمانوں کی دنیوی ودینی کامیابیوں کا اولین اور آخری وسیلہ سمجھتے تھے۔

مولاناؒ اپنی جوانی کے بھرپور ایام میں اساتذہ اور بزرگوں کے ارشاد پر وطن سے بے وطن ہوئے۔ وہ فرماتے تھے کہ باہر رہ کر اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت ممکن تھی میں نے کی، ساتھ ساتھ مجھے بہت دیکھنا پڑا۔ (خطبات ومقالات ص۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

> ''قرآن مجید کے مطالب ومعانی کو سمجھنا میری طبیعت کو سب سے زیادہ رغبت اس موضوع علم سے ہو رہی ہے اور چونکہ قرآن شریف کی تعلیمات میں سب سے اہم مسئلہ توحید کا اثبات اور شرک کا انکار ہے اس لئے مجھے اس مسئلہ سے خاص دلچسپی تھی''۔

مولانا قرآن کو اس زمانے کی اعلیٰ نصاب تعلیم کا سب سے اہم حصہ مانتے ہیں

اور شاہ صاحبؒ نحویین، مناطقہ اور فلاسفہ کی چنیں و چناں سے الگ ہو کر قرآن کے فن دوڑاتے اور اس پر غور و فکر فرماتے۔

اصول تفسیر میں امام ولی اللہؒ کے ''الفوز الکبیر'' سے پہلے علامہ سیوطیؒ کی ''الاتقان'' کے نام سے اصول تفسیر پر ایک کتاب ملتی ہے یا ابن تیمیہؒ کا ایک رسالہ، امام ولی اللہؒ نے اس موضوع پر محققانہ کام کیا۔ قرآن مجید اور حدیث کی تعلیم عام ہونے سے ہی مجتہدانہ سوچ پروان چڑھ سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم اور سماجی علوم پر کام کے آغاز سے درِ اجتہاد کھول دیا تھا اور یہ دروازہ زبانِ حال سے کہ رہا تھا ......۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ، ساقی پہ صلہ میرے بعد

یہ حریف مے مرد افگنِ عشق امام عبیداللہ سندھیؒ تھا یہ وہ دانائے راز تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے ....۔

عمر پا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یہ دانائے راز امام شاہ ولی اللہؒ سے شیخ الہندؒ تک کے علوم کا وارث تھا۔ شیخ الہندؒ نے وہ سارا علم جو اپنے اسلاف سے حاصل کیا، اپنے شاگردِ رشید کو منتقل کر دیا۔ مولانا سندھیؒ نے شیخ الہندؒ سے قرآن مجید کے اسرار و غوامض سیکھے، انہوں نے اپنے اساتذہ اور اسلاف کا علم کس طرح مولانا کو پہنچایا۔ اس کے بارے میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں :

ہم (مولانا سندھی) نے امام فخر الدین رازیؒ متوفی ٦٠٦ کی تفسیر پڑھی۔ نیز جار اللہ زمخشری کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ معالم التنزیل از ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی متوفی ٥١٠ھ اور تفسیر حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ بھی پڑھی۔ ان سب تفسیروں کے ذریعہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کی اپنی استطاعت

کے مطابق پوری کوشش کی لیکن سوائے تحیر کے ہمیں کچھ نصیب نہ ہوا، اگر زمانہ طالب علمی میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہندؒ سے چند آیتوں کی تفسیر جو کتابوں میں نہیں ملتی، نہ سنی ہوتی اور ہمارے لئے وہ اطمینان کا ذریعہ نہ بنتی۔ نیز شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعض تفسیری جملوں کو نہ پڑھتے۔

تو قدماء کی ان تفسیروں کو پڑھ کر ہم علم تفسیر کے حصول سے قطعاً مایوس ہو جاتے۔ بے شک ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں نے انہیں کتابوں کی مدد سے قرآن سمجھا تھا اور ان ہی اُصول وقواعد پر انہوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق قرآن کی حکومت قائم کی تھی لیکن جہاں تک اس زمانے کا تعلق ہے، ہمارے اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ناممکن ہے۔ (شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ ص:۵۴)

امام سندھیؒ نے فہم قرآن کے سلسلے میں ایک ایسی راہ دکھائی، جو نئی تو تھی، مگر قرآنِ حکیم کے خلاف نہیں تھی۔ انہوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو آگے بڑھایا۔

امام سندھیؒ نے قرآن فہمی کے سلسلے میں جو اُصول وضع کیے، وہ ان کے اتباع اور تلامذہ کے ہاں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ رئیس المفسرین شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے افادات ''العرفان'' میں امام سندھیؒ کے اُصولوں کو شیخ القرآن حضرت مولانا حسین علیؒ کے اُصولوں سے ملا کر ایک نیا امتزاج پیش کیا ہے۔ (قرآن کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟)

آج جہاں جہاں دعوتِ قرآن نظر آ رہی ہے، وہاں وہاں امام سندھیؒ کے افکار اور طرزِ فکر کی جھلک نظر آتی ہے۔

آپ ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ فرحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ پنج پیر

۱۹۱۳ء میں صوبہ سرحد کے ضلع صوابی کے گاؤں پنج پیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد متوسط درجہ کے زمیندار تھے اور علمائے دین سے عقیدت رکھتے تھے، اِسی جذبہ کے تحت اپنے صاحبزادے محمد طاہر کو علمِ دین سے آراستہ کرنے کا عزم کیا، جب شیخ القرآنؒ نے پرائمری سکول کا امتحان پاس کرلیا، تو اپنے مصارف سے ایک اُستاد کی خدمات حاصل کیں، جس سے انہوں نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، کچھ کتابیں اپنے ہی علاقہ کے بعض علماء سے پڑھنے کے بعد مکھڈ شریف (ضلع اٹک) کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا، وہاں سے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی شہرت سن کر واں بھچراں حاضر ہوئے اور تین سال رہ کر تفسیر، حدیث اور فقہ اور تصوف وغیرہ میں اِکتساب کیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا غلام رسولؒ (انہی) بابا سے فنونِ عقلیہ ونقلیہ، منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال غور غشتی ضلع اٹک میں رہ کر شیخ الحدیث مولانا نصیر الدینؒ سے دورۂ حدیث پڑھا، پھر دوبارہ واں بھچراں جا کر مولانا حسین علی صاحبؒ سے ترجمہ قرآن کریم، صحیح بخاری، صحیح مسلم کے چند مواضع اور سنن ابی داؤد پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اَدب عربی کی کتابیں شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ سے دارالعلومِ دیوبند میں پڑھیں اور دوبارہ دورۂ حدیث میں شرکت کی۔ اس وقت کے شیخ الحدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر (بھارت) میں درس وتدریس کے بعد وطن واپس آگئے، حج بیت اللہ شریف کے

لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، تو مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتابیں اور اُن کی طرز پر ترجمہ قرآن پاک پڑھا۔ مدینہ منورہ جا کر مشہور محدث شیخ عمر بن حمدان سے بخاری شریف پڑھی، حج سے واپسی پر اپنے علاقہ میں جہالت اور شرک و بدعت کی ظلمت کو محسوس کر کے دعوت الی القرآن کا عزم کیا اور اس کے افتتاح کے لئے اپنے شیخ حضرت مولانا حسین علیؒ کو دعوت دی۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں سے پنج پیر تشریف لے گئے اور وہاں تین دن قیام فرمایا کہ قرآنِ حکیم کا درس دیا، درسِ قرآنِ پاک کی اِن محفلوں میں علماء اور عوام کی کثیر تعداد نے شرکت فرمائی، حضرت مولاناؒ نے آپ کو صوبہ سرحد کے ان دیار میں اپنا نائب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ :

"اس علاقہ میں مولوی محمد طاہر صاحب کو چھوڑتا ہوں کہ میرے طریقے پر درسِ قرآنِ پاک دیتے رہیں"۔

حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ نے اُستادِ محترم کی نیابت و اعتماد کا حق ادا کر دیا اور اِن کا نام صوبہ سرحد میں طبقۂ موحدین کی علامت بن گیا۔ چنانچہ صوبہ سرحد میں قرآن و سنت کے داعی اور شرک و بدعت سے بیزار اشخاص کو ان کے حوالے سے پنج پیری کہا جاتا ہے، جیسا کہ پنجاب و ہندوستان میں وہابی کہا جاتا ہے، یہ مولانا محمد طاہرؒ کی دینی خدمات کا بہت بڑا اعتراف ہے۔

اُنہوں نے دعوتِ قرآن کا آغاز کیا تو بدعتی مولویوں اور پیروں نے ان کی سخت مخالفت کی، کئی بار اُنہیں جان سے مارنے کی کوشش کی، فتوے لگائے اور انہیں کافر و مرتد قرار دیا، مگر آپ نے بڑی سختی سے مشرکانہ عقائد و رسوم کا رَد کیا، دعوتِ توحید میں مولاناؒ کی شدت و سرگرمی سے علماءِ اعتدال بھی بدک گئے اور وہ بھی گاہے در پردہ اور اعلانیہ ان کی مخالفت کرنے لگے، شیخ القرآنؒ مخالفت سے گھبرانے کی بجائے انتہائی صبر و استقامت کا

مظاہرہ کرتے رہے، اُنہوں نے اپنے شیخ مولانا حسین علی الوانی ؒ کے مشن کو مزید آگے بڑھایا، رفتہ رفتہ قرآن کے پروانے آپ کے پاس دُور ونزدیک سے آنا شروع ہوگئے اور وہ وقت بھی آیا، جب آپ کے دورۂ تفسیر میں بیک وقت چار چار ہزار علماء شرکت کرتے تھے، ان کے دورۂ تفسیر کی شہرت صوبہ سرحد سے نکل کر افغانستان اور عراق تک جا پہنچی، جہاں سے ہر سال ہزاروں علماء شاملِ درس ہوتے تھے، ان کا دورۂ تفسیر دو حصوں میں منقسم تھا۔ پہلا دورۂ تفسیر جس کو عرفِ عام میں بڑا دورہ کہا جاتا تھا، ۱۰رشعبان سے ۲۷ررمضان تک ہوتا تھا۔ اور دوسرا دورۂ تفسیر جسے عرفِ عام میں چھوٹا دورۂ تفسیر کہا جاتا تھا/۴رشوال سے لے کر ۲۰رشوال تک ہوتا تھا۔ اس میں وہ علماء و مدرسین شرکت کرتے تھے، جو ترجمۂ قرآن سے واقف تھے۔ اس دورہ میں پانچ باتوں کا اہتمام ہوتا تھا :

(۱) ربطِ سورۃ ماقبل کے ساتھ۔

(۲) مقصد السورۃ۔

(۳) امتیازاتِ سورۃ۔

(۴) تقسیم السورۃ الی مضامینھا۔

(۵) مشکلات السورہ۔

ان دونوں دورہ ہائے تفسیر میں مردوں کے علاوہ خواتین بھی شرکت کرتے تھے اور روزانہ درسِ قرآن ۱۸ گھنٹے سے ۶ گھنٹے تک ہوتا تھا۔ (یعنی ابتداء میں ۱۸ گھنٹے اور جب کمزور ہوگئے تو ۶ گھنٹے)۔

مولانا نے پنج پیر میں دارالقرآن کے نام سے ایک بڑی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور اس سے کئی شمعیں روشن ہوئیں۔ اُنہوں نے قرآن وسنت کی دعوت اور شرکت و بدعت کی تردید ومذمت کا حق ادا کر دیا، دعوتِ توحید کی شدت میں اس حد تک چلے گئے کہ حیلہ اسقاط

کے مسئلہ میں اپنے اُستاذِ حدیث مولانا نصیر الدین غور غشتی صاحبؒ کے فتوے کے جواب میں ایک رسالہ بنام ”الانتصار لسنۃ سید الابرار ﷺ“ لکھا۔

مولانا محمد طاہرؒ نے جنگِ آزادی میں بھی حصہ لیا، وہ حاجی صاحب ترنگزئی اور فقیر اپی کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے، انگریزوں کے خلاف بندوق اُٹھائی اور قید بھی کاٹی، تحریک ختمِ نبوت میں مجاہدانہ حصہ لیا، اور پسِ دیوارِ زنداں رہے، ۱۹۵۷ء میں مولانا حسین علیؒ کے تلامذہ وخلفاء کے ساتھ مل کر جمعیت اِشاعت التوحید والسنۃ قائم کی اور اس کے صوبائی امیر مقرر کیے گئے تھے، شوریٰ میں فیصلہ ہوا تھا کہ کسی نے بدعت کی اور پھر معافی کی بجائے اس پر مصر رہا تو ہم ان سے بائیکاٹ کریں گے۔ چنانچہ جب مولانا نصیر الدین غورغوشتویؒ کا فتویٰ شائع ہوا تو ان سے بائیکاٹ کے بارے میں پنجاب کے کچھ علماء لیت و لعل کرتے رہے۔ اسی وجہ سے شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر کے جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کی بنیاد رکھی، جس کے آپ امیر مقرر ہوئے، اس جماعت نے صوبہ سرحد میں دعوتِ توحید، اشاعتِ سنت اور تردید شرک و بدعات کے سلسلے میں نمایاں خدمات سرانجام دیں، ۱۹۸۵ء میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ (گجرات) کی تحریک پر پنجاب اور جماعت صوبہ سرحد کی اشاعتی کام کا آپس میں اِدغام ہوا اور شیخ القرآن پنج پیرؒ مرکزی امیر منتخب ہو گئے۔

مرکزی امیر اشاعت التوحید والسنّت کی حیثیت سے آپ نے جماعت کو منظم و متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور پیرانہ سالی کے باوجود طویل مسافت طے کر کے جماعت کے اجلاسوں میں شرکت کرتے اور ارکانِ جماعت کو دستورِ جماعت کی پابندی نہ کرنے پر باز پرس کرتے۔

شیخ القرآن پنج پیرؒ نے اہلِ بدعت سے کئی مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش

دی، حتیٰ کہ ایک چھوٹے سے قصبہ سے تحریک شروع کر کے اپنے مخالفین کو مسلمانوں کے مرکز بیت اللہ میں توبہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اِن کی تقاریر وخطبات قرآنی جواہر سے مزین ہوتیں، اور مشرکین ومبتدعین کے لئے ایک شمشیر برہنہ کی حیثیت رکھتی تھیں، وہ مصالحت و مداہنت سے نفور تھے اور دینی معاملات میں کسی اپنے پرائے کی قطعاً پرواہ نہ کرتے اور نہ ہی رعایت برتتے۔ مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ سے ان کا اختلاف اور اس کے نتیجے میں جمعیت سے علیحدگی اس کی واضح مثال ہے۔ان پر رجوع الی القرآن کی دُھن سوار تھی اور اسی باعث زبانِ خلق انہیں شیخ القرآن کہتی تھی۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ بعد از وفات النبی ﷺ، سماع عند القبر، استشفاع، توسل ووسیلہ اور سماع موتی وغیرہ مسائل میں اِن کا مسلک بہت راسخ تھا اور ان مسائل میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کے ہمنوا تھے۔ بدعت اور بدعتیوں سے سخت نفرت تھی۔ شرک و بدعت کے رَد میں درس وتدریس، وعظ وارشاد کے علاوہ ہاتھ سے بھی کام لیتے تھے۔ وہ نقشبندی مجددی طریقِ سلوک میں مولانا حسین علیؒ سے بیعت تھے اور اُن کے خلفاء میں بہت نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔

حضرت شیخؒ کے چند حیرت انگیز واقعات :

(۱) حضرت شیخؒ اپنے مایہ ناز تصنیف ''بقیة الاثار من الحیوة المستعار'' میں رقمطراز ہیں کہ :

''ایک دن استاد صاحب نے مجھے منیۃ المصلی کا ایک صفحہ پڑھایا۔ میں سبق پڑھ رہا تھا اور ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا، استاد صاحب نے کئی دفعہ تنبیہ کی، مگر میں باز نہ آیا۔ اتنے میں میرے والد صاحب تشریف لے آئے۔ استاد صاحب نے شکایت کی کہ یہ پوری توجہ

نہیں کرتا۔ والد صاحب نے مجھے ایک تھپڑ لگایا، تو میں نے کہا کہ استاد صاحب میرا سبق سن لیں۔ استاد صاحب نے فرمایا لاؤ کتاب، میں نے کہا کہ عبارت یاد سے سناتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنا سبق عبارت کے ساتھ حفظ سنا دیا تو استاد حیران ہو گئے۔

(بقیۃ الا ثار من الحیوۃ المستعار ص ۱۵)

(۲) داخلۂ دارالعلوم دیو بند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

''میں ۱۷ ارشوال کو دیو بند پہنچا اور اسی روز داخلہ فارم پُر کر کے دے دیا کہ میں ہدایہ، تفسیر، بیضاری اور صحیح مسلم میں امتحان دوں گا اور ادب کی کتابیں اور دورۂ حدیث پڑھوں گا ۱۸ اشوال کو میرا امتحان داخلہ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ جو اس وقت ناظم مدرسہ بھی تھے' کے سپرد ہوا۔ مولانا صاحبؒ کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کبھی کسی کو امتحان میں کامیاب نہیں کرتے۔ نمازِ ظہر کے بعد دو بجے مولانا اعزاز علیؒ کے ہاں حاضر ہوا۔ مولانا صاحبؒ کے پاس تینوں کتابیں صحیح مسلم، بیضاوی اور ہدایہ پڑی ہوئی تھیں۔ مولانا صاحبؒ نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور ہدایہ دیتے ہوئے فرمایا کہ پڑھو۔ میں نے ہدایہ سے ایک صفحہ پڑھا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا' صرف عبارت پڑھنا نہیں، میں نے سر اُٹھا کر تمام صفحے کا مطلب بیان کیا۔ مولانا صاحبؒ نے دو تین سوال کئے اور میں نے ان کے جوابات عرض کر دیئے۔ ایسے دو جگہیں اور مولانا صاحبؒ نے نکالیں' میں نے وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا تو مولانا صاحبؒ نے چند سوالات کئے، جب میں نے جوابات دے دیئے تو مولانا صاحبؒ نے صحیح مسلم نکالی۔ میں نے جہاں سے مولانا صاحبؒ نے فرمایا، حدیث پڑھی اور پھر اس کے اول مذاہب بیان کئے، پھر حدیث کا مطلب اور جیسا کہ حضرت شیخ مولانا حسین علی صاحبؒ نے پڑھایا تھا' دیگر کتابوں سے موازنہ کیا۔''

پھر مولانا صاحبؒ نے تفسیرِ بیضاوی نکالی اور اس میں سے آیت سواء علیھم

ء انذرتهم الخ مع تفسیر پڑھی، پھر مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ تحقیق مفسرین اور اس کی وجوہ مفصل بیان کرو۔ میں نے حسبِ علم خود بیان کیا۔ مولانا صاحبؒ چھیڑ چھاڑ شروع کی، درمیان میں بندہ نے بھی کچھ کہا، جس پر مولانا صاحبؒ غصہ میں آ گئے کہ تم میرا امتحان لیتے ہو؟ دو گھنٹے گزر گئے مگر امتحان ابھی تک جاری تھا۔ اتنے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تشریف لائے اور شیخ الادبؒ سے فرمانے لگے کیا ایک ہی طالب علم سے امتحان لینا ہے؟ یوں شیخ الاسلامؒ کے فرمانے سے میرا امتحان ختم ہوا۔ پھر مولانا اعزاز علیؒ مجھ سے پوچھنے لگے تم پڑھنے کے لئے آئے ہو جبکہ تم نے تو کتابیں ختم کی ہوئیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! علمِ ادب باقی ہے۔ مولانا صاحبؒ نے پوچھا، تمہارا والد زندہ ہیں؟ عرض کیا کہ فوت ہو چکے ہیں۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا، کھانے کا کیا کرو گے؟ عرض کیا جناب یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے جیسا کہ جناب کے ذمہ پڑھانا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جب کوئی طالب علم امتحانِ داخلہ میں کامیاب ہو جاتا تو مدرسہ کی طرف سے اسے کھانا، کپڑے اور تیل دیا جاتا تھا مگر چند دنوں کے بعد امتحان سے فارغ ہونے کے بعد شیخ الادبؒ نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ۔ مولانا صاحبؒ میرے آگے آگے چلتے ہوئے سیدھا منزلِ اہتمام کو تشریف لے گئے۔ میں گھبرا گیا، اس لئے کہ دورانِ امتحان میں نے مولانا صاحبؒ سے چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ اس لئے مولانا صاحبؒ مہتمم صاحب کو حکم دیں گے کہ مجھے جلدی سے مدرسہ سے خارج کیا جائے۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کا رعب مہتمم اور اراکینِ مدرسہ پر بہت زیادہ تھا۔ میں دارالاہتمام میں مرعوب اور مغموم ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں مولانا صاحبؒ نے مہتمم صاحب سے فرمایا، عمر بھر میں نے ایک طالب علم دیکھا ہے اور میری طرف اشارہ فرمایا، پھر فرمانے لگے کہ یہ یتیم ہے، ابھی سے ٹکٹ طعام دیجئے۔ مہتمم صاحب نے ناظمِ مطبخ کو بلایا اور مجھے ٹکٹِ طعام دے دیا۔ نماز

عصر کا وقت تھا، میں نے نماز پڑھی اور شام کا کھانا، جو بعد عصر دیا کرتے تھے لے کر کمرے میں آ گیا۔ میرے ساتھیوں نے جب دیکھا تو سب انگشت بدندان ہوئے۔

میں نے دیوبند میں سبع معلقات، مقاماتِ حریری، متنبی، حماسہ اور علم طب جو عصر کے وقت پڑھایا جاتا تھا، پڑھا۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحبؒ سے قاضی پڑھی اور صحیح بخاری شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی۔ میں نے شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی تقریر حماسہ اور تقریر متنبی کو گیارہ سو صفحات میں قلمبند کیا تھا، جو دو ضخیم جلدوں میں ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ (بقیۃ الآثار ص:۳۲ تا ۳۵ ملخصاً)

(۳) میانوالی میں ایک روز درس میں اہل قرآن کریم (منکرینِ حدیث) کے خلیفہ نے آیت ''نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم'' کے متعلق سوال کیا کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خواہ قُبل ہو یا دُبر، دونوں جائز ہیں اور حدیث اس کے خلاف ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ جو دُبر امراۃ میں آئے اس پر لعنت ہے۔ اس لئے احادیث جھوٹ ہیں۔

میں نے جواب میں کہا مولانا رومؒ نے مثنوی میں ذکر کیا ہے کہ ایک استاد نے اپنے شاگرد سے کہا اندر شیشہ کا گلاس پڑا ہے، وہ اُٹھا کر لے آؤ۔ شاگرد بھینگا تھا، جب اندر گیا تو اس کو ایک کی بجائے دو گلاس نظر آئے۔ وہ باہر آ کر اپنے استاد سے کہنے لگا کہ وہاں دو گلاس پڑے ہیں، کونسا لاؤں؟ استاد نے کہا ایک ہے مگر شاگرد مصر رہا کہ گلاس دو ہیں۔ آخر استاد نے اسے ایک پتھر دیا کہ ایک گلاس توڑ دو اور دوسرا لے آؤ۔ جب اس نے ایک گلاس توڑ دیا تو دوسرا کہاں تھا۔

جناب! ایسے ہی آپ کو قرآن وحدیث دو علیحدہ علیحدہ نظر آتے ہیں، حالانکہ وہ دراصل ایک ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے جہاں فصل ہو یعنی جہاں سے بچہ پیدا ہو

وہاں سے آؤ اور حدیث میں اس شخص پر لعنت فرمائی گئی ہے جو فصل کی جگہ چھوڑ دے۔ ہاں اگر کسی کی فصل (حرث) کی جگہ ہی دُبر ہو (یعنی اگر تم دبر سے پیدا ہوئے ہو) تو بے شک دبر میں آؤ۔ وہ نہایت شرمندہ ہوا اور آئندہ کبھی سوال نہیں کیا۔

(۴) میانوالی کے دورانِ اقامت کبھی کبھی جب تقریر کرنے لگتا تو باہر چوک میں اور سٹیشن کے باہر چوک میں مشرکین مجھے پتھر مارتے تھے۔ ایک روز میں سٹیشن سے باہر چوک میں تقریر کرنے لگا تو میرے کپڑے خون آلود ہو گئے۔ ایک پولیس کا سپاہی درمیان میں آیا اور بیچ بچاؤ کرایا۔ (بقیۃ الاثار ص:۴۳)

(۵) ہم چند رفقاء نے مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کے درس شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ چنانچہ ہم نے بعد نمازِ عصر بیت اللہ درسِ قرآن کریم شروع کر دیا۔ ایک روز شیخ ابوالسمحہ آ گئے جو امامِ بیت اللہ تھے اور ملک عبدالعزیز کے استاذ وہ روزانہ شاہی دربار میں بعد از نمازِ عشاء مسند امام احمد بن حنبلؒ کا درس دیتے تھے۔ وہ بیت اللہ میں چکر لگاتے ہوئے ہمارے پاس آ کر رُک گئے۔ میں درسِ قرآنِ کریم دے رہا تھا۔ شیخ ابوالسمحہ نے کان لگا کر مجھ سے بار بار لفظِ توحید سنا تو میرے پاس آ گئے اور تشریف رکھ کر فرمانے لگے، کیا تم ہندی ہو؟ (اس وقت پاکستان نہیں بنا تھا) میں نے کہا نعم۔ فرمایا تم توحید کا نام کیوں لیتے ہو۔ الھندیون کلھم مشرکون (ہندی تو سب مشرک ہیں) میں نے کہا ان میں مؤحدین بھی ہیں۔ فرمانے لگے انھم لا یعلمون القرآن (ہندی قرآن کریم کو نہیں سمجھتے) میں نے کہا سمجھتے ہیں۔ فرمایا ان میں کوئی قرآن نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا کہ ان میں سے بعض قرآن کریم آپ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ شیخ ابوالسمحہ غصہ میں آ کر فرمانے لگے مجھ سے زیادہ کون؟ میں نے کہا میں ہوں۔ فوراً فرمایا کہ تم نے تکبر کیا ہے اور اپنی مدح خود کر دی ہے۔ میں نے کہا ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے "یجوز مدح الرجل نفسہ اذا

جهل مكانه ''(جب آدمی کا کہیں تعارف نہ ہو تو اسے اپنا تعارف خود کرا دینا چاہیے) شیخ نے فرمایا سورۃ الکوثر کا مطلب بیان کرو میں نے کہا آپ ہی فرما دیں۔ انہوں نے ترجمہ کیا میں نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ نے ترجمہ کیا ہے مطلب سورۃ کا کیا ہے؟ فرمایا تم بیان کرو میں نے کہا یہ تو چھوٹی سی سورۃ ہے کسی طویل سورۃ کا مجھ سے پوچھتے، آپ حم مؤمن لے لیں میں نے سورۃ کا دعویٰ نفی شرک فی الدعاء بیان کیا اور پھر سورۃ کا مضمون بتلایا کہ اس میں رد شرک اعتقادی باقسام اربعہ اور رد شرک فعلی ہے۔ دلائلِ عقلیہ کے ساتھ۔ پھر حم السجدہ کا مقصد بیان کیا کہ اس میں دفع شبہات ثلاثہ ہے ایسے ہی سورۃ الزخرف، سورۃ الدخان، سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف بیان کیں، پھر سورۃ الکوثر کا مطلب بیان کیا کہ اس سورۃ میں خداوند کریم انسان سے دو چیزوں کا جو انسان کے پاس ہیں مطالبہ کرتے ہیں، عبادت بدنی (ماخذ فصل لربک ہے) اور اور عبادت مالی (وانحر)۔ اس کے بدلے میں دو چیزیں اللہ تعالیٰ دیں گے۔ ایک الکوثر اور دوسری دشمن کی تباہی و بربادی (ان شانئک ھو الابتر)

اسی دوران میں مجمع زیادہ ہو گیا اور پولیس بھی کھڑی تھی۔ ایک ساتھی نے مجھے اشارۃً ڈرایا مگر میں نے پروانہ کی۔ شیخ ابوالسمح نے جب مجھ سے کئی سورتوں کے مطالب سنے تو میرے ہاتھ چومنے لگے اور فرمایا: واقعی تم قرآن کریم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔ شیخ نے مجھ سے میرا نام اور مقام پوچھا، میں نے اپنا نام بتلا کر مقام مولانا سندھی کا بتلایا۔ شیخ نے ہمارا دعوت کرنے کے بعد فرمایا: یہیں سعودیہ میں رہو، قضا چاہو یا تدریس، جو تمہاری مرضی ہوگی دوں گا۔ میں نے کہا میں تو اپنے وطن واپس جاؤں گا۔ شیخ نے مولانا سے کہا کہ اسے یہیں روکیں۔ مولانا بھی کہنے لگے مگر میں نے انکار کر دیا۔ (بقیۃ الآثار ص ۷۳۔۷۲)

۲۹/مارچ ۱۹۸۷ء (بمطابق ۲۹/رجب ۱۴۰۷ھ) کو چند ماہ کی علالت کے بعد راولپنڈی کے ایک ملٹری ہسپتال میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ان کی ب

آبائی گاؤں پنج پیر لے جائے گئی۔ جہاں ان کے صاحبزادے مولانا محمد طیب طاہری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو پنج پیر کے قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ اشاعت التوحید والسنۃ کے ناظمِ اعلیٰ مولانا قاضی احسان الحق (جانشین شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ) نے مولانا محمد طیب کی دستار بندی کی اور انہیں اپنے والدگرامی کا جانشین مقرر کیا۔

دعوت وتبلیغ، وعظ ورِارشاد، درس وتدریس، دارالقرآن کے انتظام واہتمام اور جماعتی نظم ونسق کے اُمور میں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف سے بھی علاقہ رکھا۔ کئی تالیفات ان کی یادگار ہیں۔ زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱۔ **البصائر للمتوسلین باھل المقابر (عربی)** اس کتاب کے ابتداء میں حضرت شیخؒ نے ایک اہم قاعدہ ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ عقائد میں ادلہ یقینیہ (قطعیہ) کا اعتبار کیا جاتا ہے، پھر ان غیر معروف کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو معتبر نہیں اور مسئلہ عدم سماع موتی قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ اکثر شہروں میں شرک کا سبب بنتا ہے اور توسل شرعی اور توسل شرکی کا فرق بیان کیا ہے۔ وہ متوسلین جو توسل شرکی پر دلائل پیش کرتے ہیں اس پر حضرت شیخؒ نے رد کر کے بہت طویل کلام کیا ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں کئی مرتبہ اور ایک مرتبہ دولۃ قطر میں شائع ہوئی۔ کتاب عربی میں ہے، قائدِ محترم کے حکم پر احقر اردو ترجمہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

۲۔ **نیل السائرین فی طبقات المفسرین:** اس کتاب میں حضرت شیخؒ نے احوالِ مفسرین میں سب سے پہلے مفسر اوّل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا ہے اور اپنے آپ پر ختم کیا ہے۔ مفسرین کے تیرہ (۱۳) طبقے ذکر فرمائے ہیں اور ہر دور میں تفسیر کے تغیر وتبدل کے طرق بیان کئے ہیں اور اکثر مفسرین کے امتیازی اوصاف ذکر کئے ہیں۔ اس طرز پر حضرت شیخؒ سے تفصیلی بحث کسی نے نہیں کی۔ اصل کتاب عربی میں

اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

۳۔ سمط الدرر فی ربط الآیات والسور : اس کتاب میں حضرت شیخؒ نے تفسیر کا انوکھا طریقہ بیان کیا ہے۔ پس ہر سورۃ کے بنیادی موضوع کے لئے دعویٰ سورۃ کا نام وضع کیا، پھر یہ واضح کیا ہے کہ سورۃ اپنے دعویٰ کے اردگرد کیسے گھومتا ہے۔ سورۃ کو عنوانات میں تقسیم کیا ہے اور سورۃ کا ماقبل سے ربط، دعویٰ سورۃ اور سورۃ کا اپنے مضامین کو تقسیم اور خلاصۂ سورۃ ذکر کیا ہے اور آخر میں سورتوں کے موضوعات کی تلخیص بیان کی ہے۔

۴۔ اللمعان من خلاصة سور القرآن : یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو پشتو زبان میں ہے۔ اس میں قرآن کریم کے سورتوں کے موضوعات اور امتیازات وغیرہ مذکور ہیں اور رسالہ کے آخر میں سورتوں کے اسماء اور بنیادی موضوع کو اشارہ کرتے ہوئے منظوم کلام میں ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی العرفان کی طرح حضرت شیخؒ کی افادات کا مجموعہ ہے جسے استادی المشفق حضرت علامہ سلطان غنی عارف الطاہری مدظلہ نے مرتب کیا ہے اور پھر حضرت شیخؒ کے نام منسوب کیا ہے۔ استادِ مکرم نے بندہ راقم الحروف سے فرمایا کہ ''میں ۱۹۷۸ء میں کراچی میں قیام پذیر تھا کہ حضرت شیخؒ کراچی تشریف لائے اور مجھ سے العرفان اور اللمعان طلب فرمایا، میں نے بارہا معذرت کی کہ حضرت یہ ابتدائی درجوں میں لکھا ہے، شائع کرنے کی نہیں، مگر حضرت شیخ کے اعتماد کی وجہ سے حوالہ کیا۔ حضرت شیخ نے دونوں کتابیں شائع کردی۔ استادِ مکرم نے بندہ کو دونوں کتابوں کے اصل مسودات دکھلائے۔

۵۔ أصولِ السنة لرد البدعة : یہ کتاب رد بدعت پر مشتمل ہے۔ اس میں دو باب اور ایک خاتمہ ہے۔ بابِ اوّل میں تعریف بدعت اور اس کے مضرات کے بارے میں بیان ہے۔ حضرت شیخؒ نے بدعت کے بائیس (۲۲) مضرات بیان کئے ہیں، پھر ان اُمورِ

افعال کا تذکرہ کیا ہے جس کی وجہ سے بدعت پیدا ہوتی ہے۔

بابِ دوم میں وہ اُصول ذکر کئے ہیں جس سے ہر بدعت کی تردید کی جائے۔ اس کے لئے بیس (۲۰) اُصول ذکر فرمائے ہیں اور ہر قاعدہ اور اصل پر بدعت اور کیفیتِ رد تفریع کیا ہے۔ خاتمہ میں ترکِ رسومات کا بیان ہے۔

۶۔ **النشاط من حیلة الاسقاط** : حیلۂ اسقاطِ مروجہ کی رد میں ایک منفرد اور بے مثال رسالہ ہے۔

۷۔ **الرسالة البیضا فی مسئله الدعاء** : دعا بعد السنن بہیئتِ اجتماعی کو بعض لوگ لازم سمجھتے ہیں تو حضرت شیخؒ نے اس بدعت پر اس رسالہ میں رد کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ عبادات کی کمیت اور کیفیت شارع علیہ السلام کا حق ہے، پھر دس وجوہ سے اس بدعت کی تردید کی ہے۔

۸۔ **الرسالة علی المصافحه**: صلوٰۃ عیدین، صلوٰۃ فجر اور عصر و جمعہ کے بعد اکثر علاقوں میں مصافحہ کا رواج ہے اس بدعت کی رد میں حضرت شیخؒ نے یہ رسالہ لکھا ہے۔

۹۔ **العرفان فی اصول القرآن** : حضرت شیخؒ نے اس کتاب میں فہم قرآن کے لئے قواعد واصولِ تفسیر بیان فرمائے ہیں اور علومِ قرآن کو ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس موضوع پر (علوم قرآن) پہلے بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ حضرت شیخؒ ہر سال دورۂ تفسیر کے ابتداء میں طلبا کو اُصول بیان فرماتے اور طلبہ اپنے الفاظ و تعبیر میں اجمال و تفصیل کے ساتھ لکھتے، حضرت شیخؒ کے سینکڑوں شاگردوں کے ساتھ اس قسم کا مخطوطہ نسخہ پایا جاتا ہے اور کتاب مذکور (العرفان) حضرت شیخؒ کے تلمیذِ خاص استاد مکرم شیخ القرآن مولانا سلطان غنی عارف الطاہری مدظلہم نے درجۂ ثانیہ کے سال عربی زبان میں لکھ کر اپنے مشفق استادؒ

کے نام منسوب کر کے ١٩٧٨ء میں حضرت شیخؒ نے شائع کی۔ اب والدی المکرم واستاذ المحترم حضرت شیخ عارف مدظلہم کا ارادہ ہے کہ ان کو تفصیلی لکھ دیں۔ اللھم وفقھم لما یحب ویرضیٰ۔

١٠۔ الانتصار لسنۃ سید الابرار : حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے نام منسوب فتوے کی رد میں لکھی گئی ہے۔

١١۔ حقیقتِ مودودی : اس رسالہ میں حضرت شیخؒ نے مودودی کے ان خطاؤں کا مواخذہ کیا ہے جو اس نے شانِ انبیاءؑ وصحابہؓ وغیرہ پر افترا بازی کی تھی، اُس کا رد ہے۔

١٢۔ ارشاد الانام فی ترک فاتحہ خلف الامام : حضرت شیخؒ نے اس کتاب میں امام کے پیچھے ترکِ فاتحہ پر نہایت علمی بحث کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

١٣۔ ضیاء النور من احیاء السنۃ لدخص الفجور واماتۃ البدعۃ:
اس کتاب میں کے ابتداء میں بدعت کی مذمت احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اقوالِ سلف الصالحین سے بیان فرمایا ہے۔ بدعت کی لغوی وشرعی تعریف بیان کی ہے اور بدعات و رسومات کے مابین فرق ذکر کیا ہے۔ رد بدعت کے لئے قواعد اور مبتدعین کے شبہات کے جوابات ذکر فرمائے ہیں۔ تفاسیر، احادیث اور کتبِ فقہ میں کیسے دس وفریب داخل ہوا ہے اس کے وجوہات حضرت شیخؒ نے بیان کئے ہیں۔

مندرجہ بالا کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، اس کے علاوہ دیگر کئی کتب غیر مطبوعہ ہیں۔

شیخ القرآنؒ سے بلا مبالغہ ہزاروں علماً فیضیاب ہوئے۔ جو پاکستان، افغانستان، ایران، عراق، عرب امارات وغیرہ میں خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔

ان کے چند مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں:

☆ مولانا خان باد شاہ شہید اذان (چارسدہ) ☆ مولانا سلطان غنی عارف (کاٹلنگ مردان) ☆ مولانا محمد یار بادشاہ (باجوڑ) ☆ مولانا محمد رفیق عرفِ تنار شیخ (توردھیر صوابی) ☆ مولانا فضلِ حق (سوات) ☆ مولانا عبدالجبار (باجوڑ) ☆ مولانا امیر حسین باچہ (صوابی) ☆ مفتی سراج الدین ☆ مولانا عبدالسلام (رستم ضلع مردان) ☆ مولانا افضل خانؒ (شاہ پور، سوات) ☆ مولانا سید مظفر شاہ، مولانا خان بادشاہ (قطر) ☆ جانشین حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری ☆ شیخ القرآنؒ مولانا ولی اللہ خان (کابلگرامی) ☆ شیخ القرآن علامہ میر سمیع الحق (افغانی)۔

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات ص: ۳۱۷ تا ۳۲۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے، وہ اپنے شیخ کی زندگی میں ہی جماعت حسینی کے قائد تسلیم کیے جاتے تھے۔ شیخ کو ان پر نہ صرف بھرپور اعتماد تھا بلکہ اِن سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی اور یہ کام (دعوتِ قرآن) کرے نہ کرے، مجھے مولوی غلام اللہ خانؒ سے پوری توقع ہے کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائیں گے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ نہ صرف اپنے شیخ کے مسلک و مشرب پر قائم اور اُن کی محبت و عقیدت سے سرشار رہے، بلکہ اُن کی فکر کے سب سے بڑا شارح و داعی کی حیثیت سے رُجوع الی القرآن کی اس تحریک کو عالمگیر تحریک بنایا، اور دنیا کے گوشے گوشے میں حسینی فکر کو متعارف کرادیا۔

مولانا غلام اللہ خانؒ بن ملک فیروز خان بن ملک ستار خان ۱۹۰۴ء (۱۳۲۲ھ) میں دریہ (نزد حضرو) ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ اعوان قبیلے سے تعلق تھا، اِن کے والد اپنے گاؤں کے بڑے زمیندار اور نمبردار تھے۔

مولانا احمد دینؒ (ٹھٹھہ وادی سون ضلع راولپنڈی) مولانا سکندر خانؒ، مولانا محمد اسمٰعیلؒ (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہری پور) سے صرف و نحو اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ منقولات و معقولات کی کتابیں اُستاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسولؒ انہی والے اور مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔ ترجمۂ قرآن، تفسیر اور حدیث مولانا حسین علی صاحبؒ سے پڑھی۔ دورۂ حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے ڈابھیل میں پڑھا۔

بہیں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے مسلم شریف اور ترمذی شریف پڑھیں۔ مولانا حسین علی صاحبؒ کے ہاتھ پر نقشبندی مجددی طریق پر بیعت کی اور ان کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے۔

ڈابھیل، بھیرہ، وزیر آباد اور گجرات کے مدارس میں تدریس کے بعد راولپنڈی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور پرانا قلعہ کی مسجد میں خطیب مقرر ہوگئے۔ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔ جو بعد میں مولانا حسین علیؒ کے علوم وافکار کی سب سے بڑی اور مرکزی درسگاہ کی حیثیت اختیار کرگیا۔

قیامِ پاکستان سے پہلے مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ ہوئے اور اس جماعت کے پلیٹ فارم پر آزادیٔ وطن کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اسی دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بہت قریب آگئے اور انہیں کی وساطت سے ان کے پیرومرشد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے بھی جنہوں نے اِن کا خاندانی نام غلام خان سے بدل کر غلام اللہ خانؒ رکھ دیا اور یہی نام مشہور بھی ہوا۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے دینی تعلیم انتہائی مشکل حالات میں حاصل کی تھی اور اس کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے۔ اس لئے فنِ تدریس میں خصوصی مہارت حاصل کی اور اوائل عمری میں ہی اِن کا شمار ماہرفن اساتذہ میں ہوتا تھا۔ انہیں اپنے شیخ کی طرز پر دورۂ تفسیر میں خاص شغف وانہماک تھا اور اس میں نصف صدی تک ناغہ نہ ہونے دیا وہ اُن لوگوں میں سے تھے، جن کا وجود کسی ملک اور قوم کے لئے عطیۂ الٰہی ہوتا ہے۔ وہ علماءِ ہند کے شاندار ماضی کی یادگار اور صحیح الفکر اکابر کے چہرے کی آبرو تھے۔ وہ اپنے دور (۱۹۳۰ء تا ۱۹۸۰ء) کے سب سے بڑے داعیٔ توحید وسنت تھے۔ علوم قرآن میں سند اور اتھارٹی سمجھے جاتے تھے اور انہوں نے قرآن حکیم کی تدریس وتعلیم، توحید وسنت کی دعوت وتذکیر اور شرک وبدعات کی تردید ومذمت میں عمر گزار دی۔ وہ شرک وبدعت کے مقابل توحید و

سنت کی علامت اور نشان تھے۔ فرقِ باطلہ کے لئے شمشیر برہنہ تھے اور ان کے نام سے فرقِ باطلہ کے پیروکار لرزہ براندام رہتے تھے۔ ختم نبوت ﷺ کے تحفظ اور ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت میں ان کی خدمات پوری جماعت سے زیادہ ہیں۔

وہ فنافی القرآن تھے۔ سفر وحضر اور ریل وجیل درس قرآن میں ناغہ نہ کرتے تھے وہ پہلے شخص تھے، جنہیں تاریخ اسلام میں شیخ القرآن کے لقب سے شہرت ملی، ہزاروں علماء ان سے مستفید ہوئے۔ تلامذہ کی تعداد کے اعتبار سے وہ چودھویں صدی ہجری کے سب سے بڑے شیخ تھے۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، شیخ القرآن نمبر)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ پر توحید کا غلبہ تھا۔ دعوتِ توحید کے سلسلے میں ان کی خدمات کئی جماعتوں سے زیادہ ہیں۔ اس میدان میں وہ اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر تھے جو مؤلف تاریخ دعوت وعزیمت کے بقول امام ابن تیمیہؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی راہ پر تھے، توحید کی خاطر انہوں نے بڑے مصائب برداشت کیے۔ پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ علاقہ بدری کا عذاب سہا، پابندیاں برداشت کیں۔ قاتلانہ حملوں کا ہدف بنے، مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ جاگیرداروں کا رُعب ودبدبہ، سجادہ نشینوں کی سازشیں، قادیان کی خانہ ساز نبوت کا ذبہ کا سرکاری اثر ورسوخ اور حکمرانوں کا اختیار وسطوت انہیں اس راہ سے نہ ہٹا سکا۔ انہوں نے تحفظ ختم نبوت ﷺ کی تحریک میں قائدانہ حیثیت سے حصہ لیا۔ اور تقریباً ۳۲ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد بالآخر اپنے مقصد میں کامران ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں حضور ﷺ کے بعد مدعی نبوت کے پیروکاروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ جس کے لئے باقاعدہ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء میں ترمیم کی گئی۔ (پرانے چراغ از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

وہ قافلۂ توحید وسنت کے میرِ کارواں تھے اور بالاتفاق اپنے شیخ کے جانشین سمجھے

جاتے تھے۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنّت پاکستان کے روزِ اوّل (۱۹۵۷ء) سے ناظمِ اعلیٰ مقرر کیے گئے اور تادمِ آخریں (مئی ۱۹۸۰ء) یہ ذمہ داری بطریقِ احسن نبھائی۔ ۱۹۵۵ء کے بعد سے وہ ملک کے اَجل علماء میں شمار کیے جانے لگے تھے۔ ان کی آواز دیوبندی مکتبِ فکر کی آواز سمجھی جاتی تھی۔ دارالعلوم کی جامع مسجد میں اِن کا خطبہ ایوان ہائے اقتدار میں زلزلہ برپا کردیتا تھا۔

حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ پر اپنے شیخ کے فکر وفہم اور تعلیمات ونظریات کی دعوت واشاعت کا جنون تھا۔ تفسیر قرآن پاک میں اُن کی طرزِ خاص کی تعلیم وتدریس کے لئے ہر سال دو ماہ کے لئے خصوصی قرآنِ پاک کورس پڑھاتے، جسے اُن کے ہاں دورۂ تفسیر سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں خصوصیت سے اُن حضرات کو داخل کیا جاتا تھا جو جملہ علومِ عربیہ سے فارغ التحصیل ہوچکے ہوں۔ اس دورۂ تفسیر کی دنیا بھر میں شہرت تھی اور پاکستان کے علاوہ افغانستان، ایران، ملائشیا، انڈونیشیا، افریقی ممالک اور عرب ممالک سے علماء اس میں شرکت کرتے اور قرآنی جواہر سمیٹتے۔ یہ دورۂ تفسیر ہر سال رجب سے رمضان تک کے مہینوں میں دارالعلوم تعلیم القرآن میں پڑھایا جاتا تھا۔ اسی سلسلے کا ایک پروگرام وہ مکہ مکرمہ میں بھی شروع کرنا چاہتے تھے اور سعودی حکومت سے اس کی اجازت بھی حاصل کرلی تھی، مگر وقتِ اَجل نے مہلت نہ دی۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے اپنے شیخ کے معارف وافادات کے تحریری ضبط ونظم کا بھی اہتمام کیا اور اس سلسلے میں حسبِ ذیل علمی آثار ترتیب دیئے:

(۱) مقدمہ جواہر القرآن، جس میں حضرت شیخؒ کے فہمِ قرآن کے حوالے سے قوانین واصطلاحات، فوائدِ تفسیریہ، تحقیق الفاظ اور مسئلہ الٰہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) حاشیہ قرآن حکیم میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ پر مولانا حسین علیؒ کے تفسیری افادات ونکات ہیں۔

(۳) تفسیر جواہر القرآن، جو بلغۃ الحیر ان کی تشریح وتسہیل ہے، اہلِ علم کے نزدیک حضرت مولاناؒ کے فکر ونظر، عقائد وایقان اور فہم وتدبر فی القرآن کی عکاس وترجمان ہے اور اُردو زبان میں توحید الٰہی کا سب سے جامع صحیفہ ہے۔

مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، مولانا رسول خانؒ، مولانا عبدالرحمٰن بہبودیؒ، مولانا ولی اللہؒ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا قاضی شمس الدینؒ اور مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیلؒ جیسے علمائے تفسیر وحدیث نے جواہر القرآن کی تقاریظ لکھی ہیں۔ اور اسے قرآنِ حکیم کے علوم ومعارف کا خزینہ قرار دیا ہے۔ ایسے جلیل القدر علماءِ اُمت کی آراء کے سامنے کسی علم وادب سے بے بہرہ شخص کی رائے کی حیثیت ہی کیا ہے، تاہم مؤلف (جناب انجینئر میاں محمد الیاس) اپنی دوسری تالیف ''حیات شیخ القرآن'' سے اقتباس نقل کرتا ہے کہ:

''مسئلہ توحید کا بیان اس تفسیر کا اصل امتیاز ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اہلِ علم اور قرآن کے شائقین کا اولین انتخاب جواہر القرآن ہوتا ہے اور یہی اس کے قبولِ عام ہونے کی دلیل ہے۔ تفسیر درج ذیل محاسن و خصائل کی آئینہ دار ہے''۔

(۱) توحید ہی اصل دین اور دائمی و اُخروی مدارِ نجات ہے۔ اس کے اعلان وبیان کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین مبعوث ہوئے۔ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت وتذکیر ہی منصب نبوت کی منشاء

معراج ہے۔ قرآن نے وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون ۔(انبیاء:۲۵) کہہ کر اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور قرآنِ پاک توحیدِ ربانی کے اظہار و بیان کی سب سے بڑی دستاویز ہے۔ جواہر القرآن میں مسئلہ توحید کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ توحید اپنی نزاکتوں سمیت دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں کوئی معاصر تفسیر اس کی ہم پلہ نہیں کہی جا سکتی۔ توحید سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت ایمان کی پہچان ہے اور اُس کے باقی تمام درجات کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ جواہر القرآن کے مطالعہ سے ایمان کو تازگی ملتی اور عقیدہ میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کے پیامِ توحید کے اظہار و بیان، فکر و تدبر اور تشریح و تفہیم کے سلسلے میں اس کی حیثیت صحیفۂ توحید کی سی ہو گئی ہے۔

(۲) یہ تفسیر تطہیر عقائد اور اصلاحِ اعمال کے عالمگیر پیغام جس کا نام اسلام ہے کی بہترین شارح ہے۔

(۳) یہ تفسیر القرآن بالقرآن کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ آیاتِ قرآنی کی اصل منشاء کی وضاحت میں یفسر بعضہ من بعض کے اُصول کو اپنا کر دعویٰ کی دلیل دوسری آیات سے دی گئی ہے۔ نیز صحیح احادیثِ نبوی ﷺ آثارِ صحابہؓ اور اقوالِ تابعینؒ و سلفِ صالحینؒ سے اپنے مؤقف کو مضبوط تر کیا گیا ہے۔

(۴) شیخ الہندؒ کا ترجمہ، شاہ عبد القادرؒ کا حاشیہ و فوائد اور شاہ ولی اللہؒ کے فوائد فتح الرحمٰن سے مزین اس تفسیر میں ہر سورت کے آغاز میں مولانا

حسین علیؒ کے افادات کے تحت سورت کا خلاصہ اور نچوڑ، ربط بین السورہ و ربط بین الآیات اور آخر میں آیاتِ توحید کی نشاندہی اس جامعیت سے کی گئی ہے کہ اس کا حسن نکھر گیا ہے، جس سے دوسری تفاسیر تہی دست ہیں۔

(۵) ایک ہی مجموعہ میں متقدمین اور متاخرین علماءِ تفسیر کی عربی و فارسی تفاسیر کا اہم مواد اس خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے کہ قرآنی علوم کے طالب دوسری تفاسیر سے بے نیاز ہو جائیں، جن تک براہِ راست رسائی اَمرِ محال ہے۔

(۶) جواہر القرآن میں اُن علماءِ سو کے فریب کا پردہ چاک کیا گیا ہے، جو وہ بعض آیاتِ قرآنی کی معنوی تحریف کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اِن آیات کو اُن کے مقام و منشاء کے عین مطابق اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قران کا نورِ توحید نکھر کر سامنے آ گیا ہے اور شکوک و ابہام کے پردے چھٹ گئے ہیں۔

(۷) دیگر مذاہب اور باطل فرقوں کا خالصتاً علمی اَنداز میں اِس طرح محاسبہ کیا گیا ہے کہ قاری کے لئے صراطِ مستقیم کا چناؤ آسان ہو گیا ہے۔

(۸) یہ دعویٰ بہ تکرار کیا گیا ہے کہ قرآن حکمت و موعظت کے ساتھ دعوت الی اللہ و رجوع الی اللہ کا علمبردار ہے اور اَحکامِ قرآن کی تعمیل بھی اِسی طریق پر کاربند ہونے سے ہو سکتی ہے۔

(۹) مسئلہٴ توحید میں جو اِنہماک پہلی سورت کی تفسیر میں محسوس

ہوتا ہے وہ ان اگلی سورتوں میں فزوں تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ قاری کے ذہن میں خالص توحید راسخ ہو جاتی ہے۔ الحمد سے والناس تک توحید کی نکات کچھ اس طرح تطبیق کی گئی ہے کہ پڑھنے والا خود کو توحیدی ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

(۱۰) مرتب کے ذہن اور فکر وفہم پر اپنے شیخ کے اثر کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

(۱۱) ''جواہر القرآن'' تفسیر بالروایت کی نہایت عمدہ مثال ہے اس کی بنیاد قرآن وسنت، آثار صحابہؓ اور اجماع امت پر رکھی گئی ہے محض قصیدۃً صحیح یا غلط نہیں کہا گیا ہے۔

(۱۲) علمی مسائل میں تحقیق کے اسلوب سے مرتب اور ان کے شیخ کی ایمانی کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے قرآن وسنت کی روشنی میں جسے حق سمجھا کر بیان کر دیا، اور کسی قسم کی مداہنت کا مظاہرہ نہیں کیا، یہی اس کا امتیاز ہے کہ وہ علیٰ وجہ البصیرت مقلد ہے نہ کہ مقلد محض۔

(۱۳) قرآن کے فلسفہ توحید کی دعوت وتذکیر کے حوالے سے یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اس کے اسلوب بیان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ یہ بہرحال ایک انسانی کاوش ہے اور انسانی فکر وفہم اور معلومات کے ماتحت ہی ترتیب دی گئی ہے، مگر آیاتِ قرآن کی حرکات وسکنات سے، مرتب نے جس طرح توحید بیان کی ہے وہ اس کے قرآن اور توحید سے عشق پر دلالت کرتی ہے۔

ان قرآنی جواہر پاروں کے علاوہ مسئلہ علمِ غیب پر ان کی ایک بہترین تصنیف

''جواہر التوحید'' ہے جو علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہے۔ اِن مطبوعہ تصانیف کے علاوہ مولانا نے اَٹھارہ (۱۸) علمی جواہر پارے یادگار چھوڑے، جو غیر مطبوعہ حالت میں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے :

(۱) تقریرِ بخاری : علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے اِفادات کا مجموعہ گیارہ (۱۱) جلدوں میں۔

(۲) تقریرِ ترمذی : مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے درسِ ترمذی کا مجموعہ۔

(۳) لباب النقول فی اسباب النزول : قرآنی سورتوں کے شانِ نزول کے موضوع پر ہے۔

(۴) تقریرِ مسلم : مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے درسِ مسلم شریف کا مجموعہ۔

(۵) کتابِ لاجواب در توحید : مولانا حسین علیؒ کے اِفادات کا مجموعہ۔

(۶) مسئلہ عدم علم الغیب لغیرہ تعالیٰ بالقرآن۔

(۷) مسئلہ نذر لغیرہ تعالیٰ بالقرآن۔

(۸) حیاتِ برزخی (نامکمل) (۹) مسئلہ شفاعت بالقرآن (۱۰) مسئلہ اعتقادِ شفیعہ مذہب شیعہ (۱۱) کفریاتِ احمد رضا (۱۲) ردِ مرزائیت (۱۳) مسئلہ ختم نبوت اور مرزا قادیانی (۱۴) حضرت عثمانؓ پر الزامات کی حقیقت (۱۵) شرح میبذی (۱۶) شرح تہذیب (۱۷) شرح میر زاہد ملا جلال (۱۸) حاشیہ شرح وقایہ۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے دعوت و تبلیغ توحید کا حق ادا کر دیا۔ شرک، بدعات، مرزائیت، رفض و شیعت اور دیگر باطل فرقوں کے خلاف بھرپور تبلیغی جدوجہد کی اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے علاوہ ہندوستان، عرب ممالک اور انگلستان کے تبلیغی اسفار

کیے۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسہ تقسیم اسناد میں پاکستانی وفد کی قیادت کی اور ایک اجلاس کی صدارت کے علاوہ ''حضرت نانوتویؒ کا علمی فیضان'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔

مئی ۱۹۸۰ء میں عمرہ کے لئے حرمین شریفین گئے، واپسی پر عرب امارات میں تبلیغی دورہ پر تھے کہ مورخہ ۲۶/مئی کو دبئی میں حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) میت پاکستان لائی گئی اور ۲۸/مئی کو مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تقریباً دو لاکھ کا اجتماع تھا۔ اسی روز اٹک میں دفن کیے گئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا قاضی احسان الحقؒ (م ۱۹۹۲ء) آپ کے جانشین ہوئے۔ ان سے ہزاروں علماء فیض یاب ہوئے۔

آپؒ کے شاگرد :

چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں :

۱۔ مولانا عبدالغنی جاجرویؒ، رحیم یار خان (۲) مولانا سید سجاد بخاریؒ، حافظ آباد (۳) مولانا قاضی محمد امیرؒ، میانوالی (۴) مولانا بشیر احمد (فاضل دیوبند) خوشاب (۵) مولانا محمد امین اترا، قائد آباد (۶) مولانا سلطان غنی عارف کاٹلنگ مردان (۷) مولانا نفل حق، سوات (۸) مولانا محمد افضل خانؒ، ریاست شاہ پور (۹) مولانا منظور احمد چنیوٹی (۱۰) مولانا محمد یعقوب شرودی، کوئٹہ (۱۱) مولانا عبدالرزاقؒ، واں بھچراں (۱۲) مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ، لاہور (۱۳) مولانا محمد اکرام الٰہی، کھیوڑہ ۱۴۰) مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، گجرات (۱۵) مولانا مفتی عبدالحمید قاسمیؒ، فیصل آباد (۱۶) مولانا سید مظفر شاہ، پشاور (۱۷) مولانا سید بدیع الزمان شاہ، راولپنڈی (۱۸) مولانا قاضی عصمت اللہ، قلعہ دیدار سنگھ (۱۹) مولانا عبدالعزیز صدر دینی محاذ، ایران (۲۰) مولانا عرض محمد، کوئٹہ (۲۱) مولانا

خطیبِ اسلام حضرت مولانا

سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ

۱۹۱۵ء سے قبل آزاد کشمیر کے علاقہ گوئل میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدامجد سید حاجی مراد کریریؒ ضلع بارہ مولہ (کشمیر) کے مشہور صوفیاء میں سے تھے۔ والد ماجد سید جلال الدین بخاریؒ ایک مشہور پیر طریقت اور صوفی منش بزرگ ہونے کے باوجود بدعات سے سخت متنفر تھے۔ اُنہوں نے کشمیر سے ہجرت کر کے دولت نگر (ضلع گجرات) میں رہائش اختیار کرلی۔ سید عنایت اللہ شاہ صاحبؒ نے ابتدائی کتابیں قاعدہ بغدادی، قرآنِ پاک ناظرہ، فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ آپ دنیاوی تعلیم کے درجہ نہم میں تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، جس سے تعلیم کا سلسلہ دنیا سے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور آپ نے اُس دور کے بحارِ ذخار اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔

ان کے اساتذہ میں مولانا صوفی عبدالرحمٰن گجراتیؒ (فقہ، اُصولِ فقہ، نحو، منطق، معقول، خلیفہ، علم ادب، عربی حدیث) حضرت بابا غلام رسولؒ انہی والے (علم نحو، کافیہ) مولانا شیخ محمد عبداللہ ملکہ والے نزد کھاریاں (علم ادب، عربی، علم عروض، علم وراثت) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (ترمذی شریف) مولانا مفتی سید مہدی حسنؒ (حدیث، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، شمائلِ ترمذی) قاری سید محمد ابراہیمؒ (قرأت وتجوید) علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ (حدیث بخاری شریف) مولانا حسین علیؒ واں بھچراں (ترجمہ وتفسیر قرآن بطرزِ نحی) مولانا احمد علی لاہوریؒ (ترجمہ وتفسیر قرآن بطرز مولانا عبیداللہ سندھیؒ) جیسے اساطینِ

علمِ دین شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب ؒ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، دولت نگر اور گجرات کے مدارس میں حدیث، فقہ، تفسیر، علم معانی اور علم نحو کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ نے حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور فراغت کے بعد نقشبندی مجددی سلسلے میں حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر اُن سے چاروں سلسلوں میں اجازت حاصل کی۔ گجرات میں درس وتدریس کے دوران ہی آپ کی خطابت کا آغاز ہوا۔ جسے آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فیضان بتاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ آپ کی خطابت کا رنگ غالب آتا گیا، اور دوسرے رنگ معدوم ہوتے چلے گئے اور آپ کا شمار ملک کے چوٹی کے خطیبوں میں ہونے لگا۔ قیامِ پاکستان سے پہلے آپ نے مجلس اِحرار اسلام اور جمعیت علمائے ہند کے ممبر کی حیثیت سے آزادیٔ وطن کی تحریک میں بھر پور حصہ لیا اور آزادیٔ وطن کی خاطر تقریباً تین سال تک پسِ دیوارِ زنداں بھی رہے۔ آپ کو جمعیت علمائے ہند کے قائد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مجلسِ احرار اسلام کے قائد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا یکساں اعتماد حاصل رہا، آپ مجلس اِحرار کے شعبہ تبلیغ کے صوبائی صدر بھی رہے۔ اہلِ بدعت کے عقائد و اعمال کی تردید و مذمت ان کا خاص مشن تھا۔ چنانچہ اس باب میں اُن سے مناظرے بھی ہوئے۔ کئی ایک مناظروں میں اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کی نیابت کی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور ملتان جیل میں پابند سلاسل رہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں مرکزی مجلس عمل برائے تحفظ ختم نبوت کے رُکن تھے۔ ۱۹۵۴ء میں مولانا احمد علی لاہوریؒ نے انہیں جمعیت علمائے اسلام کا ضلعی امیر مقرر کیا۔ ۱۹۵۷ء میں مولانا حسین علیؒ کے تلامذہ و متعلقین نے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے نام

سے ایک جماعت تشکیل دی، تو آپ کو نائب امیر مرکزیہ مقرر کیا گیا۔۱۹۶۲ء میں امیر جمعیت مولانا قاضی نور محمدؒ کی وفات کے بعد مرکزی امیر مقرر ہوئے اور ۱۹۸۵ء تک اس منصب پر فائز رہے اور اُس وقت سے وفات تک اس جماعت کے اعزازی سربراہ اور سرپرست رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ ایک عظیم خطیب ومبلغ، داعیٔ توحید، معلم قرآن اور وسیع المطالعہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے اور ان کا شمار حضرت مولانا حسین علیؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔حضرت مولانا حسین علیؒ کے تلامذہ کے مزاج کے عین مطابق مزاج میں مسئلہ توحید کا غلبہ تھا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ

ع عمر گزری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں

تقریباً نصف صدی سے زائد تک (کالری دروازہ) شاہ فیصل گیٹ کی جامع مسجد کے خطیب رہے، بلکہ یہ مسجد اِن کے دم قدم سے ارضِ پاکستان میں توحید وسنت کا بہت بڑا مرکز رہی اور ہے۔ملک بھر میں اِن کی خطابت کا طوطی بولتا رہا۔اُردو، فارسی، عربی اور پنجابی پر یکساں دسترس رکھتے تھے اور اپنا مافی الضمیر سامعین کے ذہنوں میں بٹھا دینے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔مولانا حسین علی صاحبؒ، مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ جیسے کاملین، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا اِحتشام الحق تھانویؒ جیسے خطباء، مفتی محمد حسنؒ اور مفتی محمد شفیعؒ جیسے فقہاء، مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ، مولانا ولی اللہ اور قاضی شمس الدینؒ جیسے علماء علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن بہبودیؒ جیسے محدثین، مولانا غلام اللہ خانؒ اور مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ جیسے مفسرین اِن کے فنِ خطابت، طرزِ وعظ وارشاد، اندازِ دعوت وتبلیغ کے معترف تھے، مگر کسی عالم دین کے مقام ومرتبہ کے تعیین میں حامی ومؤید کی بجائے نقاد ومخالف کی رائے کو زیادہ اہمیت ہوتی ہے، گوجرانوالہ

کے سواتی برادران آپ سے معاصرانہ چشمک میں مشہور ومعروف ہیں۔

مگر صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں کہ :

''مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ بڑے ذہین اور خوش آواز ہیں، مقرر و واعظ بھی بڑے درجے کے ہیں، برصغیر کی تقسیم سے پہلے مجلس اِحرار اِسلام کے ساتھ وابستہ رہے اور بڑی سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں۔ ایک زمانہ میں پنجاب کی مجلس اِحرار اسلام کے صدر رہ چکے ہیں، کم و بیش ربع صدی سے کالری دروازہ کی جامع مسجد میں خطیب ہیں، تبلیغ میں بڑا انہماک ہے، اہلِ بدعت کے خلاف ایک دور میں پورے صوبے میں اِن کا طوطی بولتا تھا''۔

مسئلہ توحید کے اظہار و بیان میں شاہ صاحبؒ کے شغف و انہماک، اخلاص و للٰہیت اور شدت و اِصرار سے بعض اعتدال پسند طبیعتیں مضطرب ہوگئیں، جسے بعض معاصرین کی چشمک نے حیات النبی ﷺ کے عنوان سے دوسرا رنگ دے دیا۔ جس سے دعوتِ توحید وسنت اور تردیدِ شرک و بدعت کا کام خاصا متاثر ہوا۔ اے کاش ! بعض علماء کا دامن حسد سے پاک رہتا، اور وہ مجہول راویوں کی بیان کردہ موضوع، روایتوں پر عقیدہ و ایمان کی عمارت کھڑی کرنے کی بجائے آیاتِ قرآنی **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علٰی اعقابکم** ۔(آل عمران ۱۴۴، پ ۴) اور **انک میت و انهم میتون** ۔(زمر ۳۰، پ ۲۳) پر یقین رکھتے اور تاویلِ قرآن اور شخصیت و اکابر پرستی کے الزام سے بچ جاتے۔ حیات النبی ﷺ کے سلسلے میں اختلاف برزخ میں حیات کی نوعیت اور کیفیت میں ہے۔ جسے بعض ناقدین علماء مثلاً مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا یوسف لدھیانویؒ وغیرہ نے لفظی اور تشریحی قرار دیا ہے اور ایک لحاظ سے حضرت شاہ

صاحبؒ کے موقف کی تائید کی ہے۔ بڑی حیرت ان ناقدین کے دعویٰ دیوبندیت پر ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے مولانا اشرف علی تھانویؒ تک تمام اکابرین دیوبند برزخ میں اسی حیات کے قائل ہیں، جس کے داعی و مبلغ سید عنایت اللہ شاہ صاحبؒ بخاری ہیں اور ناقدین اور اُن کی دیوبندیت خالص ہے۔ افسوس ایک شخص سے بغض و عناد نے اُن کی حنفیت کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔ (حوالہ بالا ص: ۲۹۸ تا ۳۰۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ

محدثِ گوجرانوالہ

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے اہم تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی علمی لیاقت' ذہانت اور فکری صلاحیت کی وجہ سے علمائے عصر میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ان کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا۔ اپنے پرائے سبھی ان کی علمیت واخلاص کے معترف تھے۔ بنیادی طور پر مدرس تھے۔ حدیث وتفسیر کی تدریس میں خاص مہارت رکھتے تھے، اور ان کا شمار ملک کے بڑے علماء اور اساتذہ میں کیا جاتا تھا۔

۱۹۰۱ء میں تحصیل پنڈی گھیپ ضلع اٹک کے موضع پڑی میں مولوی شیر محمد صاحبؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ آپ کے بڑے بھائی تھے۔ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے چند اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد فنونِ عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم کے لئے انہی ضلع گجرات (اب ضلع منڈی بہاؤالدین) چلے گئے اور اُستاذ العلماء حضرت مولانا بابا انہی والےؒ اور مولانا ولی اللہ صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ وہاں سے واں بھچراں چلے گئے اور تقریباً پندرہ (۱۵) سال مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں رہ کر حدیث، فقہ ہدایہ، مثنوی، تصوف اور تفسیر قرآنِ پاک کا علم حاصل کیا۔ آپ کا شمار مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں کے اَقرب ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔ دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے حدیث پڑھی۔ تکمیلِ علوم کے بعد پنڈی گھیپ میں تدریس شروع

کی اور تقریباً بیس سال تک یہاں مختلف علوم کا درس دیا۔ اسی عرصہ میں دار العلوم دیو بند سے بلاوا آ گیا، جہاں آپ نے تقریباً ایک سال تک بطورِ مدرس پڑھایا، دار العلوم دیو بند میں پڑھانا علمائے ہند کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد (تب لائلپور) میں پڑھاتے رہے، پھر گوجرانوالہ چلے گئے اور مدرسہ انوار العلوم، مدرسہ اشرف العلوم وغیرہ میں حدیث پڑھاتے رہے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف کے باعث مدرسہ نصرۃ العلوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور جامعہ صدیقیہ کے نام سے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد رکھی اور تا دمِ آخر اس سے وابستہ رہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ متبحر عالمِ دین ہونے کے علاوہ ماہرِ فن اُستاد تھے اور آپ کے حلقۂ درس کی ملک بھر میں خاص شہرت تھی۔ آپ کا اسلوبِ درس منطقیانہ، مناظرانہ اور محدثانہ ہوتا تھا اور دور دور سے لوگ آپ سے پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے نقشبندی مجددی طریق پر حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے بیعت کی اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ آپ کا شمار حضرت مولاناؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا۔ اپنے شیخ و مرشد کے ذوق کے عین مطابق ان پر بھی توحید کا غلبہ تھا، مگر اعتدال کے ساتھ وہ دینی معاملات و مسائل میں افراط و تفریط کے سخت مخالف تھے۔ مولانا حسین علیؒ کے تلامذہ نے اشاعتِ توحید و سنت کے لئے ایک مرکزی تنظیم تشکیل دینے کے لئے کوشش شروع کی تو حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ اس میں پیش پیش رہے اور تنظیم کا نام بھی آپ نے ہی تجویز فرمایا اور دستور ساز کمیٹی کے چیئرمین بھی آپ ہی مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کی وفات کے بعد جماعت کے نائب امیر بنائے گئے اور آخری دم تک اس منصب پر فائز رہے۔

حضرت مولانا قاضی صاحبؒ عالم باعمل اور صوفی متبع شریعت تھے۔ عبادات نفلی کا

خاص اہتمام کرتے تھے۔ عمر بھر اشراق و تہجد کے نوافل پابندی سے ادا کرتے رہے۔ اس کے علاوہ درسِ قرآن عمر بھر کا معمول رہا۔ انہوں نے اہلِ بدعت سے بارہا مناظرے کیے اور اُنہیں شکست فاش دی۔ اپنے مرشد کی زندگی میں کئی مناظروں میں اُن کی نیابت کی عام زندگی میں ایک سادہ لوح شخصیت تھے۔ سادہ لباس پہنتے اور سادہ بود و باش رکھتے۔ مولویانہ تکلفات سے کوسوں دُور رہتے تھے۔ مہمان نوازی اُن کا خاص وصف تھا۔

۱۹۵۸ء میں جب علماءِ دیوبند میں حیات النبی بعد از وفات النبی ﷺ کے عنوان پر اختلاف پیدا ہوا' اور طرفین نے تقاریر و خطبات کے علاوہ تحریرات میں بھی طبع آزمائی کی تو حضرت مولانا قاضی صاحبؒ نے ''مسالک العلماء فی حیات الانبیاء'' کے نام سے ایک معرکۃ الآ راء کتاب لکھی جس میں سیدنا صدیق اکبرؓ سے مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تک کا مسلک واضح کر کے دعویٰ کیا کہ ان کا اور ان کی جماعت کا مسلک قرآن وسنت اور سلف صالحین کے عین مطابق ہے۔

حضرت مولانا قاضی صاحبؒ کی اس مدلل کتاب کا جواب آج تک نہیں دیا جا سکا اس کتاب پر مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے جریدہ ''الفرقان لکھنؤ'' میں تبصرہ کرتے ہوئے مولانا کے صاحبزادے اور مدیر الفرقان مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے لکھا کہ :

''چند سال پہلے (حیات النبی ﷺ کا مسئلہ) پاکستان میں بڑے معرکہ کا آغاز ہو گیا تھا اور شاید اب تک اُس کے اثرات باقی ہیں، اس سلسلے میں فریقین کی طرف سے چند کتابیں بھی نکلیں۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کی یہ کتاب اُس فریق کے رد میں ہے، جو قبر میں انبیاء کے لئے بعینہٖ حیاتِ دنیوی ثابت کرتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ نہایت فاضلانہ کتاب ہے اور اس موضوع پر کلام کے لحاظ سے اس سے زیادہ

ٹھوس کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری۔ زبان ضرور خالص مدرسانہ ہے،
اور وہ بھی پنجاب اور سرحد کے اساتذہ والی ہے، مناظرانہ طرز بھی کہیں
کہیں آجاتی ہے لیکن مغز کے جویا اس کی یقیناً قدر کریں گے"۔

اس کے علاوہ اسی موضوع پر ان کی دو اور تصانیف "القول الجلی فی حیات النبی ﷺ" اور "الشھاب الثاقب علیٰ من حرف الاقوال والمذاھب" بھی تحریر فرمائیں۔ قاضی صاحبؒ اور اُن کی جماعت کا مسلک چونکہ علماء کے نزدیک قرآن و سنت کے عین مطابق تھا اور قاضی صاحبؒ کا علم و تحقیق بھی اظہر من الشمس اور مسلّم تھی۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں مصالحتی مذاکرات میں مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم نے فریقین بلکہ علمائے دیوبند کے مشترکہ مؤقف کو ضابطۂ تحریر میں لانے کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی۔

حضرت مولانا قاضی صاحبؒ کو تحریر و تصنیف سے بھی دلچسپی تھی۔ انہیں عربی، فارسی اور اُردو تحریر پر عبور تھا۔ ان کا اسلوبِ تحریر خالصتاً عالمانہ تھا۔ انہوں نے قرآنِ پاک کی تفسیر بھی لکھی، جس کی صرف ایک جلد شائع ہو سکی۔ اس کے علاوہ کتبِ حدیث کی شروح اور بعض نصابی کتابوں کی شرح لکھی، ان کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر تیسیر القرآن (اردو)۔ (۲) الہام الباری فی حل مشکلات البخاری (عربی)۔ (۳) تفسیر قرآن بطرزِ جلالین (عربی)۔ (۴) الہام الملہم شرح صحیح مسلم (عربی)۔ (۵) کشف الودود شرح سنن ابی داؤد۔ (۶) تعلیقات شرح مشکوٰۃ۔ (۷) شرح عبدالرسول (فارسی)۔ (۸) رسالہ تراویح (اُردو)۔ (۹) رسالہ طلاق ثلاثہ (اردو)۔ (۱۰) مسالک العلماء فی حیات الانبیاءؑ (اردو)۔ (۱۱) القول الجلی فی حیات النبی ﷺ (اردو)۔ (۱۲) الشھاب الثاقب (اردو)۔ (۱۳) تسکین القلوب (اردو)۔
(۱۴) ارشاد السبیل (اردو)

حضرت قاضی صاحبؒ کے اُسلوبِ تدریس کی اہلِ علم حضرات میں بہت شہرت تھی، ہزاروں علماء ان سے فیض یاب ہوئے۔ چند معروف کے نام یہ ہیں :

☆مولانا سید زمان شاہ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند☆مولانا عبیداللہ انور، جانشین حضرت لاہوریؒ ☆مولانا نصیراحمد خان ☆ مولانا بدیع الزمان شاہ، شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن ☆ مولانا مفتی عبدالواحدؒ، جانشین محدث گوجرالہ ☆ مولانا عبدالرحمٰن، جانشین حضرت قاضی شمس الدینؒ ☆ مولانا قاضی عصمت اللہ، شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ☆ مولانا قاضی احسان الحقؒ، جانشین شیخ القرآنؒ ☆مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، جانشین خطیب اسلام☆ مولانا سلطان غنی عارف طاہری مدظلہ کھوئی برمول مردان ☆مولانا محمد ایوب سرحدی ☆ علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی، جانشین حضرت شیخ التفسیر ☆ خطیب العصر مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ، ملتان ☆ شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس عباسیؒ ☆امام الصرف والنحو مولانا اللہ دتہ، قائد آباد۔

آپ نے چند دن کی مختصر علالت کے بعد مورخہ ۲۱ر مئی ۱۹۸۵ء (بمطابق ۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ) بروزِ جمعہ انتقال فرمایا۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور یوں علمِ دین کا یہ کوہِ وقار اور اُستاذ العلماء، مفسر قرآن، محدث قول رسول ﷺ ۸۱ر سال کی عمر میں گوجرانوالہ میں آسودۂ خاک ہوگیا۔ آپ کے دو صاحبزادے مولانا قاضی عطاء اللہ اور مولانا ثناء اللہ اپنے باپ کے مشن کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔

(حوالہ بالا ص ۳۱۳ تا ۳۱۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عارف باللہ حضرت مولانا قاضی نور محمدؒ

قلعہ دیدار سنگھ

مولانا قاضی نور محمدؒ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے اَرشد تلامذہ اور اَجل خلفاء میں سے تھے۔ ۱۸۹۶ء (۱۳۱۴ھ) میں موضع پڑی ضلع اٹک کے مولوی شیر محمد صاحبؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اَعوان برادری سے تعلق تھا۔ آپ نے درسِ نظامی کی تمام کتابیں حضرت بابا غلام رسولؒ اَنہی والے سے پڑھیں۔

پھر اُنہی کے حکم کی تعمیل میں حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں سے حدیث اور ترجمہ و تفسیر قرآنِ پاک پڑھی۔ دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا حسین علیؒ سے نقشبندی مجددی سلسلہ میں بیعت کی۔ منازلِ سلوک کی تکمیل کے بعد حضرت مولاناؒ کی طرف سے خلعتِ خلافت عطا کی گئی۔ آپ نے اپنے شیخ و مرشد سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ نے عملی زندگی کا آغاز تدریس سے کیا، مگر کچھ عرصہ بعد وعظ و اِرشاد اور دعوت و تبلیغ کو اپنا شعار بنالیا۔ آپ کو دلنشیں اور پر اَثر وعظ کرنے پر قدرت حاصل تھی اور اپنی تقریر سے سامعین پر اچھا تأثر چھوڑتے تھے۔ قلعہ دیدار سنگھ ضلع حافظ آباد میں جامعہ محمدیہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی اور اس کو مرکز بنا کر گوجرانوالہ میں اصلاحِ عقائد کا بے نظیر و بے مثال کام کیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے شرک و بدعت سے توبہ کر کے اپنے عقائد کی اِصلاح کی۔ آپ پر توحید و سنت کا غلبہ تھا اور اہلِ بدعت کی تردید

میں خاص اِنہماک تھا اور اس مقصد کے لئے دعوت وتبلیغ کے علاوہ مناظروں اور تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی اہم کردار اَدا کیا۔ آپ کی نمایاں تصانیف اور ان کے موضوع حسب ذیل ہیں :

(۱) ''صاعقۃ الرحمٰن'' (دو جلد) مسئلہ توحید کی وضاحت۔
حصہ اوّل میں قرآنِ پاک کی روشنی میں مسئلہ علمِ غیب پر جبکہ
حصہ دوم میں مسئلہ حاضر وناظر پر بحث کی گئی ہے۔

(۲) ''اقامۃ البرھان علی الطغیان'' مسئلہ توحید کے ضمن میں اہل بدعت کی طرف سے تاویلات کا جواب۔

(۳) ''ازالۃ الرین عن مسئلہ رفع یدین''۔

(۴) ''صلوٰۃ الرسول'' فقہ حنفی کی رو سے مسائلِ نماز کا بیان۔

(۵) ''ازالۃ الاوھام عن عدم الفاتحہ خلف الامام''۔

(۶) ''ازالۃ الستر عن عدد رکعات التراویح والوتر''۔

مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ پر فقہ حنفی کے اِحقاق کا بھی غلبہ تھا اور غیر مقلدین کے اَوہام کی تردید اپنی تقاریر و درُوس میں کرتے رہتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کی تصانیف سے بھی ہوتا ہے۔ وہ باقاعدگی سے روزانہ درسِ قرآن دیتے تھے۔ درس میں بلا کی روانی ہوتی تھی، ہر سال دورۂ تفسیر اہتمام سے پڑھاتے تھے۔ بہت ذاکر و مشاغل اور خوش پوش تھے۔ علماءِ دیوبند کی جماعت و بالخصوص حضرت مولانا حسین علیؒ کے حلقۂ اثر میں اُنہیں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت اشاعت التوحید والسنت پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو اس کا پہلا امیر مقرر کیا گیا۔ جماعت کے قیام اور اس کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کئی ماہ پس

دیوارِ زنداں رہے۔

۱۹۶۲ء میں علماءِ دیوبند حیات النبی ﷺ کے مسئلہ پر دو واضح گروہوں میں بٹ چکے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیبؒ پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے اور دونوں مشترکہ دستاویز پر دستخط کیے گئے، جس پر مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا قاضی نور محمدؒ، مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا لعل حسین اخترؒ نے دستخط کیے۔ اسی محفل میں جبکہ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں علماء جمع تھے، مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کا وقت موعود آ پہنچا اور باتیں کرتے کرتے قاری محمد طیب صاحبؒ کی گود میں گر گئے۔ رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قلعہ دیدار سنگھ میں دفن کیے گئے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو آپ کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ مولانا غلام اللہ خانؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

''مولانا قاضی نور محمدؒ کے حادثہ فاجعہ کا اَب تک دل پر اثر ہے اور اُن کی موت کا یقین ہی نہیں آتا''۔

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ آپ کے جانشین مقرر ہوئے جو ممتاز عالمِ دین ہیں اور ہر سال دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں، جس میں کافی طلباء کے علاوہ کثیر تعداد میں علماءِ کرام بھی شریک ہوتے ہیں اور حدیثِ نبوی ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں خاص ذوق عطا فرمایا ہے اور کافی ذہین و فطین ہیں۔ ہم عصر علماء میں ثانی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

(حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں شخصیت، کردار، تعلیمات ص: ۲۶۸ تا ۲۷۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالویؒ

مولانا محمد امیر بندیالویؒ ۱۹۱۴ء میں بندیال ضلع سرگودھا میں مولانا فضل کریمؒ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں) کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد مولانا سلطان محمود نامیؒ ایک ممتاز عالم دین اور پنجابی، عربی اور فارسی کے بہترین شاعر تھے۔

مولانا محمد امیر صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور درسی کتابیں حضرت باب غلام رسولؒ انہی والے اور مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔ مشکوۃ شریف اور تفسیر قرآن حضرت مولانا حسین علیؒ صاحب سے پڑھی۔ دورۂ حدیث جامعہ امینیہ دہلی میں مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا ضیاء الحقؒ اور مولانا خدا بخشؒ سے پڑھا۔

عملی زندگی کا آغاز اپنے آبائی قصبہ بندیال میں تدریس وتقریر سے کیا، مگر کچھ عرصہ بعد ہی ڈیرہ جاڑا نزد سرگودھا چلے گئے اور پانچ سال تک وہیں خدمتِ دین میں مصروف رہے۔ ۱۹۵۸ء میں بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا شہر میں جامعہ مسجد حنفیہ میں بحیثیت خطیب تشریف لائے، یہیں آپ نے مدرسہ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کا آغاز کیا جو اب ملک کے معروف مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے نقشبندی مجددی طریق پر مولانا حسین علی صاحبؒ سے بیعت کی اور تکمیلِ منازل پر اُن کی طرف سے مجاز ہوئے۔ انہوں نے جمعیت اشاعت التوحید والسنّت پاکستان کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا اور اس کے نائب امیر مقرر ہوئے۔

شیخ التفسیر مولانا محمد امیرؒ کو قدرتِ حق کی طرف سے ذہانت و فطانت اور علم و معرفت کے علاوہ تحریر و تقریر کا ملکہ بھی عطا ہوا تھا۔ اپنے خطاب میں قرآن و حدیث اور علماءِ سلف کے اقوال پیش کیا کرتے، توحید و سنت کی دعوت اور شرکت و بدعت کی تردید میں خصوصی انہماک تھا۔ ہر سال رمضان المبارک میں اپنے شیخ و مرشد کی طرز پر دورۂ تفسیر پڑھاتے اور خلاصہ و ربط پر خاص زور دیتے، اس کے علاوہ روزانہ درسِ قرآن آپ کا معمول تھا، جس میں سرگودھا کے شہری جوق در جوق شرکت کرتے، اپنے مدرسہ میں مشکوٰۃ، جلالین اور فارسی بھی پڑھاتے تھے۔

مولاناؒ اعلیٰ پائے کے مناظر بھی تھے، اہلِ بدعت اور اہلِ تشیع سے کافی مناظرے بھی کیے، کئی ایک مناظرے مولانا محمد عمر اچھروی (بریلوی) مولانا محمد کرم شاہ بھیروی (بریلوی) اور مولانا محمد اسماعیل (شیعہ) سے ہوئے۔ اور اِحقاقِ حق کا موجب بنے۔

درس و تدریس اور دعوتِ و تبلیغ کے علاوہ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا، ان کی کتابوں میں دعوتِ توحید کا رنگ نمایاں ہے :

(۱) التوحید : مختصر رسالہ توحید کی اہمیت اور شرک کی تردید پر ہے، شرک کی حقیقت، شرک کی اقسام، قرآن میں شرک کی مذمت، حدیث میں شرک کی قباحت، اس کے اہم باب ہیں، اس رسالہ کو دو حصوں میں ترتیب دیا گیا ہے، جن میں سے ایک شائع ہو چکا ہے اور اس کے کئی ایک ایڈیشن اس کے مقبول عام ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) دعوۃ الحق : صحتِ عقیدہ پر لاجواب کتاب ہے۔ شرک کی اقسام، مشرکین کا شرک، مسئلہ علم غیب، نداء لغیر اللہ، نذر لغیر اللہ، مسئلہ الٰہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ توحید کے موضوع پر یہ انتہائی مدلل، مختصر اور جامع کتاب ہے۔

(۳) الاقوال المرضیہ فی احوال البرزخیہ : مرنے کے بعد عالم

برزخ کے احوال کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ تعریف الموت، عالم علیین مستقر اور ارواح مغفورین، مستقر ارواح الانبیاء، تعریف روح، عذاب القبر وثوابہا، مسئلہ سماع موتی (عدم سماع موتی پر قرآنی دلائل، اقوالِ سلف، قائلین سماع کے استدلال اور اُن کے مسکت جوابات) اس کتاب کے اہم ابواب ہیں۔

(۴) الدر المنثورہ (عربی) : حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے افادات کی روشنی میں قرآن پاک کی سورتوں کا خلاصہ اور ربط بین الآیات اور ربط بین السورہ آسان عربی میں لکھے گئے ہیں۔

(۵) الصراط المستقیم فی اثبات الحیوٰۃ البرزخیہ للنبی الکریم ﷺ (غیر مطبوعہ): اس کتاب میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا اِثبات کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ حیاتِ ناسوتی میں نبی حقیقی تھے، اسی طرح اُس اعلیٰ حیاتِ برزخی کے ساتھ بھی بدستور نبی حقیقی ہیں۔

(۶) ترجمہ شفاء الصدور : شیخ الحدیث مولانا سید محمد حسین شاہ نیلویؒ کی عربی تالیف کے پہلے ایڈیشن کا اردو ترجمہ بہت لگن سے لکھا گیا ہے جو بہت آسان اور سہل ہے اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی مسئلہ سمجھ جاتا ہے۔

شیخ التفسیر مولانا محمد امیر صاحبؒ یکم ستمبر ۱۹۷۱ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ شیخ الحدیث مولانا سید محمد حسین شاہ نیلویؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بندیال کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ان کے صاحبزادگان مولانا ضیاء الحق، مولانا فضل حق، مولانا شمس الحق، مولانا عطاء اللہ، مولانا عصمت اللہ اور مولانا ولی اللہ وغیرہ اپنے والد کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دین متین کی خدمت کر رہے ہیں۔

(مولانا حسین علیؒ شخصیت، کردار، تعلیمات ص: ۳۲۵ تا ۳۲۷)

باب : ۲

حضرت مولانا قاضی احسان الحق صاحبؒ

آپ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں۔۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن میں ابتدائی درسی کتب پڑھنے کے ساتھ ساتھ تعلیم القرآن ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ صرف ونحو اور دیگر کتابیں مولانا قاضی احمد الدین ٹھٹھوی سے اور درسِ نظامی کی اعلیٰ کتابیں حضرت مولانا ولی اللہ انہی والے سے پڑھیں۔ دو مرتبہ دورۂ حدیث پڑھا۔ پہلی مرتبہ حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ محدث گوجرانوالہ سے اور دوسری مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے۔ مشہور اساتذہ میں مولانا عبدالہادیؒ، مولانا عبدالقدیر موہن پوریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب شامل ہیں۔

سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے مدرسے دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور اس لائن میں اپنا لوہا منوالیا۔ اپنے والد کے دور میں دارالعلوم کے نائب مہتمم اور جامع مسجد کے نائب خطیب رہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۱۹۸۰ء میں جب شیخ القرآنؒ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرماگئے تو آپؒ کو

ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔ دارالعلوم تعلیم القرآن (راجہ بازار راولپنڈی) کے اہتمام و

جامع مسجد کی خطابت کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی۔

آپ تادمِ آخر اشاعت التوحید والسنہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز

رہے اور بطریقِ احسن جماعت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا

محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے بیعت تھے۔

۱۹۹۲ء میں چند ایام کی بیماری کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے۔ ولیِ کامل حضرت

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے راولپنڈی میں نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کے منجھلے بھائی

مولانا حسین علی نے اٹک میں دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعد ازاں مدرسہ اشاعت الاسلام

کے صحن میں سینکڑوں سوگواران کے سامنے اپنے والدؒ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ

جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ (حیات شیخ القرآن)

شیخ الحدیث حضرت مولانا

سید احمد حسین سجاد بخاریؒ

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے ترجمان اور تفسیر ''جواہر القرآن'' کے معاون مؤلف مولانا سید احمد حسین سجاد بخاریؒ بھی حضرت مولانا حسین علیؒ کے دورِ آخر کے مریدین میں سے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں کوٹ خوشحال ضلع حافظ آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد علی شاہ تھا۔ پرائمری تعلیم کے بعد دینی تعلیم کا شوق ہوا، تو نواحی گاؤں موضع ونیکے تارڑ کے ایک مدرسہ سے فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور جامع عباسیہ بہاولپور میں بھی پڑھتے رہے۔ تکمیل مدرسہ حسینیہ انہی ضلع گجرات میں کی، جہاں اُستاذ العلماء مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے معقولات ومنقولات اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ اُنہی کے مدرسہ کی روایت کے مطابق ترجمہ وتفسیر قرآن کے لئے واں بھچراں مولانا حسین علیؒ کے پاس حاضر ہوئے، مگر وہ اُن دنوں شدید علیل تھے (اور اسی علالت میں اُن کا انتقال ہوا) تاہم بیعت کا شرف حاصل کیا، اور حضرتؒ نے ''تحفہ ابراہیمیہ'' کا ایک نسخہ عطا کیا۔ دورۂ حدیث کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا سید فخر الدینؒ سے بخاری شریف پڑھی۔

ایک سال لکھنؤ میں مولانا عبد الشکور لکھنویؒ سے مذہب شیعہ کی کتابیں پڑھیں۔ ان کے اساتذہ میں مولانا ولی اللہؒ، مولانا حبیب الرحمٰن کیرانویؒ، مولانا محمد مسلم عثمانی دیوبندیؒ، مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ، مولانا عبد الشکور دیوبندیؒ، مولانا سید فخر الدینؒ، مولانا

اعزاز علیؒ، قاری محمد طیبؒ، مولانا عبداللطیفؒ (ناظم مدرسہ سہارنپور) مولانا عبدالحقؒ اور مولانا عبدالشکور لکھنویؒ شامل ہیں۔ قیامِ دیوبند کے دوران حضرت سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ علومِ تفسیر میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے برس ہا برس تک استفادہ کیا۔

عملی زندگی کا آغاز مدرسہ محمدیہ قلعہ یدار سنگھ میں تدریس سے کیا۔ گجرات کے مدرسہ اشاعت القرآن اور گوجرانوالہ کے مدرسہ انوار العلوم میں بھی پڑھاتے رہے، انہوں نے محنت شاقہ سے انگریزی زبان سیکھی، اور دو ایک سکولوں میں انگلش ٹیچر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ اشاعت توحید وسنت کے لئے ملک گیر تنظیم کا خیال سب سے پہلے انہوں نے ہی پیش کیا اور علمائے گوجرانوالہ بالخصوص مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ اور مولانا مفتی عبدالواحدؒ کی کوششوں سے یہ خواب اکتوبر ۱۹۵۷ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کی صورت میں شرمندہ تعبیر ہوا۔ جس کے روزِ اوّل سے نائب ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور آخری دم تک اس منصب پر کام کیا۔

۱۹۵۹ء سے ۱۹۹۲ء تک ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے مدیر رہے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ نے "بلغۃ الحیران" کی تشریح وتسہیل کا ارادہ کیا۔ تو ان کی نظر انتخاب مولانا سجاد بخاریؒ پر پڑی۔ بلاشبہ یہ اُن کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے شیخ القرآنؒ کی رہنمائی میں مسلسل پندرہ سال کی محنت شاقہ سے حضرت مولانا حسین علیؒ کے قرآنی فکر وفہم اور علوم ومعارف کو "جواہر القرآن" کی شکل دے دی۔ انہیں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا ترجمان اور قلم کہا جاتا تھا۔ بہت ہی وسیع المطالعہ عالم دین تھے۔ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کتب کا مطالعہ ان کا خاص شغل تھا۔ تفسیر جواہر القرآن کے علاوہ مولانا غلام اللہ خان

کے افادات سے مسئلہ علم غیب پر ''جواہر التوحید'' کے نام سے ایک کتاب بھی ترتیب دی۔
تفسیر جواہر القرآن پر بعض اعتدال پسندوں کے اعتراضات کا جواب ''اقامۃ البرہان'' کے نام سے تحریر کیا، جس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ حیاتِ شہدا، سماع موتی اور استشفاع پر انتہائی مدلل انداز میں بحث کی ہے اور احقاقِ حق کو واضح کر دیا ہے۔ اس معرکۃ الآراء کتاب میں انہوں نے اعتدال پسندوں کے دلائل کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دی ہیں۔ مولانا سید سجاد بخاریؒ کی دیگر کتب حسبِ ذیل ہیں :

(۱) ارشاد الاصاغر : بعض نام نہاد دیوبندیوں کے رویہ پر مسئلہ حیات النبی ﷺ کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔

(۲) سماع الموتی : اکابرین اُمت بالخصوص علمائے دیوبند کے حوالے سے مسئلہ سماعِ اموات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

(۳) البیان المسافر : مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی تدفین پر اختلاف کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔

(۴) اِرشادُ السائل : بعض علمی سوالات کے جوابات۔

(۵) گلدستہ مذہب شیعہ (۶) بنات النبی ﷺ

اس کے علاوہ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کی کتاب مسائل اربعین کا ''خصائل المسلمین'' کے نام سے اور تاریخ اصفہان کا ترجمہ لکھا۔ ایک غیر مطبوعہ میراث کی کتاب سراجی کا خلاصہ لکھا ہے۔ اُن کے علاوہ بے شمار علمی اور سیاسی مضامین تعلیم القرآن میں شائع ہوئے۔

مولانا سید سجاد بخاریؒ کے مزاج میں تلون کی بجائے استقلال تھا، علمی مسائل میں تقلید محض کی بجائے سوچ سمجھ کر رائے اختیار کرتے، مگر ضدی نہ تھے۔ رجوع الی الحق اپنی توہین نہ سمجھتے تھے۔ کسی معاملہ کو انا کا مسئلہ نہ بناتے۔ بعض علمی اور ظنی مسائل میں بعض ہم

عصر علماء دیوبند سے مختلف مؤقف رکھنے کے باوجود اکابرینِ دیوبندؒ بلکہ ہم عصر حضرات کے احترام میں تفریق نہ کرتے اور اتحاد بین العلمائے دیوبند کے زبردست داعی تھے۔ حضرت حق سے جو علم بطریقِ وافر انہیں عطا ہوا تھا۔ اسے اصلاح کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان کی وسعتِ نظر بہت دور تک تھی۔ قرآن وسنت کو جس انداز سے انہوں نے سمجھا تھا اس کی روشنی میں کسی بڑے سے بڑے امام سے اختلاف میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے قلم سے انہوں نے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی فکر کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا غلام اللہ خانؒ کے بعد ان سے جماعت کوئی خاص کام نہ لے سکی اور نہ ہی ان کی حوصلہ افزائی کی گئی، وگرنہ گوشت پوست کے اس وجود میں علم وعرفان کے خزینے بھرے تھے اور اس سے بہت سا کام لیا جا سکتا تھا۔

علمی حلقوں میں ان کی بات کا وزن بھی تھا اور اسے محسوس بھی کیا جاتا تھا، ایسے ذہین وفطین لوگ خوش قسمت اداروں اور خوش بخت تنظیموں کو میسر آتے ہیں۔

مولانا سید سجاد بخاریؒ تقریباً ربع صدی تک جامع مسجد لال خان گوجرانوالہ کے خطیب رہے۔ مدرسہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ میں حدیث پڑھاتے رہے اور حکمت سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ القرآنؒ کی وفات کے بعد اُن کی مسند پر دورۂ تفسیر پڑھایا کرتے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں رب کا بلاوہ آ گیا اور یہ چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا لاہور کے ایک ہسپتال میں ابدی نیند سو گیا۔ مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ العالی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حافظ آباد میں دفن کیے گئے .... ثم ....

پیدا کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

تعلیم القرآن کے مدیر کی حیثیت سے انہوں نے ایسے ایسے اداریئے، مضامین اور نقد ونظر (تبصرہ کتب) لکھے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے جانشین اور اُن کے تلامذہ ومریدین اور علومِ قرآن کے طالبین کے مرجع مولانا غلام اللہ خانؒ سے اپنے پیرومرشد کی فکر کو صحیح طور پر سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ جب کبھی بعض مؤلفین کی طرف سے حضرت مولاناؒ کے فہم کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔ مولانا سجاد بخاریؒ نے اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس سلسلے کی ایک کوشش ''تحفہ ابراہیمیہ'' کی اشاعت دوم کا مقدمہ ہے، جو مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے تحریر کیا۔ مولانا سید سجاد بخاریؒ نے تعلیم القرآن کے مسلسل چار شماروں میں اس پُرمعرکۃ الآراء تبصرہ کیا، اور احقاقِ حق کا حق ادا کردیا۔ (کتاب مذکورہ بالا ص ۳۴۶ تا ۳۴۹)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
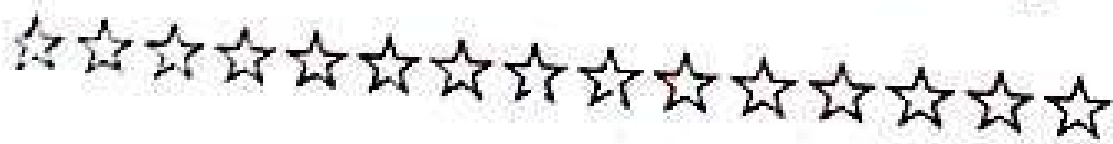
مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد زمانؒ

حضرت مولانا محمد زمانؒ ۱۹۲۰ء میں ایک کسان ملک مہدی خان مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ گاؤں کا نام سنگوالہ ہے جو تحصیل تلہ گنگ میں واقع ہے۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر گاؤں میں مولانا عبدالرحمٰنؒ آف جانگلہ کے پاس شروع کی۔ اس کے بعد (نکہ) جو تحصیل پنڈی گھیب میں واقع ہے، وہاں مولانا محمد صاحبؒ کے پاس ہدایہ آخرین تک کتب پڑھیں۔ اس کے بعد انہی مولانا ولی اللہ صاحبؒ کے پاس باقی علوم کی تکمیل کی اور حضرتؒ کی خدمت میں چار سال رہے۔

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند جانے کا ارادہ ہوا لیکن قسمت میں یہ اچھا مقسوم تھا کہ واں بھچراں میں حضرت مولانا حسین علیؒ کے پاس دورۂ حدیث کیا اور سبقاً قرآن مجید تفسیر کے ساتھ دو سال میں پڑھا۔

حضرت مولانا حسین علیؒ کی وفات کے بعد حضرت صاحبؒ کی مسند پر بیٹھ کر آپ نے قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی۔ حضرت مولانا حسین علیؒ نے آپ کو تحفتاً "بذل المجہود" عنایت فرمائی، جو انہوں نے انعاماً اپنے استاذ حضرت گنگوہیؒ سے وصول کی تھی۔ واں بھچراں سے واپسی پر اپنے گاؤں سنگوالہ میں توحید و سنت کا علَم بلند کیا، لیکن اس مسئلہ توحید کی خاطر اپنا گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور ہجرت کر کے قصبہ جھوہر علاقہ چکڑالہ میں آ گئے، پھر کچھ عرصہ وتہ خیل میں درس و تدریس کی، آپ ہر سال شعبان میں دورۂ تفسیر قرآن پڑھاتے تھے۔ باقی تفصیلی حالات آپ کی تفسیر "فاتحۃ القرآن" عنقریب چھپنے والی ہے، اس میں درج ہوں گے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات، ص: ۳۵۲، ۳۵۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ

آپ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ محدث گوجرانوالہ کے بھتیجے داماد اور علمی جانشین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا عبدالعزیزؒ سے حاصل کی۔ منقولات ومعقولات اور فلسفہ و منطق حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے انہی ضلع گجرات (اب ضلع منڈی بہاؤالدین) میں اور دورۂ حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے دیوبند میں پڑھا۔ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے خاندانی تعلق تھا۔ چنانچہ حضرت مولاناؒ سے ترجمہ وتفسیر قرآن پاک بھی پڑھا اور انہی کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی۔

عملی زندگی کا آغاز مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں تدریس سے کیا اور مولانا عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔ جامع مسجد شیرانوالہ میں چالیس سال تک خطابت کی ذمہ داری نبھائی۔ تقسیمِ ہند سے پہلے جمعیت علمائے ہند کی صوبائی شاخ کے ناظم تھے۔ ۱۹۵۷ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی اور مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ زندگی کے آخری سالوں میں تبلیغی جماعت اور اُس کے کام کی دلچسپی زیادہ ہوگئی تھی۔ بڑے ذہین، سمجھدار اور زیرک شخص تھے۔ فقہ پر خاص نظر رکھتے تھے اور ان کے فتویٰ کا احترام کیا جاتا تھا۔ عمر بھر تدریس سے وابستہ رہے اور گوجرانوالہ کے دینی اور علمی حلقوں میں مولانا عبدالعزیزؒ کی جانشینی کا حق ادا کردیا۔ دسمبر ۱۹۸۲ء میں وفات پائی اور گوجرانوالہ میں سپردِ خاک کیے گئے۔ (کتاب مذکور ص ۳۳۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر حافظ ولی سید صاحبؒ

کالوخان

کسی اور حلقے میں یہ احساس نمایاں ہو یا نہ ہو، دینی اور علمی حلقوں میں قحط الرجال کا احساس روز بروز بڑھ رہا ہے اور یہ احساس دل کو اُداس اور روح کو پژمردہ کردینے والا ہے یہی وہ دو حلقے ہیں جن سے انسانیت کا مقدر وابستہ ہے اور یہی دو حلقے معاشرے کو وقار، متانت، روشنی، بصیرت اور بلند فکری عطا کرتے ہیں، خدانخواستہ یہ محفل اُجڑ گئی تو پوری سوسائٹی ویران ہوجائے گی۔ پہلے اندھیرا کیا کم ہے کہ آئے روز کوئی نہ کوئی چراغ بجھتا چلا جارہا ہے اور تاریکی بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے۔ آج ہم ایک بہت بڑے حادثے سے دوچار ہیں، دین کے خادموں اور علم کے پیاسوں کو اس خبرِ وحشت اثر نے مرجھا اور رُلا دیا کہ شیخ التفسیر مولانا حافظ ولی سید صاحبؒ دارِ فانی سے عالمِ باقی کو روانہ ہوگئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حافظ صاحبؒ پیدائشی نابینا تھے، مگر اپنی نابینائی کے باوجود اپنے اُستاد و شیخ مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ کے مشن بیانِ قرآن کے ذریعے شرک و بدعت کا جس جرأت مندانہ انداز میں انہوں نے رَد کیا اور توحید و سنت کے احیاء کے لئے جو قربانیاں دیں وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ آج اُن کے اس گاؤں علاقہ کالوخان میں قرآنی فضا ان کی محنتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حافظ صاحب کو قدرت نے حافظہ غضب کا عطاء فرمایا تھا۔ درسِ نظامی کی ساری

کتابیں از بر یاد تھیں۔ مطالعہ اس طرح کرتے کہ کسی شاگرد سے عبارت کہلواتے اور خود سنتے، پھر عبارت، کتاب اور صفحہ نمبر تک یاد رہتا۔ شامی وغیرہ فقہ حنفی کے متداول کتب بھی از بر تھے، گویا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ وعظ و بیان میں بھی خدا نے ایک خاص ملکہ دے رکھا تھا۔ جب بیان کرتے تو لوگوں کے دلوں کی ترجمانی کرتے تھے ....

دیکھئے تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وعظ و تقریر پر کبھی مواخذہ و اُجرت نہیں لیتے تھے، حتیٰ کہ اپنے کرایہ پر سواریوں کی گاڑی میں تشریف لے جاتے۔ تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی اپنے مثال آپ تھے۔ آپ نے اپنے ایامِ زندگی اپنے شیخ و استادؒ کے تابعداری اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں گذاری۔ حافظ صاحبؒ بہت صلاحیتوں والا تھے، اللہ مغفرت فرمائے، نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جتنی میری ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور میں نے اُن سے جو تأثر قبول کرسکا وہی کچھ زیرِ قلم لاکر نذرِ قارئین کردیا مگر باوجود اس کے کہ ان کا حلقۂ تلامذہ بھی کچھ کم نہیں، ان کے دو تین شاگردوں اور معتقدین کو خط بھیجے مگر تا حال کوئی جواب موصول نہیں ہوا مصیبت یہ ہے کہ اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا، اور اسے اپنے تئیں ایک بے کار و فضول کام سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اکابرین کی توحید و سنت کے سلسلے میں خدمات، ان کی قربانیوں، ان کا علم، تقویٰ یہ سب کچھ بعد کی نسلوں کے لئے سبق آموز اور متحرک کرنے کا سبب ہی بنتی ہے، اگر انہیں بلا غلو اور اندھی عقیدت کا ذریعہ بنانے کی بجائے قرآن و سنت کی حدود میں دیتے ہوئے محفوظ کرلیا جائے۔ یہ ان شاء اللہ ضائع نہیں جاسکتیں۔ یہ حالات مشن کے سلسلے میں ساتھیوں اور دوسرے مسلمانوں کا متحرک کرنے ہی کے لئے ہیں۔ باقی خود ان علماء و مشائخ نے جو کچھ کہا دیا کا اس میں انہوں شائبہ تک نہیں

رکھا۔ خالصاً للہ یہ قربانیاں دیں، ان کا اجر تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔
ہاں! ہمیں ان کے حالات دیکھ اور جان کر ان کو اچھے الفاظ میں یاد کرنا، ان کے
لئے دعا کرنا اور اپنے مقصد پر نظر رہنی چاہیے، کوئی اس پر غور کرنے کی تکلیف تو گوارا
کرے۔ حافظ صاحبؒ نے کچھ کتابیں میں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔

(۱) تفسیر بحر المرجان : یہ ابتدائی چند پاروں کی تفسیر ہے، اگر زندگی آپ کا ساتھ
دیتی تو یہ تفسیر مکمل ہو جاتی۔

(۲) اظہار الحق............

(۳) عصمتِ انبیاء : انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے دفاع میں لکھی گئی ہے۔

(۴) انعام الرحمٰن فی مشکلات القرآن : قرآن مجید کی مشکل آیات کا آسان
فہم حل۔

(۵) دفاعِ صحابہؓ : ہر دور میں صحابہ کرامؓ کے دشمنوں نے ان کے ناموس کو
داغدار بنانے کی کوشش کی، مگر علماءِ حق ہمیشہ ان کو دندان شکن جواب دے کر صحابہؓ کی دفاع
کرتے ہیں۔ یہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے۔

(۶) بیمہ کی شرعی حیثیت : بیمہ انشورنس وغیرہ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ
جائز ہے یا ناجائز۔

کتابوں کی تصنیف و تالیف سے علم کی بقاء ہے اور یقیناً صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ
تعالیٰ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان کاوشوں کو شرفِ قبولیت دے اور انہیں قبول فرما کر
ارفع و بلند درجات عطاء فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ القرآن مولانا محمد افضل خانؒ صاحب عرف شیخ شاہ پور

پیدائش :

آپ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۲۶ء میں وادئ سوات کے علاقہ ''کانا'' کے ایک گاؤں ولندر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم دوست محمد خان بن امیر خان ریاستِ سوات کے بہت معزز اور صاحب حیثیت آدمی تھے۔ ریاستی فوج میں کمانڈر افسر تھے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کا گھرانہ شاہ پور میں منتقل ہو گیا۔

تعلیم و تربیت :

آپ نے سکول کی تعلیم جماعت چہارم تک حاصل کی تھی۔ آپ کی طبیعت دینی تعلیم کی طرف راغب تھی، گھرانہ چونکہ دنیاوی اعتبار سے بہت ذی وجاہت تھا، اس لئے انہیں اس میں اپنی کسرِ شان اور بے عزتی محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو روکنے اور اپنے مقصد سے ہٹانے کیلئے بہت کوشش کی۔ ہر حربہ اور ہر طریقہ ناکام ہو جانے کے بعد انہوں نے آپ کی شادی کرادی تاکہ بیوی رُکاوٹ بن جائے اور آپ دینی تعلیم سے رہ جائیں، لیکن فضلِ ربانی نے یاوری کی اور اہلیہ محترمہ آپ کی معاون و مددگار بن گئیں۔

اہلیہ کے علاوہ بڑے بھائی محمد سید د جہان خان صاحب (معروف بہ کپتان صاحب) اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی خوب اعانت کیا اور آپ اس زبردست آزمائش میں سرخرو ہوئے۔

۱۹۴۴ء میں علمِ دین کی ابتداء فرمائی اور ابتدائی کتب پڑھنے کے لئے ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم چارباغ تشریف لے گئے ۔۱۹۴۹ء تک یہاں زیرِ تعلیم رہے ۔۱۹۵۳ء میں دارالعلوم اسلامیہ سیدوشریف سے دورۂ حدیث کر کے سندِ فراغت حاصل کی ۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا خان بہادر (مارتونگ باباؒ) مولانا عبدالحلیم فاروقی ہوڈگرامی ، مولانا محمد نذیر چکیسری اور مولانا نعمت اللہ شاہ پوری شامل ہیں ۔۱۹۵۷ء میں آپ دورۂ تفسیر کے لئے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی خدمت میں راولپنڈی تشریف لے گئے اور ۱۹۷۳ء میں شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کی خدمت میں پنج پیر تشریف لے گئے ۔حضرت الاستاد علامہ سلطان غنی عارف الطاہری صاحب مدظلہم کا کہنا ہے کہ :

"میں جب شاہ پور گیا تو ان سے ملاقات کر کے انہیں حضرت شیخ القرآن علامہ محمد طاہرؒ کا تعارف کرایا جسے سُن کر شیخ شاہ پور پنج پیر تشریف لے گئے"۔

درس وتدریس :

۱۹۵۳ء میں فراغت کے بعد دارالعلوم تعلیم القرآن شاہ پور کی بنیاد رکھی اور تاحیات یہاں دینی علوم خصوصاً قرآن وحدیث کی خدمت فرماتے رہے ۔۱۹۶۲ء میں رمضان المبارک کا دورۂ تفسیر شروع فرمایا اور یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا اور ہزار علماء وطلباء اس سے مستفید ہوئے جو آپ کے لئے ایک مستقل "صدقۂ جاریہ" ہے۔

تصوف وسلوک :

بیعت اور ذکر واذکار سے تزکیۂ نفس صلحائے اُمت کا متوارث طریقہ ہے۔آپ ۱۹۴۵ء میں اپنے استاد مولانا مختار گل سے بیعت ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں طریقہ قادریہ میں خلافت واجازتِ بیعت سے بھی نوازے گئے ۔۱۹۷۳ء میں شیخ القرآن پنج پیریؒ سے سلسلہ

نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد ان سے طریقہ نقشبندیہ میں مجاز ہوئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بھی آپ کو تبرکاً سلاسلِ اربعہ میں اجازت عطاء فرمائی تھی۔ آپ اپنے متوسلین کی طریقہ قادریہ کے مطابق تربیت فرمایا کرتے تھے۔

تصنیف و تالیف :

آپؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف زیورِ طباعت سے مزین ہوئی ہیں۔

(۱) افضل التراجم بلغۃ الاعاجم : پشتو زبان میں ایک جلد پر مشتمل مختصر تفسیر، جو قرآن فہمی کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) نثر المرجان من مشکلات القرآن : قرآن کریم کی سورتوں کا مختصر خلاصہ اور مشکلات کی حل میں بہترین کاوش ہے۔

(۳) تسہیل مثنوی : مثنوی رومی کی مختصر حکایات کی شرح ہے جو طلباء کے لئے درسی ترتیب پر لکھی گئی۔

(۴) المنہاج الواضح : عقائد، فقہ اور اخلاق جیسے اہم عنوانات پر مشتمل ہے۔

(۵) تسہیل البخاری : صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی پشتو شرح ہے جو ابھی زیرِ طبع ہے۔

جماعتی عہدہ :

آپ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے صوبہ سرحد کے نائب امیر رہے۔ ہمیشہ جماعتی ذمہ داریوں کو بہت خوبی سے نبھایا اور جماعتی وابستگی کو ہر تعلق سے مقدم رکھا۔ طلباء اور متعلقین کو بھی یہی وصیت فرماتے تھے۔ چنانچہ آخری دورہ تفسیر میں فرمایا کہ جو میرا اصلاحی

شاگرد ہے، وہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ساتھ پختگی سے وابستہ رہے گا۔

آپ نے شرک و بدعت کے خلاف خوب کام کیا۔ علاقہ میں خاندانی وجاہت کی بناء پر عوامی سطح پر تو قابلِ ذکر مخالفت نہیں ہوئی لیکن مبتدعین نے مختلف سازشوں اور مخالفتوں کے تیر برساتے رہے یہ ایل بات ہے کہ ہمیشہ منہ کی کھائی۔ حضرت شیخ القرآن پنج پیر سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے اور بڑی عقیدت سے اُن کا تذکرہ فرماتے تھے، تحریک نفاذِ شریعت محمدی ﷺ کے مرکزی رہنماؤں میں سے ایک تھے۔

زہد و تقویٰ :

آپ بڑے ہی متقی، ذاکر اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ زبان ہر وقت ذکر اللہ سے تر رہتی۔ اعمالِ ماثورہ کی نہایت پابندی فرماتے اور طلبہ کی تربیت کے لئے بڑے موثر انداز میں اعمال کے فضائل بیان فرماتے انہیں عمل پیرا ابھارتے اور ساتھ کبھی کبھار ہلکی سی چٹکی بھی لے لیتے جو تنبیہ کے لئے بڑے مؤثر تازیانے کا کام دیتی تھی۔ طلبہ پر اپنے پاس سے خرچ کرتے اور ایسا کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتے۔

مزاج گرامی میں بہت زیادہ عاجزی و انکساری تھی، ہر ملنے والے سے بڑی شفقت و محبت اور کچھ اس اپنائیت سے ملتے کہ وہ بے اختیار آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

استغناء :

تواضع کے ساتھ استغنا بھی آپ کی طبیعت میں بدرجۂ اتم موجود تھی، آپ کو ین کے نام پر کام کرنے والی کئی جماعتوں خصوصاً غیر مقلدین نے طرح طرح کے لالچ دیئے، لیکن آپ نے اپنی شانِ استغناء اور اپنی جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ سے تعلق پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔

حق پرستی :

حضرت علامہ مولانا خان بادشاہ صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نہایت متقی عالم اور حق پرست انسان تھے جو کسی سے کچھ پوچھنے میں اپنی وجاہت اور مقام و مرتبہ کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے۔ وہ غلطی کا اعتراف کرنے اور اپنی اصلاح کرنے میں قطعاً کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ کچھ سیکھنے اور اپنی اصلاح کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ یہاں اس قبیل کے چند واقعات بطورِ مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) جب میں نے حضرت ثعلبہ بن حاطب کے نفاق والی روایات پر گرفت کی تو انہوں نے مجھے ایک گرامی نامہ میں لکھا کہ اس علاقہ کے بعض علماء کہتے ہیں، ثعلبہ بن حاطب اور ثعلبہ بن ابی حاطب دو مختلف اشخاص ہیں اور ثعلبہ بن ابی حاطب کو منافق کہا گیا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کی الگ شخصیت مشہور کذاب کلبی کی روایت کا شاخسانہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب کا کوئی وجود نہیں۔ محدثین اور مفسرین نے جو روایات نقل کی ہیں وہ سب ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں ہیں نہ ان میں کہیں ثعلبہ بن ابی حاطب کا ذکر ہے نہ ہی اس کا کوئی وجود تھا۔ انہوں نے جوابی گرامی نامہ میں کمالِ انابت سے میرا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ مجھے آپ کے قلم پر اعتماد ہے۔"

(۲) انہوں نے ایک گرامی نامہ میں لکھا کہ رسالہ "گلستان" سرگودھا میں یہ بات شائع ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دادا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی کفالت آپ ﷺ کے چچا زبیر نے کی تھی، ابوطالب نے نہیں۔ میں نے ان کے نام اپنے عریضہ میں لکھا کہ :

"گو آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گلستان میں اس بات کا کیا حوالہ دیا گیا ہے لیکن مجھے اصل ماخذ معلوم ہے اور میں جانتا ہوں کہ غلطی کہاں سے لگ

رہی ہے۔ زبیر کی کفالت کی بات بالکل غلط اور بے اصل ہے۔ درست بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کفالت ابو طالب نے کی تھی"۔

پھر میں نے اس پر بہت حوالہ جات بھی نقل کئے، انہوں نے پھر میرا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ مجھے آپ کے قلم پر اعتماد ہے۔

(۳) ایک دفعہ میں نے امیر جماعت مولانا محمد طیب طاہری مدظلہ سے کہا کہ شیخ شاپوریؒ کی تفسیر میں بعض مقامات کمزور ہیں آپ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنی تصنیف میں اس طرف اشارہ کر دوں۔ امیر صاحب نے فرمایا کہ وہ ضدی نہیں ہیں۔ آپ اس کی بجائے انہیں براہِ راست اگر بتا دیں تو وہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح فرما دیں گے۔ جبکہ کسی تصنیف میں اس طرف اشارہ مناسب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد جلد ہی شاہ پور کا سفر کرتا ہوا تو امیر صاحب نے ان سے اس بات کا تذکرہ فرمایا تو وہ مجھے فرمانے لگے کہ آپ ضرور ان مقامات کی نشاندہی فرمائیں، میں تفسیر کے مقدمہ میں آپ کے حوالہ سے ان کی اصلاح کردوں گا۔ یہ ان کی عظمت اور حق پرستی کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جہاد کے محاذ پر :

حضرت الاستاد شیخ القرآن مولانا سلطان غنی عارف صاحب مدظلہ نے راقم الحروف سے فرمایا کہ :

"ان مسلوں کے بارے میں شیخ شاہ پور نے مجھے خط بھیجا میں نے خط کا جواب دیا تو شیخ شاہ پورؒ نے خط تمام طلباء کو سنایا"۔

موصوف نے راقم الحروف کو اسی خط کی فوٹو کاپی بھی دکھائی۔

شیخ شاہ پورؒ ایک مفسر، محدث، مبلغ، مقرر، مدرس کے علاوہ ولی کامل اور مجاہد بھی تھے۔ ان کے حالات، واقعات، مجاہدات، کارنامے تو کئی ضخیم کتابوں کے متقاضی ہیں، میں

صرف ان کا کچھ مختصر واقعہ بیان کرتا ہوں۔

''شیخ القرآن'' ۱۹۸۸ء میں باجوڑ عنایت کلے تشریف لائے جب روس کے خلاف جہاد شروع تھا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ میں مجاہدین کے مرکز (محاذِ جنگ) جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہم دس افراد ان کے ساتھ ہوکر ''شمور ماتن غونڈ'' جو مجاہدین کا مرکز تھا پہنچ گئے۔ شیخؒ نے وہاں پر آرام فرمایا اور نمازِ ظہر ادا کیا اور نماز کے بعد مورچہ پر گئے۔ شیخؒ نے کہا کہ مجھے اتشکہ دیدو اور ان کے رُخ دشمن کی طرف کردو تاکہ میں فائر کردوں۔ ہم نے تعمیل کی، بعد نمازِ عشاء مرکز میں مجاہدین سے عقیدۂ توحید اور فضیلتِ جہاد پر خطاب فرمایا اور فجر کے بعد درسِ قرآن فرمایا اور پھر رات کو باجوڑ ڈمہ ڈولہ تشریف لاکر باوجود تھکن وسفر کے وہ ساری رات مصلّٰی پر تہجد پڑھتے رہے۔ وظائف اور صبح کے ناشتہ کے بعد شاہ پور رخصت ہوگئے۔

وفاتِ حسرت :

حضرت شیخؒ ۲۶/ذی قعدہ ۱۴۲۳ء بمطابق ۳۰/جنوری ۲۰۰۳ء کو جمعرات کی شب داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ جمعرات کے دن بعد نمازِ عصر جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد یار بادشاہ صاحب نے پڑھایا جس میں دیگر اکابرین علماء کے علاوہ دور دور سے آئے ہوئے بڑی شخصیتوں اور علاقے کے معززین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ دارالعلوم کے سامنے والے مقبرہ میں سوگوار خاندان کے افراد اور عقیدت مندوں نے آنسو بہاتے ہوئے اُنہیں سپردِ خاک کیا۔ حق تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، یقیناً بڑی خوبیاں تھیں اس دارِ بقا سے جانے والے میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد رفیق عرفِ شیخ تنارؒ

آپؒ افغانستان کے مشہور صوبہ کنڑ میں تحصیل تنز میں جناب عبدالاکبر خان کے ہاں ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپؒ قوم کے اعتبار سے مامون اور قبیلہ کے لحاظ سے اخونزادگان ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب کچھ یوں ہے: محمد رفیق بن عبدالاکبر خان بن شیر علی خان بن نور محمد خان۔

آپ کے قبیلہ میں آپ کے دادا شیر علی خان، ان کے بھائی اور ایک بھتیجے جناب عزیز خان کی وجہ سے آپ کا خاندان مشہور ہے۔ جناب عزیز خان صاحب افغانستانی حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ تحصیل میں آپ کا خاندان تاریخی لحاظ سے صفِ اوّل کا خاندان سمجھا جاتا ہے۔

آپؒ کی رہائش کے بعد جلد ہی آپ کے والد صاحب جناب عبدالاکبر خان وفات پاگئے تھے اور کچھ دنوں کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ بھی وفات پاگئی تھیں۔ اسی طرح آپؒ انتہائی کم سنی میں پدری اور مادری شفقت سے محروم ہوگئے تھے۔ بعد میں آپ کی پرورش آپ کے چچا عمرا خان اور چچا علی جان نے کی ہے۔

آپؒ نے ابتدائی تعلیم افغانستان ہی میں حاصل کی۔ ابھی آپؒ ۱۷ سال کے تھے کہ آپ کے دو ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ حصولِ علم کے لئے تینوں مل کر پاکستان کا سفر کریں۔ مولانا موصوفؒ نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ پاکستان آگئے۔ آپؒ کے ایک دوست تو جلد واپس چلے گئے اور دوسرے آپ کے ساتھ صوبہ سرحد کے اس وقت کے

علوم وفنون کے تمام مشہور دروس میں شامل ہوئے۔

آپؒ نے سفر کی سختی اور گرمی سردی کو نہیں دیکھا بلکہ جہاں کہیں کسی بھی فن میں کوئی مشہور عالم تھا اور فی الواقعہ فن کا ماہر ہوتا، وہاں جاتے اور اُن سے سیکھنا شروع کر دیتے۔ آپ نے تمام کتب اُس دور کے مشہور علمائے کرام سے پڑھیں۔ چنانچہ اُس دور کے مشہور عالم صرف باجوڑ ایجنسی کے ڈبر نامی گاؤں کے جناب مولانا کفایت اللہ صاحب المعروف بہ صاحب حق سے صرف میر کو یاد کیا اور اُن کے پاس بہت دیر تک رہے۔ علم نحو آپ نے ابتداء میں باجوڑ میں پڑھی اور کافیہ وغیرہ کڈی مولانا صاحب سے پڑھی۔ کڈی مولانا صاحب حضرت شیخ القرآنؒ کے بھی استاد تھے۔ ان سے کافیہ کے علاوہ ایساغوجی، مرقات اور تحریر سنبٹ بھی پڑھیں۔ کڈی مولانا صاحب ان کے دوسرے استاد مولانا شیخ زادہ گل صاحب المعروف بہ سرکئی بابا کے بھی استاد ہیں۔ یہاں سے آپؒ کو حضرت شیخ القرآنؒ مولانا محمد طاہرؒ سے وابستگی پیدا ہوئی۔ اسی طرح اس دور کے مشہور فی الادب مولانا مسیح اللہ صاحب سے علم الادب اور باجوڑ میں مولانا کوثر علی صاحب سے مختصر المعانی پڑھی۔ کچھ وقت کے لئے دار العلومِ سرحد میں بھی طالب علم رہے، علم المنطق آپؒ نے چکیسر بابا کے بیٹے العلامہ مولانا عنایت اللہ صاحب المعروف بہ صاحب حق سے پڑھا۔ اُصول الفقہ اور فقہ اجمیر باب سے پڑھا جبکہ موقوف علیہ مولانا عنایت الرحمٰن صاحب سے کیا تھا۔ مولانا موصوف نے دورۂ حدیث اپنے پیرومرشد مولانا محمد طاہرؒ کے مشورے سے مولانا محمد ایوب طیالوی سے کیا اور قرآنِ کریم شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ سے پڑھا۔ آپؒ نے فرمایا میں نے طالب علمی میں یہ قصد کیا تھا کہ ان شاء اللہ تمام کتب درسیہ کی ایک سطر بھی نہیں چھوڑوں گا سب پڑھوں گا اور ایسا ہی ہوا۔ دورۂ حدیث کے سال آپ نے اپنے شیخ الحدیث صاحب سے علمِ عروض پڑھا۔

طلباءِ کرام کو فرماتے: میں نے تمام علومِ عروض، منطق، ریاضی سب کتابیں پڑھیں اور ہر علم کی کتب کو مکرر پڑھا۔ کتب کے تکرار کا باعث یہ ذکر فرماتے کہ پہلے سے بہت شک کرنے والا تھا۔ جب تک کتاب کو یاد نہیں کر لیتا تھا تو تسلی نہیں ہوتی تھی۔ صَرف کی کتب کے بارے میں بہت مرتبہ یہ فرمایا کہ میں نے تین صرف میر یاد کیے:

(۱) صرف میر لالا کالا (۲) صرف میر قندھاری (۳) صرف میر شاخیلی۔

فرماتے تھے کہ عام طلباء پینتالیس (۴۵) باب یاد کرتے تھے اور میں نے نوے (۹۰) ابواب یاد کیے تھے۔ اسی وجہ سے کہ بار بار گردان کرتا اور طلباء کے ساتھ گپ شپ کے لئے نہیں بیٹھتا تھا تو وہ کہہ دیتے تھے کہ یہ پاگل ہوگیا ہے۔ علم نحو کے بارے میں فرماتے میں نے نحو میر یاد کیا تھا، کافیہ یاد کیا تھا اور تین قسم کے تراکیب ازبر یاد کیے تھے:

(۱) زنجیری (۲) قنبری (۳) شویوالی۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے طالب علمی کے دور میں علم منطق کے پڑھنے اور اُس میں مہارت حاصل کرنے کا بڑا بول بالا تھا تو میں نے سلم العلوم کے تصورات اُستاد کی مکمل تقریر کے ساتھ یاد کیے تھے اور اچھی خاصی گردان کی تھی اور تصدیقات کا بھی اکثر حصہ یاد کیا تھا۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اچھا حافظہ دیا تھا۔ آخری عمر میں میں نے تجربہ کرنا چاہا کہ آیئے دیکھتے ہیں کہ حافظہ کہاں تک صحیح ہے۔ چنانچہ باقی معمولات کے ساتھ ساتھ دس دن میں چار پارے یاد کر لیے۔ ان کے عجیب حافظہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپؒ زمانہ طالب علمی کے دوران جب پنج پیر میں شعبان اور رمضان میں آتے تو سبق کی تکرار کرنے والے دو طالب علم تھے ایک آپؒ تھے۔ جب آپؒ قرآن کریم کا تکرار کراتے تو ایک حرف بھی جو حضرت شیخ القرآن کے منہ مبارک سے نکلا ہو نہیں چھوٹتا تھا۔ کیونکہ آپ تمام باتوں، مسائل، احکام، خلاصہ سورت، روابط اور امتیازات اچھی طرح

ضبط کر لیتے تھے۔اس لئے حضرت شیخ القرآنؒ نے آپ کو اپنے درسِ قرآنی کا ٹیپ ریکارڈ
فرمایا تھا جو آپؒ کے یقیناً بہت بڑا اعزاز اور عالی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپؒ طالب علمی کے وقت سے لکھنا نہیں جانتے تھے، اسی لئے طالب علمی میں
آپؒ نے قرآنِ کریم میں کوئی تائید یا کسی آیت کا نمبر نہیں لکھا بلکہ ضبط کرنے کے لئے
گردان کیا کرتے تھے، جو آپ کو آخری عمر حد تک اچھی طرح سے یاد تھا۔آپؒ تفسیر
القرآن کا تکرار کیا کرتے تھے۔اسی سال (2003ء) جب آپ حج سے آئے تھے تو کچھ
دن بعد درسِ قرآن شروع کیا اور فرمایا کہ جلدی سے پڑھوں گا۔اس سال میرا ارادہ ہے ان
شاء اللہ پندرہ پارے درسِ قرآن کروں گا۔درمیان میں ایک دن چھٹی آئی۔تیسرے دن
جہاں سبق ختم ہوا وہاں سے کافی پیچھے سے شروع کیا اور یوں گردان کیا جیسے ایک طالب علم
قرآن کی ایک سورت حفظ کر کے دوسرے کو سناتا ہے۔

حضرت شیخ القرآنؒ کے بہت سے جید علماء شاگرد ہیں۔ان میں سے کالو خان
کے جناب حافظ ولی سید صاحب بھی تھے جو مولانا موصوف کے ساتھ ایک دور میں حضرت
شیخؒ کے ساتھ رہے۔حضرت شیخ القرآنؒ ان دونوں سے دوسرے شاگردوں کی نسبت بہت
زیادہ پیار کرتے۔دونوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور جب کوئی توجیح کرتے تھے تو ان دونوں
کو مخاطب کر کے فرماتے سمجھ گئے؟ اگر یہ کہہ دیتے کہ ہاں تو آگے شروع فرماتے اور اگر یہ
فرمادیتے کہ حضرت اعادہ فرمائیں تو حضرت شیخ القرآنؒ اعادہ فرمادیتے تھے۔

مولانا موصوفؒ علوم وفنون میں درجۂ اجتہاد رکھتے تھے۔اسی لئے آپ حضرت
شیخ القرآنؒ سے مختلف علوم وفنون کے بارے میں سوالات کرتے تھے لیکن حضرت شیخؒ نے
آپؒ پر کبھی بھی غصہ نہیں فرمایا۔حضرت شیخ القرآنؒ کے ساتھ بہت دیر تک بیٹھتے اور
سوالات و جوابات کا یہ عجیب منظر کبھی بہت طول بھی پکڑ لیتا تھا۔زیادہ سوالات کی بناء پر

آپؒ فرماتے کہ مجھے حضرت شیخ القرآنؒ نے فرمایا تھا کہ آپ مدرس نہیں بن سکتے۔ جب تم میرے ساتھ یوں معاملہ کرتے ہو حالانکہ میں آپ کا استاد بھی ہوں تو مہتمم کیونکر آپ کو مدرسے میں چھوڑے گا۔ پھر فرماتے کہ میں تو اقابل نہ تھا کہاں میں اور کہاں تدریس، یہ سب حضرت شیخ القرآنؒ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مولانا فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ القرآنؒ اپنے تمام شاگردوں سے بہت پیار و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ہر ایک دل میں یہ سمجھتا کہ حضرت شیخؒ مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور ویسے تو ہر کوئی کہہ دیتا ہے کہ میں اُن سے بہت محبت کرتا ہوں لیکن محبت یہ ہے کہ وہ بھی آپ سے محبت کریں۔ آپ کے ساتھ شیخ القرآنؒ کی محبت امتیازی تھی اور اُس کو اس بات سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے آپؒ کو بذاتِ خود چند کتابیں (۱) حیاۃ الانسان (۲) ابن کثیر (۳) تسہیل (۴) مدارک دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے آپ کو ضروری کتابیں دے دی ہیں۔

آپؒ نے فرمایا کہ جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو میرے گھر والے افغانستان میں تھے۔ حضرت شیخ القرآنؒ نے فرمایا کہ چلے جاؤ اور گھر والوں کو یہاں لے آؤ افغانستان ایک عزتمند شخص کے رہنے کے قابل نہیں رہا۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں گھر والوں کو پنج پیر لے آیا۔ حضرت شیخ القرآنؒ کا پرانا گھر تھا، تقریباً ایک سال ہم پنج پیر میں رہے۔ اس دوران حضرت شیخ القرآنؒ نے مجھے بہت کتابیں دیکھنے کے لئے دیں اور فرمایا کہ یہ اچھی طرح دیکھ لو۔

اسی طرح حضرت شیخ القرآنؒ کی امتیازی محبت کا ایک اور کرشمہ بھی ہدیہ قارئین ہے۔ وہ یہ کہ بہت پہلے زمانے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ القرآن شدید بیمار ہوئے تو حضرت مولانا مرحومؒ کو فرمایا کہ آپ میری جگہ درسِ قرآن دیں اور خود ان کو منہ

پڑھایا۔ طلبہ کو فرمایا کہ میں بیمار ہوں اور ان شاء اللہ یہ ہو بہو مجھ جیسا درسِ قرآن آپ لوگوں کو پڑھائے گا۔ تین دن تک آپ نے درسِ قرآن دیا۔ حضرت شیخ القرآنؒ اس بات پر ان سے بہت خوش تھے۔ اس کے علاوہ فرماتے کہ حضرت شیخ القرآنؒ نے کئی بار مجھ جیسے ناچیز کو بلایا اور فرمایا کہ میرا فلاں جگہ کام ہے، آپ میرے ساتھ جائیں۔ چنانچہ آپ حضرت شیخؒ کے ساتھ بہت سے سفروں میں شامل رہے۔ آپ اُن شاگردوں میں سے ہیں جن کا نام حضرت شیخ القرآنؒ درسِ قرآن کریم میں لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا صاحب نے خود فرمایا تھا کہ ایک دفعہ ہم اجلاس کے لئے ایک جگہ جمع تھے۔ ابھی حضرت شیخ القرآنؒ نہیں آئے تھے تو ساتھی ایک دوسرے کے ساتھ مل رہے اور حال احوال پوچھ رہے تھے اور یہ منظر کچھ شور وغل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ میں اور ایک مولوی صاحب ایک طرف بیٹھے تھے اور دل ہی دل میں ذکر کر رہے تھے۔ اتنے میں حضرت شیخ القرآنؒ تشریف لائے اور جیسے ہی آئے تو فرمایا کہ آپ لوگوں نے کیا شور و غل کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ دو میرے شاگرد ہیں باقی ویسے بکواس کرتے ہیں۔

کیا وفاداری ہے جسے انسان دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کیونکہ جس طرح حضرت شیخ القرآنؒ آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ شاید اُن کے تمام شاگردوں میں مولانا موصوف اس صف میں اکیلے ہی کھڑے ہیں۔ جب حضرت شیخ القرآنؒ نے آپ سے فرمایا کہ صرف ونحو چھوڑ دو تو فرماتے تھے کہ میں تو صرفی ونحوی اور ایک فنی مولوی تھا لیکن جب مجھے میرے شیخؒ نے کہا کہ ان اشیاء سے باہر رہو صرف قرآن وحدیث علوم دینیہ میں مشغولیت پیدا کرو اُسی روز سے میں نے قرآن وحدیث کے علاوہ دیگر کتب کا پڑھنا دیکھنا پڑھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

اسی طرح ان کے ایک شاگرد کا کہنا ہے کہ جب آپ تورڈھیر گاؤں میں آئے تو

ساتھیوں سے کہا مجھے شیخؒ نے یہاں بھیجا ہے، اگر وہ کہہ دیں کہ آجاؤ بس، وہاں مسئلہ بیان کرنا چھوڑ دو تو میں جلدی سے ضرور جاؤں گا۔ میں ان کو ناراض نہیں کرسکتا وہ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ آج کل کے طلباء نزدیک کی جگہوں میں بھی اپنے شیوخ کی تقاریر سننے نہیں جاتے اور میرے پرانے زمانے کے ساتھی دور دور سے پیدل اور راتوں کا سفر کر کے اپنے شیوخ کی تقاریر کے لئے آتے تھے۔

آپؒ جب بھی تقریر یا درسِ قرآن کریم دیا کرتے تو حضرت شیخ القرآنؒ کا تذکرہ کرتے۔ ان لوگوں کو اپنے شیوخ سے محبت نے مجنون اور پاگل جیسا بنا دیا تھا۔ فرمایا کامیابی شیوخ کے اتباع میں ہے ورنہ کامی کے مراحل کچھ دور نہیں۔ آپؒ جب درسِ قرآن دیتے تو حضرت شیخ القرآنؒ کے معانی کے لئے حوالہ جات بیان فرماتے تھے۔ فرمایا میں نے شیخ القرآنؒ کے معانی اور ایک ایک آیت کے مقصد پر جو انہوں نے بتایا، اُس کے حوالے کے لئے کئی کئی مہینے اور سینکڑوں کتب کا مطالعہ کیا۔ یہ میری علمی استعداد بڑھانے کا ایک عظیم سبب بھی بنا۔

ایک واقعہ آپ کثرت سے ذکر کرتے تھے کہ ہمارے ساتھی ایک اجتماع کی غرض سے کسی جگہ جمع ہوئے تو مجھے بھی دعوت دی گئی۔ بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ لوگ الٰہ کا معنی حاجت روا، مشکل کشا، نفع ونقصان دینے والا اور بچانے والا کرتے ہیں تو یہ بتائیں کہ آپ کے پاس اس کا کوئی حوالہ ہے؟ فرمانے لگے یہ معنی حضرت شیخ القرآنؒ نے ہمیں درسِ قرآن میں پڑھایا لیکن حوالہ نہیں بتایا تھا۔ میں نے بہت تفاسیر دیکھیں لیکن کہیں نہیں ملا۔ ان میں سے ایک جواب زندہ نہیں، کچھ بتانے لگے اور بتایا کہ شرح عقائد کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے: کچھ اور بھی کہا لیکن میں نے کہا آپ جو بتا رہے ہیں اس کا تو میری بات سے کوئی تعلق نہیں، پھر انہوں نے بتایا کہ میں ان شاء اللہ آپ کو

بعد میں کئی حوالہ جات بھیج دوں گا لیکن کچھ بھی نہیں بھیج سکے۔ فرمایا بعد میں میں تفسیر ابن عباسؓ سورۃ محمد میں دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے یہی معنی کیا تھا تو بہت خوشی ہوئی۔ جن کو آپ کے ساتھ ترجمہ میں کچھ حصہ پڑھنے کا موقع ملا ہے، اُن کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت شیخ القرآنؒ نے جس کسی کے ساتھ بحث و مباحثہ فرمایا، وہ الفاظ جو شیخ القرآنؒ نے ذکر کیے تھے۔ یادرکھا اور فرماتے کہ فلاں تاریخ کو ایک آدمی نے یہ سوال کیا۔ ہمارے شیخ نے یہ جواب دیا۔ الغرض جو واقعات اُن کو پیش آئے، انہیں ایک قیمتی جوہر سمجھ کر اُن لوگوں نے اپنے سینے کا زیور بنایا تھا .... ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
ایک جان کا زیاں ہے سوا ایسا زیاں نہیں

آپ کو اپنی مادرِ علمی دارالقرآن اور جناب امیر محترم صاحب بارک اللہ فی حیاتہم سے بھی ایک عجیب طرح کی محبت تھی۔ دعا کرتے اے اللہ دارالقرآن کو آباد رکھیو۔ یہ ہمارے شیخؒ کی جگہ ہے ہم نے یہاں قرآن سیکھا ہے اور اے اللہ جو لوگ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں مولانا صاحب اور شیخ الحدیث صاحب اللہ تعالیٰ ان کو اور بھی توفیق عطا فرمائیں۔

راقم الحروف کو ایک مرتبہ فرمایا میں جیسے حضرت شیخؒ سے محبت رکھتا تھا، مولانا صاحب سے بھی رکھتا ہوں لیکن ظاہراً محبت کو ظاہر کرنا صحیح نہیں۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ میں اُن کی تقریر کے لئے نہایت توجہ سے بیٹھتا ہوں اور وہ اپنے والد گرامی کی طرح عجیب عجیب باتیں سامنے لاتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا مجھے یہ بات معلوم ہے کہ امیر صاحب کا ایک ہی بیٹا ہے باقی لڑکیاں ہیں۔ آپ بھی طالب علم ہیں۔ طالب علم کی دعا قبول ہوا کرتی ہے۔ امیر صاحب کے لئے

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نرینہ اولاد عطا فرمائیں اور خود بھی دعا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب سے محبت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں خیریت ڈالیں۔ کئی کاموں میں مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ مجھے مناظرہ کے لئے بھیجا ہے۔ ان کا حسنِ ظن ہے آپ کے آخری ایامِ زندگی میں کسی آدمی نے اپنی جگہ پر حضرت امیر صاحب کے بارے میں اشارۃً کسی عیب کا اظہار کیا آپ نے اُس کو تھپڑ مارا اور کہا میں زندہ ہوں اور آپ میرے شیخ ؒ کے بیٹے اور میرے امیر کے بارے میں گستاخی کرتے ہیں۔ کئی ساتھیوں سے سنا ہے کہ آپ حضرت امیر صاحب کے ہاں کئی بار اس لئے گئے کہ ان کو تسلی دیں۔

امیر محترم مولانا محمد طیب طاہری صاحب سے دلی محبت اور شیخ القرآن ؒ کے ساتھ وعدہ کا ایفاء ان کی اس بات سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جب 20/ مارچ 2003ء کو پشاور میں شوریٰ تھا۔ اُس کے بعد جب آپ مدرسہ تشریف لائے تو راقم الحروف کو فرمایا کہ آج چھٹی کے بعد پنج پیر جانا ہے۔ امیر صاحب کی طبیعت اچھی نہیں تھی، چل کر کچھ تسلی دوں نوجوان آدمی ہے ایسا نہ ہو کہ ساتھیوں سے مایوس ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت نصیب فرمائے۔ یہ بھی لازوال محبت کی عظیم نشانی ہے کہ جب اضاخیل بالا ضلع نوشہرہ میں صوبائی اجلاس تھا تو ہجوم زیادہ تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد حضرت الامیر صاحب روانہ ہوگئے اور مولانا مرحوم ہمارے ساتھ کھڑے تھے۔ ہمیں معلوم نہ ہوسکا کہ امیر صاحب گاڑی کی طرف روانہ ہوگئے ہیں۔ قریب تھا کہ حضرت الامیر گاڑی میں بیٹھ جاتے کہ کسی نے آکر بتایا کہ امیر صاحب چلے گئے۔ حضرت مولانا مرحوم اچانک دوڑے اور کہنے لگے کہ میں نے امیر صاحب سے ہاتھ نہیں ملایا اور دوڑنے کے حجرے سے لے کر گلی کے باہر تک آپ چلے گئے اور شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب سے مصافحہ کیا۔ یہ اپنے شیخ ؒ کی اولاد کی وہی پیروی ہے جو شیخ ہی کی تھی اور وہی محبت ہے جو شیخ ہی سے تھی۔ ہمارے اکابرین اس لئے

کامیاب ہیں کہ وہ عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ایسے لوگ ہر روز پیدا نہیں ہوتے ......

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

عمر ہا درکعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

قارئینِ کرام ! ان کے اندازِ زندگی کو دیکھ کر بہت کم لوگوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور یہ عشق و محبت ہی اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ راقم الحروف جب کبھی دارالقرآن جاتا تو فرماتے امیر صاحب اور شیخ الحدیث صاحب کو ضرور سلام کہنا۔کئی مرتبہ ویسہ ضلع اٹک کو جانا ہوا۔ جب اجازت لینے کے لئے آپ سے ملتا تو فرماتے حضرت مولانا غلام حبیب صاحب کو میرا سلام کہنا،اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔وہ ہماری جماعت کے بزرگ ساتھی ہیں۔ بہت خندہ پیشانی سے ماننے والے اور صبر و تحمل والے آدمی ہیں،اللہ تعالیٰ ان کی بیماری کو دور فرمائے۔

بظاہر کئی مرتبہ راقم الحروف کے سامنے کئی ساتھیوں سے ملتے تو اتنی محبت کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل ہی دل میں بہت پیار کرنے والے تھے۔ ساتھیوں کے ساتھ اکابرین کی ایسی محبت بعد میں آنے والوں کے لئے بیش بہا سرمایہ ہے۔شرک و بدعت سے سخت متنفر تھے۔

جب مشرکین یا مبتدعین پر رَد کرتے تو بہت غصے سے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا،کبھی بھی حق گوئی میں کسی کا کچھ بھی خیال نہ رکھا۔ باطل پرست فرقوں پر خوب رَد کیا کرتے تھے۔ آپ کا رَد حیران کن تھا۔جو ساتھی آپؒ کی تقاریر یا درس میں شریک ہوئے ہیں وہ فوراً کہیں گے کہ ان جیسا رَد کرنے والے اس دور میں بہت کم ہیں۔آپ حق گوئی کے بارے میں

فرماتے تھے کہ میں کسی کا قائل نہیں ہوں جو کوئی بھی ہو، اگر شریعت کا خلاف کرے گا' ساتھی کیوں نہ ہو، ہزار مرتبہ خفا ہو میں رَدضرور کروں گا۔ آج سے دو سال پہلے جب حکومت نے پابندی لگائی تھی کہ لاؤڈ سپیکر بند کر دیا جائے اور گاؤں تور ڈھیر کے مبتدعین بھی حکومت سے اپیل کرتے، تو ایک مرتبہ پولیس آئی اور ان کو بتایا کہ ہمارے ساتھ چھوڑ لاہور جائیں گے۔ آپ وہاں گئے وہاں S.H.O نے آپ سے کہا کہ مولانا صاحب! میں جو بات کہوں اس کو مانو گے۔ اِس میں تمہاری خیر ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں آپ کی وہ بات مانوں گا جو شریعت کے موافق ہوگی، کسی اور بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ S.H.O نے خود آپ کے ساتھی سے بتایا کہ تور ڈھیر گاؤں میں ایک عالمِ دین ہے، بڑے حق گو اور نہایت شجاع و بہار آدمی ہیں' میں نے دھمکایا لیکن وہ اپنی حق بات سے نہ ہٹے اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیے۔

اسی طرح آپ جس گاؤں میں رہتے تھے اُس میں میاں گلو کے نام سے ایک مشہور مزار ہے۔ آپ درس دیتے وقت لاؤڈ سپیکر پر فرمایا کرتے تھے کہ یہاں میاں گلو بابا وہ جو اُس گاؤں میں اُن کا مزار ہے کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اسی طرح ردِ شرک کرتے تو اس گاؤں کے اس درگاہ و مزار کے معتقدین اور ان کی اولاد پر یہ باتیں بہت ناگوار گزارتیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے مشورہ کیا کہ ان کو قتل کر دینا چاہئے ورنہ تو ان پنج پیریوں سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ لہٰذا وہ کافی تعداد میں مسلح ہو کر مسجد مینار پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے۔ آپؒ درسِ قرآن دے رہے تھے۔ یہ آپ کے ابتدائی دورِ تبلیغ کے واقعات میں سے ہے۔ جب درس کے ساتھیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے کئی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو مسجد کی چھت پر کھڑا کر دیا۔ آپ مسلسل درسِ قرآن میں مشغول تھے۔ آپؒ کے ساتھ کئی ساتھی درسِ قرآن میں بیٹھتے تھے کہ اتنے میں وہ لوگ مسجد کے بالکل

قریب آ گئے۔ آپؒ کے ایک شاگرد کا کہنا ہے کہ آپؒ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور دورانِ درس یہ بھی فرمایا کہ ان کا راستہ چھوڑ دو، وہ آ گئیں۔ ایسی حالت میں بھی آپ کی زبان حق کے بیان کرنے سے باز نہ آئی۔

اس کے بعد انہوں نے رپورٹ کردی کہ افغانستان سے ایک مولوی آیا ہے اور ہمارے گاؤں میں فساد اور اختلافات پیدا کر رہا ہے۔ مشرک اور مبتدع مولوی کہتے ہیں کہ ہم اس گاؤں میں ہوں گے تو یہ لوگوں کو کیسے قرآن وحدیث سے روشناس کرائے گا۔ انہوں نے آپ کی دشمنی میں عوام کو تیار کیا۔ اسی طرح ایڑھی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طریقے سے آپ کو اپنی مشن سے ہٹادیں۔ آپ کہاں اپنے مقصد سے ہٹنے والے تھے۔ فرماتے جب پہلے پہل رپورٹ درج کرائی گئی تو ضلع صوابی کی تحصیل چھوٹا لاہور میں پیشی ہوئی۔ بعد میں صوابی جاتے تھے اور اُس کے بعد مردان جانا پڑتا۔ آخرکار پشاور ہائی کورٹ تک گئے اور یہ عجیب وغریب سلسلہ سات سال تک چلتا رہا۔

مشرکین ومبتدعین کا اعتراض تھا کہ یہ افغانستانی مولوی ہے تو ان کے وکیل نے اس بات پر زور لگایا کہ پاکستان سے چلا جائے لیکن فرماتے کہ ہمارے وکیل نے کہا کہ جناب مجسٹریٹ صاحب! پاکستانی حکومت میں یہ قانون ہے کہ جو آدمی کسی اور ملک سے آیا ہو اور اس نے پاکستان میں پانچ سال گذار لئے ہوں تو وہ پاکستانی ہے۔ اور ہمارے مؤکل جناب مولوی صاحب پانچ سال سے بیشتر وقت سے پاکستان میں مقیم ہیں۔ فرمایا کہ مجسٹریٹ نے ہمیں کہا کہ مبارک ہو فیصلہ آپ کے حق میں ہے اور یہ بھی مبارک ہو کہ آپ کو پاکستانی شہریت بھی جاری کی جارہی ہے۔ ہاں یہ لیں اور اپنے لئے شناختی کارڈ بنالیں۔

یہ آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ ہے۔ ایسے کئی واقعات پیش آئے لیکن جن واقعات میں آپؒ اکیلے تھے کسی ساتھی کو ساتھ نہیں لیا تھا تو وہ واقعات بھی بیان نہیں فرماتے

تھے۔کبھی کبھار دوستوں کی تسلی کے لئے اپنے واقعات ذکر کرتے کہ دیکھو! تکالیف اُٹھاؤں گے لیکن ان شاءاللہ آخر فتح آپ ہی کی ہوگی۔دیکھو میں دوسرے ملک سے آیا ہوں' یہاں کوئی رشتہ دار نہیں' خاندان نہیں' مقابلے میں مضبوط اور مالدار لوگ ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے۔اس کے علاوہ بہت سے واقعات گزرے ہیں۔

ایک مرتبہ ناظم صاحب سے سنا تھا کہ جب حضرت مولانا مرحوم" تورڈھیر گاؤں میں آئے تو گاؤں میں بہت شور وغل ہوا اور مخالفین نے اکٹھے ہوکر مشورہ کیا کہ چند نوجوانوں کو تیار کیا جائے اور یہ مولوی مسجد کے صحن میں رات گزارتے ہیں۔یہ دو تین نوجوان راتوں رات اس کو قتل کرڈالیں گے تو نہ کسی پر الزام عائد ہوگا اور نہ کوئی ہمارا روپیہ وغیرہ خرچ ہوگا۔چنانچہ آپ سو رہے تھے کہ تین آدمی دیوارِ مسجد سے چھلانگ لگا کر مسجد میں داخل ہوئے۔جب مسجد کی حدود میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کی بینائی ختم کردی۔انہوں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو نظر صحیح ہوگئی۔ایک کہتا ہے میں مسجد کے حدود میں داخل ہوتا ہوں تو کچھ نظر نہیں آتا۔دوسرا اور تیسرا بھی یوں ہی کہنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں اور یکدم ہلا بول دیں گے۔انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن جب چارپائی کے قریب آئے تو پھر وہی واقعہ پیش آیا۔آخر انہوں نے آپ کو آواز دی۔آپ اُٹھے اور اُن سے پوچھا تم کون ہو اور کیا کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا رحم کرو، سارا واقعہ بیان کردیں گے۔جب انہوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا مسئلہ مان لو اور جاؤ واپس چلے جاؤ۔میں آپ لوگوں کو کچھ نہیں کہتا۔صبح وہ لوگ آپ کی مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوئے۔

آپ" کو اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم صفت دی تھی کہ آپ شہرت پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے کہ جو کامیابی کی راہیں اور منزل طے کرنے کے درپے ہیں تو وہ گمنامی اور عدم

شہرت پیدا کریں۔ اس لئے آپؒ خود بھی نہایت ہی گمنامی پسند تھے ....

وہ طلب میں جو گمنام مرگئے ناصر
''متاعِ وقت'' انہی لوگوں کے نام کریں

آپؒ کو اگر معلوم ہو جاتا کہ فلاں میری غیبت کر رہا ہے یا بہتان تراش ہے خواہ مخواہ مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے تو پھر بھی کبھی ان جیسے لوگوں کی غیبت نہ کی اور نہ کسی کے سامنے ان سے ناراضگی کا اظہار کیا اور جب بھی وہ ملتے تو اُن کو یہ محسوس نہ ہونے دیتے کہ تم نے میری غیبت کیوں کی ہے۔ نہ ہی کسی میں اتنی جرأت تھی کہ آپ کے سامنے ان جیسے بدزبان لوگوں کی ذم و مدح بیان کرے۔ زندگی کے آخری دور میں غیبت، حسد، بغض اور چغل خوری پر زبردست رد فرماتے۔ فرمایا کہ آج کل عوام تو درکنار خواص بھی اس گناہ کے اثر سے نہیں بچ سکے۔ علماء وطلباء زیادہ ہیں ماشاء اللہ لیکن نیک لوگ بہت کم ہیں۔ ہم تم سب مل کر نیک آدمی ڈھونڈنا چاہیں تو بڑی مشکل سے سینکڑوں میں ایک ملے گا۔ اگر کسی آدمی میں دینی غلطی ہے اور اس کا رد کرنا لازمی ہے جو جرح یوں کرنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو اپنے ذاتی جذبات کی وجہ سے اُس پر رَد کرنے سے اپنے دل کو سکون پہنچایا جائے۔ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ ہاں لوگوں کو اس برائی سے بچانے کے لئے کہا جائے کہ یہ کام کرنا گناہ کبیرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ کسی کی ذات کے ساتھ بغض صحیح نہیں صرف گناہ کی وجہ سے موصوف کا ذم کیا جائے۔ ایسے الفاظ نہ ہوں جو قرآن وسنت کے خلاف ہوں ورنہ یہ گناہ کے زمرے میں آئے گا۔

جب گاؤں تورڈھیر میں حضرت شیخؒ نے مسئلہ توحید وسنت کا بیان شروع کیا تو اس گاؤں میں چند ساتھی پیدا ہو گئے۔ حضرت شیخ القرآنؒ بعد میں اپنے گاؤں میں مستقل کام کرنے لگے تو اس گاؤں کے ساتھیوں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے اوّل یہ

کہ ان کے ساتھ کوئی عالم نہیں تھا۔ جب مبتدعین اعتراض کرتے تو فنون کے اعتبار سے جواب دینا ان کے بس کا کام نہیں تھا۔ آخر کار انہوں نے باہم مل کر مشورہ کیا کہ حضرت شیخ القرآنؒ کے ہاں جا کر اُن سے ایک عالم کی درخواست کی جائے جو ہمارے گاؤں کی فضا کو سمجھ کر کام کرنے والا ہو۔ جیسے ہر گاؤں میں پہلے پہل مشکلات ہوتی ہیں، اسی طرح تورڈھیر میں بھی تھیں لیکن اس گاؤں جیسی سختیاں شاید ہی کسی اور جگہ گذری ہوں۔ یہ انتہائی سخت ترین منزل تھی، اور اس کو عبور کرنا بڑی استقامت والوں کے علاوہ کسی کے بس کا کام نہیں تھا۔ گاؤں میں ایک قدیم اور مشہور درگاہ ہے۔ لوگ اس پر عجیب وغریب قسم کا شرک کرتے تھے، بدعات اور رسومات بے شمار تھیں۔ مخالفین میں عوام ہی نہیں بلکہ مشرک پیر، مبتدع مولوی اور علاقے کے مشہور مالدار اور خوانین تھے۔ وہ لوگ کسی بھی حال میں یہاں قرآن وسنت کی روشنی کے ہمنوا نہ تھے۔

ایسے حالات میں کسی اور جگہ سے آنے والا مسافر کیسے حق بیان کرسکتا تھا لیکن شیخ القرآنؒ نے یہاں درسِ قرآن شروع کیا۔ اسی درسگاہ کے ساتھ ان کی مشین تھی۔ اس کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور مسئلہ توحید بیان کرتے۔ اُن کو گاؤں کے حالات معلوم تھے۔ جب ساتھیوں نے درخواست کی کہ ہمیں شعبان ورمضان کے لئے ایک عالم درکار ہے تو حضرت شیخؒ نے اس عظیم ثابت قدم ہستی حضرت مولانا محمد رفیق صاحبؒ کو منتخب کیا قاعدہ ہے کہ جتنا کسی پر اعتماد ہوتا ہے اتنی ہی اس پر ذمہ داری ڈالی جاتی ہے۔ اُن کی مردم شناسی پر رشک ہے ....

کسی کو کیا معلوم کیا چیز ہے وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

آپ نے ۱۳۷۹ھ کے شعبان ورمضان میں گاؤں تورڈھیر میں درسِ قرآن دیا

اور اس شان سے دیا کہ لوگ خود بخود آتے اور قرآن سن کر متاثر ہوتے۔ ساتھیوں نے جب یہ معاملہ دیکھا کہ یہ آدمی یہاں خوب کام کرے گا تو انہوں نے مشورہ کیا کہ ان کو یہاں رکھوا کر ایک مدرسہ بنانا چاہیئے تاکہ یہ عالم طلبہ کو اور اس گاؤں کے لڑکوں کو علم دین سے روشناس کرائے۔ چنانچہ ۱۳۸۰ھ میں مسجد مینار میں حضرت شیخؒ نے مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔ کچھ مدت کے بعد وہاں سے مدرسہ دوسری جگہ منتقل کیا گیا جہاں آج کل بنات کا مدرسہ ہے اور آخرکار جدید دارالعلوم تعلیم القرآن جو ایک عظیم عمارت میں قائم ہے، بنایا گیا۔

آپؒ نے غالباً ستائیس (۲۷) سال کی عمر میں شادی کی۔ آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بڑا صاحبزادہ حماد تقریباً تین سال پہلے وفات پا گیا۔ دوسرے بیٹے کا نام محمد یوسف ہے۔ وہ امیر محترم کے حکم کے مطابق مدرسہ ہذا کے مہتمم مقرر کئے گئے ہیں۔ تیسرے بیٹے کا نام عنایت اللہ ہے جو طالب علم ہیں۔

آپ نے اپنے اہل و عیال کے لئے وارثت میں کوئی مال و زر نہیں چھوڑا بلکہ حدیث نبوی ﷺ کے مصداق وراثت نبوی ﷺ میں کتب تفاسیر، احادیث، تاریخ اور فتاویٰ جات بیش بہا کتب خانہ چھوڑا ہے۔

آپ کے چند مشہور شاگردوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ محدث دارالقرآن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یار بادشاہ صاحب۔

۲۔ مناظر اشاعت علامہ مولانا سلطان غنی عارف الظاہری۔

۳۔ صوفی کامل صدر المدرسین تعلیم القرآن تورڈھیر حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے اسباق پڑھاتے ہیں۔

۴۔ مولانا رحم دل صاحب۔ ۵۔ مولانا عبدالعزیز صاحب آلہ ڈھنڈ ڈھیری۔

۶۔ مولانا عبدالمقدس باچا صاحب جلبئی۔ ۷۔ مولانا بشیر صاحب کوئٹہ۔

۸ مولانا سید امیر حسین باچا صاحب درہ خیبر۔

۹ سابق ناظم اعلیٰ صوبہ سرحد جناب مولانا امداد اللہ صاحب مرحوم تورڈھیر۔

۱۰ مولانا رحیم خان صاحب عرف کاشکار جلبئی ۱۱ مفتی حبیب اللہ صاحب کوئٹہ۔

۱۲ مولانا عبدالواحد صاحب یعقوبے صوابی۔ ۱۳ مولانا نعمت اللہ صاحب کوئٹہ۔

۷ اپریل ۲۰۰۳ء کو عالم اسلام کے یہ عظیم انسان پیر کی رات ۳ بجے اچانک بیمار ہوئے جس سے آپ اپاہج ہوگئے۔ پہلے سے آپ کو انتہائی درجے انتہائی درجے کی بلڈ پریشر کی شکایت تھی جس کی وجہ سے آپ کی دماغ کی رگ پھٹ گئی اور ۱۸ اپریل کو منگل کے دن ساڑھے چار بجے آپؒ بے ہوشی کی حالت می لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں وفات پاگئے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

۱۹ اپریل کو صبح دس بجے آپ کا جنازہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے پڑھایا اور آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

تصوف وسلوک

آپؒ نے اپنے شیخ شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ سے بیعت کی۔ بعد میں حضرت مولانا شاہ عنایت اللہ بخاریؒ صاحب کے ساتھ رابطہ رکھا اور آخری دور زندگی میں چلاسی بابا کے ساتھ تعلق قائم کیا تھا۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتب تصوف کو زیادہ دیکھتے اور پسند کرتے تھے اور اسی طرح مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے رسالے دیکھتے تھے۔ تصوف کا اثر آپ پر بہت نمایاں تھا۔

آپؒ بہت کم بولتے تھے بلکہ ضرورت کے بغیر نہیں بولتے تھے۔ دن رات ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے شاگرد کا کہنا ہے کہ پہلے سے آخر تک ان کی نماز کا انداز یوں تھا کہ ہر ہر رکن بہت آرام سے ادا کیا کرتے تھے۔ فرماتے کہ نماز ایسا پڑھنا کہ تم یہ محسوس کرو کہ میں نے اپنی طرف سے عبادت میں اپنے آپ کو تھکایا، قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر وہ قبول کریں احسن ہوگا اور اگر آپ خود بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کیسا ہے تو تعجب ہے وضو میں وقت خراب کرے اور کچھ فائدہ بھی نہ ہو۔

ان کے تلمیذ رشید جناب مولانا شیر حسن صاحب کا کہنا ہے کہ آپ رمضان میں اور ان مہینوں میں کہ فنون نہیں پڑھاتے تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ فرماتے کہ میں درس قرآن پر پیسے نہیں لیتا۔ آپ خود نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں ہوا کرتے تھے۔ ہمیشہ طلبہ میں سے کسی قاری یا عالم کو آگے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے پوچھا حضرت آپ خود نماز کیوں نہیں پڑھاتے۔ فرمایا شریعت نے جو شرائط امامت کے لئے بتائی ہیں وہ اس ناچیز میں نہیں۔ پھر کیونکر آپ لوگوں کی نماز خراب کروں۔ آپؒ اولویت کے بہت پابند تھے آخری عمر میں جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں جا کر حرم مفتیان کرام سے پوچھا کہ نبی علیہ السلام نے سال میں ایک مرتبہ عمرہ کیا ہے اور جائز زیادہ بھی ہیں یہ بتائیں کہ اولویت کس میں ہے۔ انہوں نے فرمایا بہت جائز ہیں اور ایک اولیٰ ہے تو آپ نے ایک ہی عمرہ کیا ہے۔

آپ جب کسی طالب علم کو امامت کے لئے آگے کرتے تو اگر طالب علم یا کوئی عالم وقاری وغیرہ ایک سورۃ کا کچھ حصہ یعنی اول سورۃ یا وسط سورۃ یا آخر سورۃ سے تلاوت کرکے نماز پڑھاتے تو سلام کے اکیلے ہو کر بتا دیتے کہ نماز پڑھتے وقت پوری سورۃ پڑھا کرو۔ آدھی سورۃ پڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور جب آپؒ خود نماز پڑھاتے تو مسنون

ترتیب پر نمازوں کے لحاظ سے سورتیں پڑھنے یعنی طوال مفصل وغیرہ اور فرماتے کہ آج کل بڑے بڑے علماء اس پر عمل نہیں کرتے۔ تعجب ہے ان کو کیوں نظر نہیں آتا۔

آپؒ نے فرمایا کہ ایک دور تھا کہ مبتدی مولوی نے رپورٹ درج کرائی اور مجھے بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ گاؤں میں ایک اثر ورسوخ والا آدمی تھا جو میرا بہت معتقد تھا۔ حکومت نے اس کو راشن دینے کیلئے گاؤں کا چیئرمین مقرر کیا تھا۔ شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ معتقد سے کہا جائے کہ اس مبتدع مولوی کا راشن بند کردے لیکن بعد میں سوچا تو ایسا گوارا نہ کیونکہ یہ تو ذاتی بدلہ لینا تھا میں نے اچھا نہ سمجھا لہٰذا ترک کردیا۔

آپؒ اس مقولہ کا صحیح مصداق تھے کہ "من کنوز البر کتمان المصائب"۔ آج کل کے مہتممین میں ان جیسا مشکل نہیں بلکہ محال کے درجے میں ہے کہ مدرسے کے پیسے کبھی پاس نہیں رکھے۔ خود اپنے آپ کو صحیح خادم سمجھ کر ناظم سے تنخواہ وصول کرتے یا وہ لے آتے۔ جب کبھی سفر پر جانا ہوتا تو اگر بس وغیرہ میں گانے بج رہے ہوتے تو پہلے بتا دیتے تھے کہ اگر بند کرتے ہیں تو اچھا ہے ورنہ ہم اس میں سفر نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے شاگردوں کے ہمراہ ورئی کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے، بس والے کو کہا کہ ٹیپ بند کرو، اس نے بند نہ کیا تو شاگردوں سے کہا نیچے اُتریں، اب ہم بھی گناہ میں شامل ہونگے۔

آپ کا گھر دارالعلوم سے فاصلے پر ہے، آپ عام شاہراہ سے آتے تھے لیکن بہت مدت سے آپؒ نے وہ راستہ چھوڑ دیا تھا۔ آپؒ سے ایک طالب علم نے پوچھا حضرت آپؒ سیدھے راستے پر کیوں نہیں آتے؟ آپؒ ہمیشہ کھیتوں کے چھوٹے چھوٹے راستوں سے مدرسہ کو آتے ہیں، اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا کہ راستے میں ایک دکاندار اپنی دکان میں گانا لگائے رکھتا ہے اور ہماری اتنی طاقت نہیں کہ بند کروائیں۔ اس لئے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا ہے۔

جب بازار سے چلتے تو کانوں پر پگڑی نیچے کرتے تاکہ کانوں کی آواز سرایت نہ کرے۔ فرماتے آج کل کے طلبا دعا کرتے ہیں اللہ ہمیں نا سمجھی کا علم دے، کیونکہ گناہ چھوڑتے نہیں اور علم کی دعا کرتے ہیں۔ فرمایا ہمارے اکابرینؒ میں سے مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ تم عوام یا ہر کسی کی دعوت قبول نہ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ آپ وہ کھانا کھالیں جو صحیح طریقہ سے حاصل نہ ہوا ہو۔

آپؒ نے اپنے اوقات کو تقسیم کر رکھا تھا۔ کبھی کسی نے انہیں فضول بولتے یا بیٹھے نہیں دیکھا۔ مطالعہ اور تلاوت میں مشغول رہتے یا پھر وعظ و نصیحت فرماتے۔ آپؒ زیادہ تعلقات بڑھانے والے نہ تھے، بہت کم تعلقات رکھتے۔ ہمارے شیخؒ فرمایا کرتے تھے کم عقل آدمی کے دوست زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ہر کسی کے ساتھ تعلق قائم کرتا رہتا ہے۔

آپؒ اکثر یہ بات وعظ میں فرماتے کہ کسی کی مدح اور ذم زیادہ نہ کرو کیونکہ یہ حدیث کے خلاف ہے اور جب خود کسی کے بارے میں مدح فرماتے تو پہلے فرماتے کہ "احسبہ کذلک و حسیبہ اللہ و لا ازکی علی اللہ احدا"۔

آپؒ علماء کی نظر میں :

مبتدعین کا ایک مولوی کہتا تھا کہ اشاعۃ التوحید میں تین (۳) بڑے قوی اور صحیح علماء ہیں (۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یار بادشاہ صاحب مدظلہ (۲) حضرت العلامہ مولانا محمد رفیقؒ (۳) خطیب سرحد علامہ غلام حبیب صاحب۔

امیر محترم مولانا محمد طیب طاہری صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب میری امارت کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو مولانا مرحومؒ اٹھے اور فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہوگا تو ہم ان کی تابعداری کریں گے ورنہ ہم سوچیں گے لیکن آج تک امیر محترم کے وفادار ساتھیوں میں

سرفہرست ساتھی مولانا تنزہ تھے۔ فرمایا وقتاً فوقتاً حال پوچھتے تھے نہ تو میں ان کو بھلا سکتا ہوں اور نہ ان کو میرا خاندان یا میرے ساتھی بھلا سکتے ہیں۔

''لایخافون لومۃ لائم''

حضرت شیخؒ کے تمام شاگرد اسی شان کے مالک ہیں لیکن مولانا مرحومؒ اس آیت کا صحیح مصداق تھے، جب کسی میں غلطی دیکھتے تو اُس کو بتاتے۔ مولانا میر سمیع الحق صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں:

''جب آپؒ دارالقرآن میں پڑھتے تھے تو اکثر طلبا آپ کے تکرار میں شامل ہوتے۔ لکھائی نہ تھی لیکن کبھی تائید و آیت کا نمبر نہیں چھوٹا۔ میں نے مولانا زکریا صاحب (جو باڑہ میں ہیں) کو بتایا کہ کہ اگر یہ دو ساتھی میرے ساتھ اپنے اس عمل کو کہ انہوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب طیالوی صاحب اور مشہور منطقی عالم علامہ عنایت اللہ صاحب اور مولانا عنایت الرحمٰن کو لا کر حضرت شیخ القرآنؒ کے سامنے درس میں لا بٹھایا۔ میری ساری زندگی کے عمل کے بدلے میں مجھے دے دیں تو میں تیار ہوں۔ بڑے راسخ قدم تھے۔ اس جیسی جگہ میں ان کو توحید و سنت کا مرکز ملنا یہ ان کی بہت بڑی منقبت ہے''۔

(مولانا عمران الدین ماہنامہ التوحید والسنۃ جون اگست ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا حافظ محمد امین صاحبؒ

آپ حضرت مولانا حسین علیؒ کے دورِ آخر کے تلامذۃ میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، دورۂ حدیث مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا، مولانا حسین علیؒ سے تفسیر پڑھی اور انہی کے ہاتھ پر مجددی طریق پر بیعت ہوئے۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے پرجوش ورکر تھے، بے لوث، متقی اور پرجوش مبلغ توحید تھے۔ کامیاب اور ماہرفن استاد تھے۔ فیصل آباد کی سنہری مسجد کے خطیب رہے، انتہائی سادگی، بے لوثی اور خلوص سے دین کی خدمت کی۔ (مولانا حسین علی شخصیت' کردار' تعلیمات' ص:۳۳۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا یار محمد لاثانی رح

آپ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے گاؤں میر املہہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا حسین علیؒ کے دورِ اوّل کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مولاناؒ ہی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اُن کے مجاز تھے۔ مسئلۂ توحید کے مخلص اور بے باک داعی تھے، اور اپنے علاقہ میں بڑا کام کیا۔ علمِ حدیث پاک اور قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ سرائیکی علاقہ کے اکثر علماء نے ان سے دورہ تفسیر پڑھا۔ ۱۹۶۵ء میں وفات پائی، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے بتایا کہ مولانا یار محمد لاثانی کامل الاستعداد استاذ اور بہت بڑے عالم دین تھے، صرف، نحو پر خاص دسترس حاصل تھی، بلکہ علم نحو کے امام تھے۔ (حوالہ بالا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام یٰسین واں بھچرویؒ

واں بھچراں ضلع میانوالی کے باسی تھے۔ ابتدائی تعلیم مولانا حسین علیؒ اور علاقہ کے دوسرے علماء سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد چار سال تک بھوپال کے ایک مدرسہ میں ملازمت کی۔ وطن واپس آ کر مدرسہ مظفریہ واں بھچراں میں درس وتدریس شروع کی۔ فقہ اور منطق وفلسفہ پر عبور تھا۔ سینکڑوں فقہی جزئیات ان کے نوکِ زبان پر تھیں، طالب علم منطق اور فلسفہ پڑھنے دور دور سے آتے تھے۔ بعض اختلافات کی وجہ سے مدرسہ مظفریہ سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے محلہ کی مسجد میں درس جاری رکھا، مگر بڑے مدارس کے منتظمین انہیں اپنے ہاں لے جاتے تھے، اس طرح گاؤں کا درس منقطع ہو جاتا، آخری دنوں میں مدرسہ سراج العلوم سرگودھا میں پڑھاتے رہے۔ ۱۸؍مارچ ۱۹۶۰ء کو وفات پائی۔

زندگی کے آخری ایام میں محض مسئلہ توحید کی خاطر سخت تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ نے جواں ہمتی سے مقابلہ کیا اور آخری دم تک توحید وسنت کی دعوت میں مصروف رہے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات، ص: ۳۴۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر مولانا عبدالغنی جاجرویؒ

آپ ۱۹۲۲ء میں خانپور رحیم یار خان کی نواحی بستی "حاجی بلوچاں" کے مولانا غلام محمدؒ کے ہاں پیدا ہوئے، بیس برس کے عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی اور مولانا خیر محمد بہاولپوری ثم المکی سے حدیث پڑھی۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شیخ العرب والعجم مولانا عبیداللہ سندھی کی طرز پر اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے حضرت مولانا حسین علیؒ کی طرز پر دورہ تفسیر پڑھا۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے علوم و معارف کی سب سے زیادہ اشاعت آپ کے ذریعے ہوئی۔ وہ اپنے علمی تبحر، تدبر و تدوین، زہد و تقویٰ اور مضامینِ قرآن پر رسوخ و استحضار کے باعث اپنے شیخ کے علمی جانشین اور ان کی فکر کے امین و وارث تھے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے شیخ سے وہی تعلق تھا جو امام ابو یوسفؒ کا امام ابوحنیفہؒ سے اور حافظ ابن قیم کا امام ابن تیمیہؒ سے تھا۔

آپ نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور ان کے حکم سے مولانا حماد اللہ ہالیجی (سکھر) سے رجوع کر کے سلوک و عرفان کے مراحل کی تکمیل کی اور ان سے مجاز ہوئے۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ القرآنؒ (راولپنڈی والے) کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی طرف سے بھی مجاز ہوئے۔

اپنے علاقے کے مختلف مدارس میں تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۳۲ء میں رحیم یار خان میں جامعہ حمادیہ بدرالعلوم کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا اور آخر وقت تک اسی سے وابستہ رہے۔

مولانا عمر بھر جمعیت اشاعت التوحید والسنہ سے وابستہ رہے۔ جمعیت کے صوبائی امیر بھی رہے، تدریس کا بے حد شوق تھا، تفسیر کے علاوہ دورۂ حدیث بھی پڑھاتے تھے۔ آپ نے چالیس برس تک تدریس کی اور دورۂ تفسیر پڑھایا۔ براہِ راست تلامذہ کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ نومبر ۱۹۹۰ء میں مولانا کا انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے مفتی محمد جاجروی آپ کے جانشین ہوئے۔

مولاناؒ کو تصنیف و تالیف سے بھی علاقہ تھا اور آپ نے گراں قدر تصانیف یادگار چھوڑیں، چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) مقدمہ کتاب التوحید (۲) کتاب التوحید فی التصرف (۳) کتاب التوحید فی العبادہ (۴) کتاب التوحید فی العلم (۵) المذہب المنصور فی عدم سماع من فی القبور (۶) شرح الصدر فی مسئلۃ القبر (۷) القول النقی فی فضیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۸) مبالغات القوم۔

مولاناؒ نے مختلف موضوعات پر مختصر رسائل بھی تحریر فرمائے جن کے نام درج ذیل ہیں :

(۱) تحقیق فدک (۲) میراث انبیاء علیہم السلام (۳) نکاحِ یوسف علیہ السلام وزلیخا (۴) نفی حیات خضر علیہ السلام (۵) سنۃ النبویہ فی ثبوت اللحیہ (۶) بشریت انبیاء۔

مولانا عبدالغنی صاحبؒ نے سورۂ حم مومن اور سورہ حم سجدہ کی تفسیر عربی زبان میں تحریر کی۔ قرآن پاک کی مکمل اردو تفسیر بھی غیر مطبوعہ حالت میں مولانا کی یادگار ہے۔

مولاناؒ کی وفات کے بعد مولانا مفتی محمد جاجروی مدظلہ کے اہتمام سے "خطبات جاجروی" کے نام سے مولانا کی تقاریر دو جلدوں میں شائع ہوئیں۔ جن کے مطالعہ سے مولانا کے اسلوبِ خطابت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (حیات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ص: ۲۶۶ تا ۲۶۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الادب حضرت مولانا قاضی غلام مصطفیٰ مرجانی رحؒ

شیخ الادب مولانا قاضی غلام مصطفیٰ مرجانیؒ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے مرید باصفا، مجازِ محبت اور جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے اکابرین میں سے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں مرجان تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک (اب ضلع چکوال) میں عظیم محدث اور ماہر علومِ ریاضیہ مولانا خان محمد صاحبؒ کے ہاں پیدا ہوئے، ان کا تعلق اعوان برادری سے تھا۔

مولانا قاضی غلام مصطفیٰؒ نے قرآنِ پاک ناظرہ، فارسی اور علم صرف کی کتابیں اپنے ایک بزرگ مولانا عبدالرحمٰن جانگلویؒ (جو حضرت مولانا حسین علیؒ کے مرید تھے) سے پڑھیں، کچھ کتابیں کرسال (ضلع اٹک) کے مولانا غلام نبی صاحبؒ سے پڑھیں، منطق و فلسفہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے مولانا احمد دین سے پڑھا۔ ۱۹۲۹ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور مولوی فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے اوّل پوزیشن میں پاس کیا۔ ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہی منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ اس عرصہ میں قصور پورہ لاہور کی مسجد میں خطیب بھی رہے۔ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ دارالعلوم سے واپس آ کر مجددی نقشبندی سلسلہ کے شیخ اکبر مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور اُن کی نگرانی میں سلوک کی منازل طے کیں۔

مولانا قاضی غلام مصطفیٰؒ نے تدریس کا آغاز اپنے گاؤں سے کیا، عربی ادب کی تدریس میں خاص مہارت رکھتے تھے اور حلقۂ علماء میں شیخ الادب کے لقب سے معروف

تھے ،جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے بانی ارکان میں سے تھے اور اس کے نائب امیر بھی رہے ، اپنے گاؤں کے علاوہ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ ، مدرسہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ ، جامعہ اسلامیہ وانڈھی (میانوالی) مدرسہ تعلیم الاسلام دینہ (ضلع جہلم) اور دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں بھی پڑھاتے رہے ۔ ۲۹ / جون ۱۹۷۷ء کو بعارضہ قلب وفات پائی ۔ مولانا غلام اللہ خان ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرجان میں دفن کیے گئے ۔ آپ کے صاحبزادگان میں مولانا قاضی عبدالرحیم مہتمم جامعہ احیاء العلوم مدنی مسجد تلہ گنگ اور مولانا عبدالرشید اپنے والد کی وصیت کے مطابق خدمتِ دین میں مصروف ہیں ۔ قاضی غلام مصطفیٰ نے دو کتابیں بھی یادگار چھوڑیں ، جن کے نام یہ ہیں :

(۱) الوصایا فی المزایا (وصیت نامہ)

(۲) اصلاح الاخوان

مولانا قاضی غلام مصطفیٰ ؒ عمر بھر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ سے وابستہ رہے ۔ آپ نے اپنے علاقہ میں توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید و مذمت میں خاصی محنت کی اور مخالفت کے باوجود صبر و استقلال سے اپنا کام جاری رکھا ، جس سے علاقہ کے ہزاروں افراد کی اصلاح ہوئی اور شرک و بدعت کا زور ٹوٹا ۔

آپ کے صاحبزادے مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب نے درسِ قرآن کے نام سے انتہائی سادہ ، عام فہم اور مؤثر انداز میں ایک کتاب مرتب کی ۔ ایسی مؤثر کتاب سے راقم الحروف کے مشاہدہ کے مطابق کئی نوجوانوں نے مشرکانہ عقائد سے توبہ کی ، اور ان میں سنا سے استفادہ کا ذوق پیدا ہوا ۔ (مولانا حسین علی شخصیت ' کردار تعلیمات : ص : ۳۲۹ ، ۳۳۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید نذر شاہ صاحبؒ

۱۹۰۱ء (۱۳۱۸ھ) میں جوکالیاں ضلع گجرات (اب منڈی بہاؤالدین) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید نورالدین شاہؒ انگریزی عہدِ حکومت میں تحصیل کے قاضی تھے۔ ان کے خاندان میں علم وفضل کی روایت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا نذر شاہؒ نے انہی کے مدرسہ میں مولانا غلام رسولؒ انہی والے اور مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے حدیث، ترجمہ وقرآنِ پاک پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور دورۂ حدیث مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھا۔ فراغت کے بعد مولانا حسین علی صاحبؒ سے بیعت کی اور کئی سال اُن کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں اور یہاں دورانِ قیام حضرت پیر ومرشد کے امالی قلمبند کیے، اور بلغۃ الحیران کی ترتیب وتدوین میں اُن کی معاونت کی۔

مولاناؒ اعلیٰ پایہ کے طبیب بھی تھے اور یہی ان کا ذریعۂ معاش بھی تھا۔ کچھ عرصہ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں حدیث کی کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے رُکنِ رکین تھے اور تمام عمر جماعت سے وابستہ رہے، مناظرانہ ذوق رکھتے تھے، اور اہلِ بدعت سے مناظروں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کے حامل تھے، راہِ خدا میں ذوق وشوق سے خرچ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی آمدنی کو تین برابر حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ مسجد میں ایک حصہ غرباء ومساکین کے لئے خرچ کرتے تھے، جبکہ تیسرے حصے سے گھر کے اخراجات

چلاتے تھے۔ انہوں نے جوکالیاں میں ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کروائی۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۲ء (بمطابق ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ) کو جوکالیاں میں وفات پائی، مولانا ولی اللہ صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جوکالیاں ہی میں دفن کیے گئے، چار بیٹے اور دو بیٹیاں مولانا مرحوم کی یادگار ہیں۔ (مولانا حسین علی شخصیت' کردار تعلیمات: ص: ۳۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی نور احمد عطارویؒ

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے مرید اور شاگرد تھے۔ عطار انوالہ تحصیل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد کے رہائشی تھے۔ دینی تعلیم انہی والے بابا غلام رسولؒ کے مدرسہ میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ فیصل آباد (تب لائلپور) کے ایک مدرسہ کے صدر مدرس بھی رہے۔ فقہ پر عبور تھا، طب سے خصوصی لگاؤ تھا۔ زندگی کے آخری بیس سال اپنے گاؤں میں طبابت کرتے رہے اور جامع مسجد میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ سادہ طبیعت، شریف، ملنسار اور با اخلاق شخصیت تھے۔ خود کھیتی باڑی کرتے اور مسئلہ توحید کی تبلیغ کرتے تھے۔ مسئلہ توحید کے پر جوش مبلغ تھے، علاقائی زبان میں وعظ کرتے تھے، جس سے دیہاتی عوام کو مسئلہ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ بے ریا، بے لوث اور مخلص کارکن تھے، اپنے علاقہ میں بڑا کام کیا، ۱۹۸۴ء میں وفات پائی۔ (حوالہ بالا ص ۳۴۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے دورِ آخر کے مریدین وتلامذہ میں سے تھے ، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے ، دورۂ حدیث مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ سے پڑھا اور ۱۹۴۳ء میں واں بھچراں حاضر ہوکر ترجمہ قرآن پاک پڑھا اور سلوک وتصوف کی منازل طے کیں ، بڑے کامیاب اور ماہر مدرس تھے ۔ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے، طبیعت پہ تصوف کا غلبہ ہونے کے باوجود مسئلہ توحید میں بڑے سخت تھے اور بڑے پُر جوش انداز میں دعوت دیتے تھے ۔ جس کی وجہ سے انہیں کئی بار ہجرت کرنا پڑی ۔ زندگی کے آخری بیس پچیس سال فیصل آباد میں گزارے اور لیبر کالونی کی مسجد فاروقیہ میں درس وخطابت کے فرائض سرانجام دیئے، یہیں آپ نے اپنے شیخ ومرشد کے نام پر مدرسہ حسینیہ امداد القرآن کی بنیاد رکھی ۔ (حوالہ بالا ص ۳۴۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالحنان بیلیانی ؒ

آپ حضرت مولانا سعید الرحمٰن الخطیب اوگی کے والد ماجد ہیں۔ حضرت شیخ القرآن ؒ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ آپ قوم کے اعتبار سے "سواتی گیلالی پٹھان" کہلاتے آپ کے جدامجد مولانا عبداللہ کا وطنِ اصلی "الائی" تھا، پھر الائی میں "اپر بائیں ٹنڈول" سے آپ کا خاندانی تعلق رہا۔ پھر پدری علاقہ الائی سے ہجرت کر کے وادی اگرور تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ کے مشہور گاؤں "بیلیاں" کو اپنا مستقر بنایا۔ آپ ؒ کے والد ماجد کا نام مولانا عبدالسنان ؒ تھا۔

مولانا مرحوم نے جس معاشرہ میں آنکھ کھولی۔ اس وقت علاقہ نکری موضع بلند کوٹ اور علاقہ غیر کے موضع "جوربا" میں علمی حلقے قائم تھے۔ اس کے علاوہ علاقہ تندھیاڑ کے بن سیر میں علم ہیئت کی کتابیں بڑی خصوصیت سے پڑھائی جاتیں۔ مولانا نے اپنی علمی اسفار کے اوّلین نقوش ان مشہور علمی حلقوں میں ثبت کئے۔ غالباً بلند کوٹ میں آپ نے کافیہ، قطبی اور علاقہ غیر میں میر زاہد، ملا جلال جیسی کتابیں پڑھیں۔ کچھ وقت کے لئے آپ اگرور کے موضع "چلندری" میں بھی رہے۔ وادی اگرور اور اس کے قرب و جوار میں نامور علماء سے استفادہ کرنے کے بعد آپ نے "بفہ" کے علاقہ کی راہ لی اور یہاں پر حضرت مولانا قاضی غلام نبی ہزاروی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فنون کی کتابوں کی تکمیل کے بعد آپ نے فراغت سے قبل ہی تدریس کے مشغلہ کو اپنایا۔ والد ماجد مولانا عبدالسنان صاحب ؒ کے حکم پر آپ ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۶ء

ہندوستان روانہ ہوئے۔ آپ نے دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند کا انتخاب کیا، تا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسی شخصیت سے استفادہ کا موقع میسر ہو لیکن دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ملنے کے باوجود آپ نے سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس لئے کہ اس وقت جانشینِ شیخ الہند علامہ کشمیریؒ منتظمینِ دارالعلوم سے بعض اُمور میں اختلاف کی بنا پر دارالعلوم کو چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے۔ مستعد اور زیرک طلباء اپنی ذہنی قوت کھو بیٹھے تھے۔ استاد کی عظمت اور ادارہ سے دلی وابستگی کے ہوتے ہوئے کسی ایک طرف فیصلہ کرنے سے ہچکچاتے لیکن ایسے نازک مرحلہ میں اللہ نے آپ کی ایسی طرف راہنمائی کی، جس میں ادارہ اور شیخ دونوں کی عظمتیں متأثر نہ ہوئیں اور دیوبند کی جگہ سہارنپور جانے کا ارادہ کیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن بہودی اور مولانا عبداللطیف وغیرہ علماء سے دورۂ حدیث مکمل کیا۔

دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ مزید کچھ مدت کے لئے ہندوستان ٹھہرے تا کہ فنون کی اعلیٰ کتابوں میں ہندوستانی طرزِ تدریس سے واقف ہو، اگر چہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے ایک قابل مدرس تھے۔ طلباء آپ کے اردگرد گھومتے اور استفادہ کا موقع تلاش کرتے۔ چنانچہ دورۂ حدیث کے لئے جانے سے قبل ''شمدھڑہ'' میں آپ کا بڑا اچھا علمی حلقہ قائم تھا۔ درمیان میں دو تین سال تعطل کے بعد آپ کا یہ تدریسی حلقہ حسبِ سابق بڑے زور وشور سے شروع ہوا۔ طلباء کی کثرت، علاقائی مسائل اور اپنے گاؤں کے عوام و خواص کے زبردست خواہش اور اپنے والد بزرگوار کے حکم پر آپ ''شمدھڑہ'' کو خیرباد کہہ کر ''بلیاں'' تشریف لائے۔ آپ کی علمی پختگی اور ہندوستانی اندازِ تدریس کی وجہ سے مختصر وقت میں دور دراز تک آپ کی شہرت ہوئی۔ بڑے بڑے مدارس آپ کی خدمات کی منتظر ہوتے۔ ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے علمی شہر لاہور تشریف لے گئے اور دوسرے سال ۱۹۵۹ء

میں آپ کی تقرری علاقہ چھچھ کے موضع تاجک کے مدرسہ قاسم العلوم میں ہوئی۔ مدرسہ میں باقاعدہ تقرری کے بعد آپ اہل وعیال بھی ساتھ لے گئے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن کی بچپن کی یادداشتیں تاجک کے درودیوار سے وابستہ رہیں۔ آپ پانچ سال تک یہاں رہے۔ اس دوران آپ کو دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھانے کا بھی موقع ملا۔

جامعہ سعیدیہ کی بنیاد :

۱۹۶۳ء میں آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا سعید الرحمٰن عرف خطیب صاحب مدظلہ جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ کے دل میں ایک دینی ادارہ کے قیام کا جذبہ موجزن تھا۔ چنانچہ آپ نے دارالعلوم سعیدیہ اوگی کے نام سے ۱۹۶۵ء حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے ہاتھ جب بنیاد رکھی، تو صدر مدرس کی ذمہ داری کے علاوہ ادارہ کا اہتمام بھی آپ کے حوالہ کیا گیا۔ چنانچہ تامرگ اس ادارہ کے صدر مدرس اور مہتمم رہے۔

آپ کا خاندان وادیٔ اگرور کے علاقہ میں علمی اعتبار سے سرفہرست ہے۔ اس خاندان کے علماء جو کسی ادارہ کے فارغ ہوں، کے نام درج ذیل ہیں :

☆ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بن مولانا عبدالحنان ☆ مولانا سعید الرحمٰن بن مولانا عبدالحنان ☆ مولانا حفیظ الرحمٰن بن مولانا عبدالحنان ☆ مولانا مفتی غلام الرحمٰن بن مولانا شمس الرحمٰن ☆ مولانا شریف الرحمٰن بن مولانا عبد الحنان ☆ مولانا محبوب الرحمٰن ☆ مولانا شمس الحق بن الحاج حبیب الرحمٰن ☆ مولانا عباد الرحمٰن بن مولانا عزیز الرحمٰن ☆ مولانا عزیز اللہ بن مولانا مطیع اللہ ☆ مولانا شمشاد علی بن عمر علی ☆ مولانا کفایت اللہ بن مولانا عبدالحنان ☆ مولانا حمید الرحمٰن بن مولانا عبدالحنان ☆ مولانا شمس الوریٰ بن الحاج حبیب الرحمٰن ☆ مولانا فیض الرحمٰن بن مولانا سعید الرحمٰن ☆ مولانا عنایت الرحمٰن

بن مفتی غلام الرحمٰن ☆ مولانا احسان الرحمٰن بن مفتی غلام الرحمٰن ☆ مولانا امین الرحمٰن بن مفتی حفیظ الرحمٰن ☆ مولانا مجیب الرحمٰن بن حفیظ الرحمٰن ☆ مولانا منیب الرحمٰن بن حفیظ الرحمٰن ☆ مولانا فیض الحق بن مولانا شمس الحق ☆ مولانا سمیع الحق بن مولانا شمس الوریٰ ☆ مولانا ساجد الرحمٰن بن مولانا شمشاد علی ☆ مولانا سمیع الرحمٰن بن مولانا سعید الرحمٰن ☆ مولانا انعام الرحمٰن بن مولانا سعید الرحمٰن ☆ مولانا رضوان اللہ بن مولانا محبوب الرحمٰن ☆ مولانا حامد الرحمٰن بن مولانا شمشاد علی ☆ مولانا اعزاز الرحمٰن بن مفتی غلام الرحمٰن ☆ مولانا عزیز الانوار بن حاجی عمر خان ☆ مولانا احمد سعید بن مولانا سید اکبر ☆ مولانا محمد سید بن مولانا سید شریف ☆ مولانا اکرام اللہ بن مولانا سعید الرحمٰن ☆ مولانا عرفان اللہ بن مولانا سعید اللہ ☆ مولانا فیض اللہ بن مولانا سعید اللہ ☆ مولانا ساجد اللہ بن مولانا عزیز اللہ ☆ مولانا ظاہر اللہ بن مولانا عبداللطیف ☆ مولانا مطیع الرحمٰن بن مولانا عبداللطیف ☆ مولانا نعیم الرحمٰن بن مولانا شمس الرحمٰن ☆ مولانا محبت شاہ بن حاجی افضل ☆ مولانا عطاء الرحمٰن بن مولانا شمس الرحمٰن ☆ مولانا زر ملک شاہ بن رحمت شاہ ☆ مولانا مختار اللہ بن مولانا عبدالقیوم ☆ مولانا شمس الحق بن مولانا عبدالرحمٰن ☆ مولانا عطاء الرحمٰن بن سکندر خان۔

حفاظ اور قراء کی تعداد تقریباً ۸۰ ہے۔ جبکہ لڑکیوں میں حافظات اور فاضلات کی تعداد ۱۶ تک بنتی ہے۔

نمایاں صفات :

مولانا عبدالحنانؒ کی زندگی کا مطالعہ کبھی بھی کسی نے اس نظریہ سے نہیں کیا کہ آپ کی زندگی کے واقعات' آپ کے ورثاء اور تلامذہ کے لئے سبق آموز بن سکے۔ اس لئے کسی واقعہ کے بارے میں تاریخ اور وقت کا تعین ہمارے لئے مشکل رہے گا، پھر بھی نشست و

برخاست میں سادگی، عارفانہ اندازِ بیان، عالمانہ گفتگو، وضع و رفع میں تکلف و تصنع سے اجتناب، خوفِ خداوندی، دیانت و امانت اور حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی آپ کی شخصیت اور کردار کے بنیادی عناصر تھے۔ مولاناؒ اپنے اساتذہ سے بے انتہاء محبت کرتے تھے، پابندئ وقت اور احساسِ ذمہ داری کے علاوہ تحمل و بردباری، خوش طبعی، مروت وصلہ رحمی، غیبت سے اجتناب اور دیانت وخوفِ خداوندی جیسی عظیم صفات سے بھی متصف تھے۔

حسرتِ وفات :

آپ کو بسا اوقات بیماری کی شکایت ہوتی تو مقامی ڈاکٹروں سے علاج کرایا جاتا مگر ۱۴۰۲ھ کی عیدالاضحیٰ کے موقع پر بیماری میں شدت پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ ہسپتال میں رہے مگر ۸/نومبر ۱۹۸۲ء بمطابق ۱۰/محرم الحرام ۱۴۰۳ھ کو مغرب کے وقت علم وعرفان کا یہ درخشندہ ستارہ غروب ہوگیا۔ فرحم اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

(ملخص از حیاتِ بیلیانیؒ)

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا حاجی عبدالوہاب صاحبؒ

حضرت مولانا حاجی عبدالوہاب صاحبؒ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ لوئر پکھل کے امیر تھے۔آپ نہایت مخلص شخصیت،حق پرست علماء میں سے تھے۔مخدوم ومکرم حضرت مولانا سعیدالرحمٰن صاحب الخطیب مدظلہٗ یوں رقمطراز ہیں :

''آپ ہماری جماعت اشاعت التوحید والسنۃ لوئر پکھل کے امیر تھے۔
کئی بار میرے ساتھ شیخ المشائخ ،اُستاذ العلماء،شیخ القرآن والحدیث،
محسودالزماں،ایت من ایات الرحمٰن علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً
کے درس اور دورۂ تفسیر قرآن میں شامل ہوئے اور خوب دل جمعی سے
قرآن سنا۔اسی محبت کے تقاضے ہی سے توحید وسنت کی خدمت کی اور
علاقہ پکھل شیر پوری پر کافی اثر ہوا''۔(انوارِ خطابت ص:۱۷)

پروفیسر حضرت مولانا ہارون الرشید،آپ کے خلف الرشید ہیں۔آپ ایک بے مثال خطیب ہیں اور ایبٹ آباد پبلک سکول وکالج مانسہرہ روڈ ایبٹ آباد کے پرنسپل ہیں۔
آپ کا بھائی مولانا سعید احمد بھوروالے بھی جماعت سے محبت کرتے تھے اور بقول خطیب صاحب کے کہ :

''آپ کے بھائی حضرت مولانا سعید احمد بھوروالے بھی (دورۂ تفسیر کے لئے حضرت شیخ القرآنؒ کے ہاں پنج پیر) جایا کرتے تھے''۔

(انوارِ خطابت از مولانا پروفیسر ہارون الرشید)

حضرت مولانا امداداللہ صاحبؒ

تورڈھیر ضلع صوابی دو دریاؤں کے سنگم سے کچھ دور دریائے سندھ کے دائیں اور دریائے کابل کے بائیں کنارے پر آباد ایک بڑا اور تاریخی قصبہ ہے۔ اس گاؤں میں کئی نابغۂ روزگار ہستیاں گزریں مگران بڑے لوگوں کے درمیان ایک ایسے درویش صفت انسان کا گزر ہوا جو کہ صحیح طور پر مردِ قلندر تھا۔ اس ہستی کا نام مولانا امداداللہ مرحوم (ناظم جماعۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ صوبہ سرحد) ہے۔ مولانا مرحوم کی زندگی کا تذکرہ دو حوالوں سے کروں گا ایک ان کی ذاتی زندگی اور حالات' دوسرے اُن کی علمی زندگی اور جماعت کے لئے خدمات۔ یہ دونوں باب ایسے ہیں جن کو تحریر میں لانے کے لئے ایک پورا دفتر درکار ہے' مگر ان میں چیدہ چیدہ حالات اور واقعات کو بیان کروں جو میرے علم میں ہیں :

مولانا مرحوم کی ذاتی زندگی :

گاؤں تورڈھیری کے رہنے والے ایک مردِ جری اور بے باک عالم دین مولانا مفتاح الدین گزرے ہیں۔ وہ نہ صرف اچھے عالم تھے بلکہ انتہائی کھرے اور سچے مسلمان تھے۔ دینی اور دنیاوی معاملات میں دوٹوک رائے دیتے تھے اور کسی مصلحت کے قائل نہ تھے۔ ان کی گھر والی بھی انتہائی نیک سیرت اور عبادت گزار خاتون تھیں، اُٹھتے بیٹھتے تلاوتِ قرآنِ پاک جن کا معمول تھا، ان کے ہاں مورخہ ۱۵ر مارچ ۱۹۴۰ء کو مولانا امداداللہ کی ولادت ہوئی۔ مذہبی ماحول تو گھر پر ہی میسر تھا۔ لہٰذا کم سنی میں قرآن ناظرہ اور فقہ کی کتابیں گھر ہی سیکھ لیں اور تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ کی راہ لی۔

۱۹۵۷ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا اور اس کے فوری بعد قرآن کریم کی صحیح تعلیم کے لئے پنج پیر چلے گئے اور حضرت شیخ القرآن" مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۶۰ء میں ایس۔وی مدرس کی تربیت کے لئے منتخب ہوئے تو حضرت شیخ القرآن نے بخوشی اجازت دے دی کہ حلال رزق کا حصول بھی سنت ہے، مگر پنج پیر میں وہ تھوڑا قیام مرحوم مولانا کی زندگی پر اثر کر گیا کہ مرتے دم تک کے لئے توحید وسنت کے ہوکر رہ گئے۔ ۱۹۶۱ء میں ایس۔وی مدرس کے طور پر محکمہ تعلیم میں تعینات ہوئے اور اپنی قابلیت کی بنا پر جلد ہی ہائی کلاسز کو اردو اور ریاضی بھی پڑھانے لگے۔ ریاضی اور دوسرے مضامین میں بھی یکتا تھے مگر اردو تدریس میں تو اپنی عظمت کے ایسے جھنڈے گاڑ دیے کہ اُن کی کاوشیں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ بنیں اوران تدریس میں نہ صرف شادی کی سنت ادا کی بلکہ اپنے والدین کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ اپنے پورے خاندان، پڑوسیوں اور عزیز واقارب کی ہر مصیبت کی گھڑی میں ہر قسم کی مدد کے لئے کمربستہ رہتے اور ہمیشہ دوسروں کا مفاد عزیز رکھتے۔

مولانا مرحوم چونکہ اشاعت کے ساتھ بحیثیت ناظمِ اعلیٰ منسلک تھے۔ اس لئے اپنے علاقہ کے وہ علماء جن کا تعلق دوسرے مکتبِ فکر کے ساتھ تھا وہ بھی اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے مولانا مرحوم کے لئے قدر ومنزلت اپنے دل میں رکھتے تھے۔ رواداری اور وضع داری میں اپنی مثال آپ تھے۔ رحلت سے چند دن پہلے دل کا دورہ پڑا۔ میں خود اُسی دن عیادت کے لئے گیا تھا۔ اپنے اہل وعیال کے درمیان بیٹھے ہوئے خالصتاً اسلامی وصیتیں فرما رہے تھے اور وہی حدیث بار بار دہرا رہے تھے جو کہ اکثر وہ کسی کی تدفین کے موقع پر فرماتے، یہی کہ موت مؤمن کے لئے تحفہ ہے، اگر میں صاحبِ ایمان ہوا تو دنیا جہاں کی نعمتیں اور لمبی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لہٰذا میری مغفرت کے لئے دعا کیا کریں۔ آخری وقت تک نماز

باقاعدگی سے ادا کرتے رہے اور جو بھی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوتا' اس کے ساتھ دینی موضوعات پر گفتگو کرتے۔ حتیٰ کہ وصل کی گھڑی آ گئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ نیک بندہ ایک عالم کو رنجیدہ چھوڑ کر اس جہانِ فانی سے مورخہ ۲۲ رفروری ۲۰۰۱ء کو عشاء کے وقت رحلت کر گیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

دینی اور مذہبی خدمات :

مولانا امداداللہ مرحوم اگرچہ ۱۹۶۱ء میں حضرت شیخ القرآنؒ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے تھے' مگر ۱۹۶۶ء میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گاؤں تورڈھیر کے لئے ایک ایسے مدرس کی درخواست کی جو کہ عوام میں نہ صرف قرآنی شعور پیدا کریں بلکہ لوگوں کو سنت کی پیروی کے لئے بھی آمادہ کریں۔ حضرت شیخؒ نے مولانا مرحوم کی درخواست منظور کرتے ہوئے جناب شیخ القرآن مولانا محمد رفیق صاحب کو موضع تورڈھیر میں درسِ قرآن کے لئے تعینات کیا۔ ایسے حالات میں درسِ قرآن کی ابتداء ہوئی کہ گاؤں کے تقریباً ۹۰ فیصد لوگ مخالف تھے کہ بعض لوگوں کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔ ہر طرف مخالفت کا طوفان تھا حتیٰ کہ اپنے عزیز و اقارب بھی خلاف ہو گئے۔ ایسے حالات میں جبکہ بڑے معتبر لوگوں کے حوصلے جواب دے دیتے ہیں، مولانا مرحوم نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ قلیل مدت کے بعد مسجد کلاں لان میں باقاعدہ مدرسہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کی بنیاد رکھی گئی۔ قرآن کریم کے علاوہ یہاں درسِ نظامی بھی شروع ہوا اور حضرت مولانا محمد رفیق صاحب کے علاوہ اور بھی مدرس آئے اور چند ماہ بعد طلبہ کی ایک بڑی تعداد مدرسہ میں حصولِ علم کے لئے داخل ہوئی۔ وہ وقت بڑا کٹھن تھا۔ اہل زمانہ مخالفت پر کمربستہ تھے، مگر مولانا مرحوم مدرسہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی جدوجہد میں لگے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا مرحوم مدرسہ کے منتظم کے طور پر ہمہ وقت مدرسین کی خدمت اور طلباء کی امداد کے لئے

ہر شناسا کے دَر پر حاضر ہوتے اور اُن سے استدعا کرتے کہ اپنے جان و مال کا کچھ حصہ قرآن کے لئے بھی وقف کریں۔

اس دوران جناب مرحوم حاجی فرخ اللہ صاحب مدرسہ کے لئے ایک رحمت کا فرشتہ بن کر جلوہ افروز ہوئے تو دونوں کی ایک زبردست جوڑی بن گئی۔ ایک طرف حاجی صاحب مرحوم نے مدرسہ کی تعمیر کے لئے اپنے وسائل کو بے دریغ استعمال کیا تو دوسری طرف مولانا امداد اللہ مرحوم اپنی جان اور صحت کی پروا کئے بغیر دن رات مدرسہ کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ دن کو مدرسہ میں ہوتے تو رات کو اُن لوگوں کے ساتھ خط و کتابت کرتے جو کہ کسی نہ کسی شکل میں مدرسہ کے ساتھ امداد کر رہے تھے۔ چند سال کے بعد حاجی صاحب فرخ اللہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تو گویا کہ مدرسہ کا سارا بوجھ مولانا مرحوم کے کندھوں پر آن پڑا، مگر وہ ہمت ہارنے والے کب تھے۔ خود ہاتھ میں کشکول اُٹھا کر پورے پاکستان میں پھرتے اور کافی کچھ لا کر مدرسے کے اخراجات کے لئے رکھتے۔ میرا خیال ہے کہ شائد سارے ملک میں کوئی ایسا گوشہ نہ ہوگا جہاں مدرسہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا نام مولانا مرحوم نے نہ پہنچایا ہو۔ مولانا مرحوم نے جس مدرسہ کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا، وہ رفتہ رفتہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ ملک کے طول و عرض سے طلبہ حصولِ علم کے لئے رجوع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دارالعلوم کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ یہ خواب تو بہت سہانا تھا مگر وسائل کم تھے۔ بہر حال مولانا مرحوم کب ہمت ہارنے والے تھے، انہوں نے خیبر اور سوات سے کراچی تک سارے فقہاء کو آواز دی، امریکہ اور لندن میں رہائش پذیر موحدین کو تعاون کے لئے پکارا، سب نے لبیک کہا اور اپنی اپنی بساط کے مطابق دل کھول کر عطیات بھیجے۔ اس بنا پر تورڈھیر گاؤں کے ساتھ ملحقہ جہانگیرہ و صوابی روڈ پر ایک قیمتی زمین خرید لی گئی اور پھر کئی جید علماء نے دارالعلوم کا سنگِ بنیاد رکھا۔

میں نے چونکہ تعمیراتی کام میں سند حاصل کی ہوئی ہے۔ لہٰذا نہ صرف مدرسہ کا نقشہ بنانا میرے ذمہ تھا بلکہ پھر اُس کے مطابق کام لینا بھی میرے فرائض میں شامل تھا۔ چنانچہ مولانا صاحب رحمہ اللہ بنفسِ نفیس میرے پیچھے آتے اور مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔ سال دو سال کی تگ ودو کے بعد مدرسہ کی تعمیر مکمل ہوئی اور اس طرح حضرت مولانا کا ایک دیرینہ خواب پورا ہو گیا۔ یہ دار العلوم اب اپنے پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔ مدرسہ کی تعمیر کے بعد حضرت مولانا نے خود دیکھا کہ کافی طلبہ داخل ہو رہے تھے۔ لہٰذا اساتذہ کرام کی تعداد بھی بلحاظِ ضرورت بڑھا دی اور آخر وقت تک حضرت مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔

مولانا مرحوم کی علمی زندگی علم کی خدمت سے عبارت تھی۔ مخالفت اتنی شدید تھی کہ کوئی لوہا بھی برداشت نہ کر کے پگھل جاتا مگر حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اعصاب ایسے عطا کئے تھے کہ کبھی پریشان نہ ہوتے اور جب بھی کوئی تکلیف دیتا تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگتے۔

ایک دفعہ جب مخالفتوں کا طوفان حد سے زیادہ تھا اور مجھے کسی نے بتایا کہ مخالفتوں نے حضرت کو بہت زیادہ تنگ کیا ہوا ہے تو میں اظہارِ ہمدردی کے لئے حاضر ہوا۔ جب میں نے گلہ کے انداز میں کہا کہ آخر یہ لوگ آپ سے کیا چاہتے ہیں تو انہوں نے جواباً حضرت علامہ کا یہ شعر سنایا .... ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرر بولہبی

یہ اُن کی قوتِ برداشت کی ایک معمولی مثال ہے۔ وہ صبر کا ایک پہاڑ تھے کہ کسی وقت بھی صبر اور اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

جیسا کہ ناچیز اُن کی علمی زندگی کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہے، اُن کا حاصل یہی ہے کہ علم ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا اور مذہبی رُجحانات لیے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

۲۲/ فروری ۲۰۰۱ء کو اپنی تمام نمازوں کی ادائیگی کی اور ذکر اذکار میں مشغول ہو گئے تا آنکہ دل کے درد نے ایک وار کیا۔ وہاں بھی نہ صرف زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا بلکہ جملہ احباب کے لئے وصیتیں فرمائیں۔ ہسپتال کا عملہ بھی ہچکیاں لے رہا تھا اور ڈاکٹر بر ملا کہہ رہے تھے کہ ایسا انسان پہلی بار دیکھا ہے جو برخورداران اور برادران اس موقع پر موجود تھے۔ جتنے بھی ہسپتال کے ملازمین تھے وہ سارے حضرت مولانا کے ساتھ یک زبان ہو کر کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے کہ حضرت نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔۔۔۔۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مولانا صاحب کے جاہ وجلال کا اندازہ نمازِ جنازہ میں ہوا۔ نہ صرف یہ کہ عوام کا ایک ازدہام تھا بلکہ ہزاروں کے اس عظیم اجتماع میں سینکڑوں جید علماءِ کرام شامل تھے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سب اپنے محبوب ساتھی کو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ الوداع کہہ رہے تھے۔ ایک رقت آمیز منظر تھا مگر ایک بات کہ حضرت مرحوم کی عظمت اس دن آشکار ہوئی اس سے پہلے اس دھرتی پر اتنا بڑا جنازہ کسی نے نہیں دیکھا تھا ۔۔۔۔۔۔

زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت
زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی

(ماہنامہ التوحید والسنۃ اگست ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید محمد شاہ جہلمیؒ

جامع المعقول والمنقول مولانا سید محمد شاہ جہلمیؒ بھی حضرت مولانا حسین علی الوانی پنجابیؒ کے مرید اور قرآن کی تفسیر میں شاگرد ہیں۔ حدیث میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ کے تلمیذ ہیں اور سلوک میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ آپ کا آبائی وطن چکوال، جہلم اور والد محترم کا نام محمد افضلؒ تھا۔ آپ نے عمر کا زیادہ حصہ چنیوٹ ضلع جھنگ میں گذارا۔

حضرت جہلمیؒ نے قرآن مجید مع تجوید مولانا عبدالرحمٰن لکھنویؒ سے سیکھا۔ فارسی مولانا سلطان محمود بندیالویؒ سے، اور صرف ونحو اور ریاضی مولانا گل حسنؒ، مولانا غلام محمود پیلانویؒ اور مولانا محمد امیر دامانی " (خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ سراج الدینؒ) سے پڑھیں۔ میراث مولانا عبداللہ ملتانی اور منطق وفلسفہ حضرت مولانا غلام رسول انہی باباؒ خلیفہ اور شاگرد حضرت الوانیؒ اور مولانا برکات احمد ٹونکی سے پڑھا۔

حضرت نیلویؒ فرماتے تھے کہ چچا جی حضرت مولانا محمد شاہ جہلمیؒ نے ہر مکتب فکر والوں سے پڑھا تھا۔ بریلوی سے پڑھا تھا' آپ کے استاد سلطان محمود بریلوی تھا۔ ایران گئے تھے وہاں شیعوں سے بھی پڑھا تھا۔ مرزائیوں سے پڑھا تھا، چکوال کے نور الحسن (قانونچہ کیوالی والے) سے پڑھا تھا اور وہ مرزائی تھا۔ مولانا جہلمیؒ فرماتے تھے کہ استاد نور الحسن اکثر مجھے کہتا تھا کہ میں تمہیں اپنے اعلیٰ حضرت (غلام احمد قادیانی) سے ملاؤں گا۔ میں جواب میں کہتا تھا کہ میں حضرت سے ملنے نہیں آیا ہوں، بس سبق ختم کراؤ۔

مولانا عبدالجبار غزنوی (غیر مقلد) سے بھی امرتسر میں پڑھا تھا۔ مولانا جہلمیؒ فرماتے تھے کہ وہاں پر مسجد میں چونکہ غیر مقلدین تھے تو جن سے فجر کی سنتیں رہ جاتی تھیں، وہ فرض جماعت کے بعد پڑھتے تھے۔ میں اُن کو منع کرتا تھا کہ فرض نماز کے بعد سنت مت پڑھو۔ لوگوں نے ہنگامہ مچایا اور مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے پاس آئے کہ یہ تمہارا شاگرد ہمیں سنت پڑھنے سے منع کرتے ہیں کہ سنت فرض نماز کے بعد نہیں ہوتی۔ ہم اس سے مناظرہ کریں گے۔ اس وقت غزنوی صاحب بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ جب لوگ چلے تو مولانا عبدالجبار غزنوی صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ یہ لوگ ابھی مولوی لا کر تم سے مناظرہ کریں گے لیکن ڈرومت یہ تمام علم سے خالی ہے۔ یہ صرف ایک حدیث پیش کریں گے کہ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ۔ تو تم اس کا جواب کہیں سے ڈھونڈ لو اور ڈرومت۔ پھر لوگ جمع ہوئے، جس میں غیر مقلدین اور مقلد دونوں تھے اور مولوی بھی آئے۔ مناظرہ شروع ہوا۔

یہ اُس زمانے کی بات ہے جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری ابھی جوان تھے اور یہ مولوی ان کے استاد تھے۔ مولوی نے مناظرے کے دوران یہ حدیث پیش کی۔ میں نے جواب میں کہا کہ چلو پہلے تو یہ بتاؤ کہ اذا اقیمت الصلوٰۃ میں یہ اذا کس قضیہ کا سور ہے۔ مولوی چپ ہوگیا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں اور مولوی بھی اُٹھ کر واپس چلا گیا۔

بہرحال حضرت مولانا محمد شاہ جہلمیؒ نے ہر مکتبِ فکر والوں سے کتابیں پڑھیں۔ انؒ کے ہاں رہے (لیکن تفسیر و حدیث علماءِ دیوبند مولانا حسین علیؒ ور سیف الرحمٰن قندھاریؒ سے پڑھی) یہی وجہ ہے کہ آپ ان تمام فرقوں کے عقائد اور مسائل سے واقف اور رد کرنے والے تھے اور اس کا اندازہ آپ کے بھتیجے حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلویؒ کی تفسیر فیض الجلیل فی تسہیل التنزیل کے دفع اوہام اور رد مذاہب باطلہ سے بخوبی ہوتا ہے کیونکہ

اُنہوں نے اپنے چچا سے یہ فیض حاصل کیا تھا۔

مولانا محمد شاہ جہلمیؒ کو قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر پڑھنے کے لئے استاد مولانا غلام رسول انہی بابا ؒ نے واں بھچراں بھیجا وہاں آپ نے بانی اشاعت رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی پنجابیؒ سے اُن کے مخصوص طرز پر واں بھچراں میانوالی میں قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر پڑھا۔

حضرت نیلویؒ فرماتے ہیں کہ اسی دوران حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ کا مسئلہ علمِ غیب پر پنجاب کے مشہور گدی گولڑا کے پیر مہر علی شاہ کے ساتھ مناظرہ ہوا جس میں مولانا محمد شاہ جہلمیؒ بھی شامل تھے۔ مناظرے کے دوران حضرت الوانیؒ نے سورۂ نمل آیت نمبر ۶۵ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۔ پڑھی اور فرمایا کہ "یہ نص ہے غیر اللہ کی نفی علمِ غیب پر، اب تم اثبات علمِ غیب غیر اللہ پر کوئی اس طرح کی آیت پیش کرو جس میں غیر اللہ کے لئے علمِ غیب ثابت ہو"۔

پیر مہر علی شاہ کو گڈری کے پاس اس طرح کی نص کہاں تھی۔ اُس نے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ علم کی کونسی قسم ہے۔ حضرت الوانیؒ نے فرمایا کہ یہ عوام بیٹھے ہیں منطق کیا جانتے ہیں، میں نے آیت پڑھی تم بھی اپنے مدعٰی پر آیت پڑھ کر لوگوں کو سمجھاؤ۔ محمد شاہؒ فرماتے تھے کہ میں دل میں اندر ہی اندر کُود رہا تھا کہ کیسے پیر مہر علی شاہ کا منہ توڑ جواب دے کر اس سے اس کی یہ منطق بُھلا دوں، چونکہ حضرت الوانیؒ موجود تھے اس لئے ادب کی وجہ سے مداخلت کی جرأت کچھ نہیں کرسکتا تھا لیکن اُس وقت دل میں پختہ قصد کیا کہ اسے نہیں چھوڑوں گا۔ مناظرے کے بعد بھی حضرت سے اجازت لینے اور پیر مہر علی شاہ کے پیچھے جانے کے لئے بہانے ڈھونڈتا پھرتا تھا۔

ایک دن مَیں نے (حضرت جہلمیؒ) حضرت الوانیؒ سے جانے کی اجازت مانگی،

آپ نے فرمایا کہ ابھی تو تمہارا درس پورا نہیں ہوا ہے اور تو جانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ضرور جانا چاہتا ہوں بس یہی سبق اور درس کافی ہیں۔ میں نے آپ کا طرز مکمل طور پر سمجھ لیا ہے اور قرآن کے اندازِ بیان بھی سمجھ چکا ہوں باقی خود چلا سکتا ہوں۔ حضرت الوانیؒ نے یہ بے چینی دیکھ کر پوچھا کہ بھئی! آخر وجہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے یہاں شرک کی بو آتی ہے۔ حضرت الوانیؒ نے فرمایا کہ میں تو یہاں شرک کو جڑ سے کاٹ رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ شرک کی بو آ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ یہاں بعض عوام آپ کی ملاقات کے وقت جب آپ بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے اُن کے سر بھی جھک جاتے ہیں۔ یہ انحنا ہوتی ہے اور انحنا سجدے کے حکم میں ہے اور سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام بلکہ کفر و شرک ہے۔ حضرت الوانیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ تو مجھ سے بھی سخت نکلا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ یہ اردگرد کے نواح کے پٹھان عوام ہے میں تو انہیں سمجھاتا رہتا ہوں لیکن یہ نہیں سمجھتے۔ بہر حال مت جاؤ میں انہیں پھر سمجھاؤں گا اور سختی سے ایسا کرنے سے منع کروں گا۔

حضرت جہلمیؒ فرماتے تھے کہ میں تو کسی بہانے یہاں سے نکل کر پیر مہر شاہ کے پیچھے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سو بالآخر وہاں سے چلا آیا اور سفر کرتے کرتے دریا کے دریا عبور کرتے ہوئے پیر مہر علی شاہ کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ گھر میں تھا جب بلوانے پر باہر مسجد میں نکلا تو میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں جہلم چکوال کا ہوں، تمہارے پاس قرآن پڑھنے آیا ہوں۔ پیر صاحب نے کہا کہ تمہارے علاقے میں کوئی مولوی نہیں تھا کہ تم اُس سے قرآن پڑھتے جو اتنا دور یہاں آ گئے۔ میں نے کہا کہ مولوی تو بہت ہیں لیکن یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ بڑے جامع المعقول، منطقی، فلسفی ہیں۔

پہلے تو وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے، یہ سُن کر آخر تیار ہو گئے۔ پہلے دن

درس شروع کیا، لمبی چوڑی تقریر شروع کی، میں سمجھ گیا کہ فتوحاتِ مکیہ سے بول رہا ہے۔ دوسرے دن میں نے کہا کہ میں فتوحاتِ مکیہ نہیں قرآن پڑھنے آیا ہوں' پھر اُس نے ترجمہ شروع کیا' میں نے ایک دن درس میں صیغوں کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ اُس میں پھنس گیا۔ دوسرے دن نحو میں میں نے اُسے گھیر لیا۔ تیسرے دن فلسفہ میں اور آخری دن منطق میں بحث شروع کی۔ پیر صاحب کے لئے راہِ فرار کوئی نہیں تھا۔ علم پر بحث کرتے کرتے آخر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ کون ظالم کہتا ہے کہ علمِ غیب اللہ کا خاصہ نہیں۔ تو میں نے کہا کہ :

> ''پھر آپ نے اسی مسئلے پر مولانا حسین علیؒ واں بھچراں والے کے ساتھ مناظرہ کیوں کیا تھا اور لوگوں کو دھوکے میں کیوں رکھا تھا۔ یہی بات تو وہ بھی کہتا ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے''۔

پیر صاحب سمجھ گیا کہ یہ تو وہاں سے آیا ہے۔ مہر علی شاہ کو لاجواب کرنے' قائل کرنے اور حضرت کا بدلہ لینے کے بعد واپس آ گیا اور حضرت الوانیؒ کو یہ واقعہ سنایا، وہ بہت خوش ہوئے۔

مولانا محمد شاہ جہلمیؒ نے حدیث کا علم مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگردِ رشید مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ سے فتح پور دہلی میں پڑھی اور دورۂ حدیث مکمل کیا۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے فیض حاصل کرنے کے ارادے سے حضرت گنگوہیؒ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ زمانہ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری دور تھا، حضرت گنگوہیؒ کی آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی۔ جب مولانا جہلمیؒ وہاں پہنچے اور اپنا مقصد بیان کیا تو حضرت گنگوہیؒ نے معذرت پیش کی لیکن مولانا جہلمیؒ نے فرمایا کہ میں تو بہت دور سے آیا ہوں اور یہ تو میری بہت بڑی خواہش ہے۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ صحاحِ ستہ لے آؤ، تم عبارت

پڑھتے جاؤ، میں تقریر کروں گا۔ اس طرح پہلے بخاری، مسلم پھر ترمذی حتیٰ کہ تمام صحاحِ ستہ کا ایک ایک سبق پڑھایا اور اجازت دے دی۔ اس طرح مولانا جہلمیؒ حضرت گنگوہیؒ کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔

مولانا محمد شاہ جہلمیؒ جس طرح حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ کے قرآن میں شاگرد تھے، اس طرح آپ نے حضرت الوانیؒ کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت بھی کی تھی اور تصوف کا مزید علم حاصل کرنے کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں تھانہ بھون چلے گئے، وہاں انہی کی رہنمائی میں منازلِ سلوک طے کیں۔

حضرت نیلویؒ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب چچا جی مولانا جہلمیؒ حکیم الامت کے پاس گئے اور سلوک سیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ فرمایا کہ میں حضرت مولانا حسین علی پنجابی سے بیعت ہوں' اگر سلوک سیکھنے کے لئے آپ سے بیعت کرنا ضروری ہو تو میں اُن سے بیعت توڑ کر آپ سے بیعت کروں گا۔ اس پر حکیم الامت نے فرمایا کہ نہیں حضرت مولانا حسین علیؒ سے بیعت توڑنے کی ضرورت نہیں۔ انہی کے بیعت میں رہ کر سلوک سکھاؤنگا۔

برصغیر میں علماءِ دیوبند نے انگریز کے خلاف علَمِ جہاد بلند کیا تھا۔ مختلف طریقوں سے جہاد شروع تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت الوانیؒ نے بھی فتویٰ دیا تھا۔ اس تحریکِ جنگ آزادی اور جہاد بالسیف میں حضرت مولانا محمد شاہ جہلمیؒ نے اپنے استادِ حدیث مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ کی معیت میں حصہ لیا۔

بروایت حضرت نیلویؒ مولانا محمد شاہ جہلمیؒ فرماتے تھے کہ ہمارے استاد مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ کی انگریز سے سخت نفرت تھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جہاز بھی گزرتا تھا تو آپ جہاز کو گالیاں نکالتے اور برا بھلا کہتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کو مار گراؤں گا۔

پھر جب موجودہ صوبہ سرحد کے پٹھان قوم نے انگریز کے خلاف جگہ جگہ پر عملی طور

پر جہاد بالسیف شروع کیا اور جنوبی وزیرستان میں وزیر قوم انگریز سے برسرپیکار ہوئے تو مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ دہلی سے وزیرستان روانہ ہوئے، ساتھ اُن کے مولانا محمد شاہ جہلمیؒ بھی تھے۔ صحراؤں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے کئی دنوں کے سفر کے بعد وہاں پہنچ گئے اور جہاد میں حصہ لیا۔ تقریباً چھ مہینے وہاں وزیرستان میں انگریز کے خلاف جہاد میں مصروفِ عمل رہے لیکن بدقسمتی سے وہاں کے علاقے کے بڑے سردار اور ملک صاحبان نے غداری کی۔ جس کے نتیجے میں مجاہدین ناکام ہوئے، مولانا سیف الرحمٰن قندھاریؒ افغانستان سے چلنے لگے تو مولانا جہلمیؒ اجازت مانگ کر واپس پنجاب آ گئے۔

درس وتدریس اور خطابت :

حضرت نیلویؒ فرماتے تھے کہ چچا جی حضرت مولانا محمد شاہ جہلمیؒ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ دہلی، سہارنپور، بلند شہر وغیرہ میں مدرس رہے، آخر میں چنیوٹ میں بھی مختلف کتب اور قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ خود نیلوی شاہ صاحبؒ نے بھی ابتدائی کتب سے لے کر ہدایہ، شرح تہذیب تک کے کتب اور ترجمہ وتفسیر آپ ہی سے پڑھی تھیں۔ چنیوٹ میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ چنیوٹ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔

حضرت نیلویؒ فرماتے تھے کہ اُنبی اور دہلی میں طالب علمی اور تدریس کے زمانے میں چھٹیوں میں جب میں چنیوٹ آتا تو چچا جی نماز اور جمعہ کا خطبہ اور نماز مجھ سے پڑھایا کرتے تھے تاکہ میں ٹرینڈ ہو جاؤں۔ ایک دفعہ جمعہ کی تقریر کر رہا تھا چچا جیؒ بھی بیٹھے تھے، میں نے تقریر کے دوران کہا کہ بریلوی کہتے ہیں کہ یہ دیوبندی گستاخ رسول ﷺ ہیں۔ نبی ﷺ کی حیات نہیں مانتے۔ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وفات پا گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ نبی ﷺ کی روح صرف چند لمحوں کے لئے نکل کر

دوبارہ بدن مبارک میں آ گئی تھی جبکہ ہم دیوبندی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بدن مبارک سے روح نکلی ہی نہیں بلکہ اندر ہی اندر سکڑ گئی تھی۔ ہم تو نبی ﷺ کو چند لمحوں کے لئے بھی وفات نہیں مانتے۔ اب ہم گستاخ اور منکر ہوئے یا تم؟ یہ سُن کر چچا جیؒ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے مخاطب کر کے غصے کی شدت سے کہا کہ چپ کر بس خطبہ پڑھ۔ اور خود خطبے کی اذان شروع کی۔ میں ڈر گیا کہ مجھ سے ایسی کیا غلطی ہو گئی؟ لہٰذا میں نے خطبہ پڑھا' پاؤں کانپ رہے تھے اور نماز بھی پڑھائی۔ سلام کے بعد چچا جیؒ کا معمول تھا کہ سنتوں کے لئے مسجد میں واقع اپنے کمرے میں جاتے تھے۔ آپ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ بعد میں لوگ میرے گرد جمع ہو گئے، مجھے تسلی دینے کے لئے کہنے لگے کہ اُنہیں منبر پر آپ پر غصہ نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ بعد میں سمجھاتے۔ میں نے کہا خیر کوئی بات نہیں وہ میرے بڑے ہیں استاد و چچا ہیں، انہوں نے میری تربیت کی ہے، اتنے میں چچا جیؒ نے اندر سے آواز دی کہ ادھر آؤ۔ میں اندر آیا تو مجھے فرمانے لگے کہ یہ تم تقریر کے دوران کیا کہہ رہے تھے؟ کیا تم نے حیات القلوب پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا ''جی ہاں''۔

آپ نے غصیلے لہجے میں کہا کہ اچھا پھر حیاتی بنتے پھرو۔ پھر چچا جیؒ نے خوب اچھے طریقے سے سمجھایا کہ ہمارا یہ مسلک نہیں بلکہ قرآن وسنت کے رو سے ہمارا اور ہمارے حضرت جی (مولانا حسین علی الوانی) کا مسلک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں اور آپ ﷺ کو برزخ میں برزخی اعلیٰ واکمل حیات حاصل ہے۔ اس پر دلائل دیئے اور علمی انداز میں خوب سمجھایا۔ حضرت نیلوی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ چچا جیؒ نے یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھایا اور اس میں پھر ہمیشہ پکا رہا ورنہ میں تو وہی حیات القلوب والی بات کے پیچھے چلتا رہتا۔

یہ بات یاد رہے کہ حضرت نیلویؒ صاحب کی ان مسائل حیات النبی ﷺ اور

سماع الموتی پر بھی بڑی علمی خدمات اور تصانیف ہیں، جس نے اپنی صفوں میں بڑے بڑے "امام" کہلانے والے مخالفین کولا جواب کر رکھ دیا ہے۔

وفات :

حضرت مولانا محمد شاہ جہلمیؒ جو علم و عرفان کے بیش بہا خزانہ تھے۔ ۱۳۷۸ھ میں وفات پاگئے اور چنیوٹ میں دفن کیے گئے۔ رحمۃ اللہ تعالی علیہ۔

• آپ نے ساری عمر شادی نہیں کی بلکہ علم سیکھنے، پھر درس و تدریس اور مسئلہ توحید و سنت کے بیان میں زندگی صَرف کی۔ آپؒ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے بھتیجے شیخ التفسیر والحدیث مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلویؒ کی نہایت اچھے طریقے سے تربیت و تعلیم ہے۔ علامہ نیلوی شاہؒ جیسے انتہائی اعلیٰ پائے کے محقق اور بہترین عالم کی صورت میں انہوں نے التوحید والسنّت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ آپؒ کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت نیلوی صاحبؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ (آمین یا رب العلمین) (مولانا محمد آیاز کی حضرت نیلویؒ سے انٹرویو)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحبؒ

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے تلامذہ میں جس شخص نے علم فقہ اور تفقہ فی الدین میں اُن سے خصوصی فیض پایا اور جسے بجا طور پر حسینی فکر کا فقیہ کہلانے کا استحقاق تھا، وہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحبؒ تھے۔

آپ موضع کوکا نزد ریحانہ ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اور جد امجد عالم دین اور اور مسندِ افتاء پر فائز تھے۔ گویا فتویٰ نویسی کا علم ورثہ میں ملا تھا۔ آپ نے درسِ نظامی کی تمام کتب اور حدیث وتفسیر اپنے والد اور جد امجد مرحوم ہی سے پڑھیں۔ مولانا حسین علیؒ کی شہرت انہیں واں بھچراں لے گئی، وہاں کئی سال رہ کر اُن سے ترجمہ وتفسیر قرآن، بخاری شریف کے مشکل اور اہم مقامات وغیرہ پڑھے۔ اور حضرت مولاناؒ سے بیعت کی درخواست کی، جسے شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اُنہوں نے نقشبندی مجددی طریق میں داخلِ سلسلہ کر لیا۔

مفتی عبدالرشید صاحبؒ انتہائی محنتی مدرس، وسیع النظر فقیہ اور شب بیدار عابد تھے۔ آپ فتویٰ نہایت سادہ اسلوب کے ساتھ اور پوری ذمہ داری اور تحقیق کے ساتھ دیتے تھے، تمام فقہی مسالک پر ان کی گہری نظر تھی اور بسا اوقات تمام مسالک کے تقابل کے بعد فقہ حنفی کی ترجیح کی وجوہات بھی بیان کر دیتے تھے۔ ان کے فتاویٰ اس قدر جامع ہوتے تھے کہ ہم عصر فقہا ان پر حرف زنی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی علمی جامعیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ اور مولانا

سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ جیسے علماء فقہی اُمور میں ان سے استفادہ کرتے تھے۔ انہیں بجا طور پر مفتی اشاعت التوحید والسنۃ کہا جا سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں بالالتزام شائع ہوئے تھے اور جن لوگوں نے اُن کا مطالعہ کیا ہے وہ اُن فتاویٰ کی جامعیت کی گواہی دیتے ہیں۔

مولانا قاضی احسان الحقؒ (خلف الرشید شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ) نے مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کا کام فتاویٰ تعلیم القرآن کے نام سے شروع کروادیا تھا، مفتی صاحبؒ کے تلمیذ خصوصی مولانا عمر حیات ڈیروی نے اس کی دو جلدیں مکمل کر لی تھیں، اگر اس کی اشاعت کا سامان ہو گیا تو اہلِ علم کو ایک بے بہا علمی خزانہ ہاتھ آ جائے گا۔

بہ حیثیتِ مدرس مفتی صاحبؒ کی مہارت کا تذکرہ ہو چکا۔ ان کے تلامذہ کا کہنا ہے کہ دورانِ سبق ایسے تقریر کرتے اور اس انداز سے کرتے تھے کہ طلباء کو سبق اَزبر ہو جاتا تھا۔ طبیعت کے جلالی تھے، خلافِ شرع کوئی بات سنتے یا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے۔ شب بیدار اور دیانتدار تھے، ذاتی کاموں میں مدرسہ کی بجلی سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے موم بتی یا لالٹین استعمال کرتے تھے۔ نمازِ تہجد کا خصوصی اہتمام کرتے تھے، اس کے علاوہ اشراق واوابین کے نوافل بھی قضا نہ کرتے تھے، اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے اوراد، وظائف کی تمام عمر پابندی کی۔ ایسے متقی، صاحبِ بصیرت اور متوکل علی اللہ لوگ ہی صحیح العقیدہ علماء کے چہرے کی آبرو ہوا کرتے ہیں۔ افسوس اب اس طرز کے علماء سے یہ جہان خالی ہوتا جا رہا ہے۔

واں بھچراں سے واپس آ کر اپنے علاقہ ہی میں درس وتدریس کا کام شروع کر دیا تھا اور یہاں کئی سال تک حدیث، تفسیر، فقہ واصولِ فقہ، منطق وریاضی اور علمِ بلاغت کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ یہاں سے آپ کو مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ اپنے مدرسہ جامعہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ لے گئے۔ جہاں آپ مدرس مقرر ہوئے، مگر آپ نے موقع غنیمت

جانتے ہوئے مولانا قاضی نور محمدؒ سے صحاحِ ستہ کی کتابوں کا سماع کیا، کئی سال قلعہ دیدار سنگھ میں دین کی خدمت کی۔

آپ اعلیٰ پائے کے مدرس تھے، آپ کی کافی شہرت تھی، ادھر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی عادت تھی کہ اپنے دار العلوم میں محنتی اور ماہرِ فن اساتذہ کا تقرر فرماتے تھے، مفتی صاحبؒ کی شہرت وعلومِ دین کی تدریس سے لگن اور شغف وانہماک سے متاثر ہو کر شیخ القرآنؒ نے آپ کو دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں بطورِ صدر مدرس بلالیا، اور یہاں آپ کے ذمہ حدیث تفسیر اور علومِ متداولہ کی تدریس کے علاوہ فتاویٰ نویسی کا کام بھی لگا دیا اور آپ دار العلوم کے مفتی معروف ہو گئے۔ آپ نے تقریباً پینتالیس (۴۵) سال تک دار العلوم تعلیم القرآن میں کام کیا اور تدریس وفتویٰ نویسی کے علاوہ فیصل مارکیٹ راجہ بازار کی مسجد میں روزانہ درسِ قرآن دیتے تھے اور جامع مسجد سرائے صالح میں جمعہ بھی پڑھاتے رہے۔ دار العلوم تعلیم القرآن سے طویل تعلق تو ۱۹۸۵ء میں سخت علالت اور بینائی کی کمزوری کی وجہ سے چھوٹ گیا، مگر جامع مسجد سرائے صالح کی خطابت آخری دم تک نبھائی، کئی ماہ کی علالت کے بعد مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۹۲ء کو وفات پائی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر مومن پوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت اور آپ کو کاکے قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ آپ کے نمایاں تلامذہ میں مولانا قاضی احسان الحقؒ، مولانا محمد یوسف سیفی، مولانا عمر حیات ڈیروی اور پروفیسر محمد عالم حنفی آستوی شامل ہیں۔

سابق صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان بھی آپ کے شاگرد تھے اور مفتی صاحبؒ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات، ص: ۳۴۹تا۳۵۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

مفتی سید محمد حسین شاہ نیلویؒ

مولانا سید محمد حسین نیلویؒ ۱۳۴۱ھ میں نیلہ (ضلع چکوال) گل محمد شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے چچا مولانا سید محمد شاہ جہلمی صاحبؒ ایک معروف عالم دین اور مدرس تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھے، چار سال کی عمر میں چچا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور چنیوٹ لے آئے۔ قرآن حکیم اور صرف ونحو کی کتابیں چچا ہی سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا ضیاء الحقؒ اور مولانا خدا بخش بھیرویؒ سے پڑھا۔ دورانِ تعلیم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے فتویٰ نویسی میں مہارت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی سے اپنے اساتذہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا ضیاء الحقؒ کی نگرانی میں سات سال تک تدریس کا کام کیا۔ تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد بھیرہ کے مدرسہ عزیزیہ میں پڑھاتے رہے، کچھ عرصہ موچھ (ضلع میانوالی) کے ہائی سکول میں عربی ٹیچر رہے۔ اس کے بعد وہاں سے چوکیرہ آ گئے اور تقریباً گیارہ سال تک وہاں تدریس کی۔

۱۹۶۴ء میں جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے طور پر کام شروع کیا اور تقریباً پینتیس سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا سید محمد حسین صاحبؒ قوی الحافظہ اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ حضرت حق سے انہیں

علومِ دین کا خصوصی فہم عطا ہوا تھا۔ درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف سے خصوصی شغف تھا۔ تقریباً سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی درج ذیل تصانیف نے علمی حلقوں میں خاصی شہرت پائی:

(۱) تفسیر تسہیل التنزیل (۲) تبیین القرآن (مربوط ترجمہ) (۳) تفسیر بے نظیر حاشیہ بدرِ منیر (۴) فتح المغیث فی شرح تحریراتِ حدیث (۵) فتاویٰ حسینیہ، زیرِ طبع (۶) فتح الرحمٰن فی قیام رمضان (۷) مواہب الرحمانی در مسائلِ قربانی (۸) رق منشور فی احکام الموتیٰ والقبور (۹) القول الاتم فی حیاتِ عیسیٰ ابن مریمؑ (۱۰) خیر الکلام فی تقبیل الابہام (۱۱) الفائض دعاء بعد الفرائض (۱۲) فیض المستغاث فی الطلاق الثلاث (۱۳) مراۃ القرآن فہرست مضامین قرآن (۱۴) خلاصۃ الکلام فی کلام الرحمٰن (۱۵) مختصر ترین خلاصۂ قرآن (۱۶) القائد فی العقائد (۱۷) معراج النبی ﷺ (۱۸) بشریت نبوی ﷺ (۱۹) شفاء الصدور (۲۰) ردّ منکرات (۲۱) ندائے حق، تین جلدیں۔

مولانا نیلوی شاہ صاحبؒ حضرت مولانا حسین علیؒ کے سلسلۂ طریقت سے وابستہ رہے اور اُن کے مریدین میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کو تفسیرِ قرآن کی تدریس پر خاص مہارت حاصل ہے اور ہر سال مولانا حسین علی صاحبؒ کی طرز پر دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں۔ آپ نے مولانا سید محمد شاہؒ جہلمی (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا حسین علیؒ) سے خاطر خواہ استفادہ کیا۔ ان کی تصانیف میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا رنگ خاصا نمایاں نظر آتا ہے۔ روزِ اوّل سے تادمِ آخر جمعیت اشاعت التوحید سے متعلق مجلسِ مقننہ کے رُکن بھی رہے۔

درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے علاوہ وعظ وارشاد اور مناظرہ سے بھی خصوصی شغف رکھتے تھے۔ ان کی تقریر علمی، تحقیقی اور پُر مغز ہوتی تھی۔ اہلِ بدعت اور اہلِ تشیّع سے خاطر خواہ مناظرے کئے اور اُن کو شکست فاش دی۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ و

سماع الموتی کے موضوع پر ان کی تصنیفِ لطیف ''ندائے حق'' نے مخالفین میں زلزلہ برپا کر دیا ہے۔

آپ نے حضرت مولانا حسین علیؒ کی تصانیف تفسیر بے نظیر اور تحریراتِ حدیث اور مسئلہ علم غیب پر علمائے احناف کی تحقیق پر حواشی و فوائد اور شروح لکھ کر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، وہ جس انداز میں کام کر رہے تھے، اسے دیکھ کر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہ فی زمانہ (۱۹۸۰ء میں شیخ القرآن غلام اللہ خانؒ کی وفات کے بعد) حضرت مولانا حسین علیؒ کی فکر کے سب سے بڑے ترجمان اور شارح تھے اور حضرتِ حق نے فکرِ حسینی کی تبلیغ و اشاعت میں ان سے بے نظیر کام لیا ہے، کم و بیش دس ہزار علماء سے زائد ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع موتی کے عنوان پر آپ حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کے مدرسہ فکر سے متعلق تھے اور بلاشبہ انہیں اس مدرسہ فکر کا قلم اور ترجمان کہا جا سکتا ہے۔ ردّ شیعہ و دفاع ناموسِ صحابہؓ میں ایک کتاب مظلومِ کربلا لکھی جس کی وجہ سے یہ فرزندِ صحابہؓ پسِ زنداں کر دیئے گئے۔ جیل میں شدید علیل ہو گئے اور ملٹری ہسپتال میں رات ۱۸ فروری ۲۰۰۶ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یوں ستر (۷۰) برس سے زائد کے یہ بزرگ امامِ اعظم ابو حنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہؒ کی تاریخ کو زندہ کر گئے۔

بلاشبہ انہوں نے شرک و بدعت کی تردید کے ساتھ قرآن و سنت کی ناقابلِ فراموش خدمت کی اور عظمتِ صحابہؓ پر اپنی جان نچھاور کر کے علمائے اشاعت کا سر فخر سے اونچا کر گئے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دلی دعا ہے کہ وہ اپنے کرم سے نیلوی شاہؒ کو جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبدالباقیؒ

آپ باجوڑ ایجنسی کے قریہ کوثر میں مولانا محمد صدیقؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تربیت پانے کے بعد استاد العلماء مولانا عبدالخالق الباجوڑی، مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، مولانا سمندر خان طوروی المردانی، مولانا امنور صاحب بونیری سے استفادہ کیا۔ آپ حضرت شیخؒ کے قریبی ساتھی تھے اور حضرت شیخؒ کی ہر معاملے میں مکمل تائید فرمایا کرتے تھے۔

آپ کے والد مولانا محمد صدیقؒ بہت بڑے مجاہد تھے، آپ ۱۹۰۰ء میں غزوہ پنڈیالی مہمند ایجنسی میں شہید ہوئے۔ اللہ کریم دونوں کی قبور کو منور فرمائے اور بلند درجات عطا فرمائے۔ مولانا ضیاء الرحمٰن الکوثری المعروف کوثر صاحبِ حق آپ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شہیدِ اذان مولانا خان بادشاہ صاحبؒ

ہمیں یہ افسوس تو نہیں کہ مولانا خان بادشاہ بے قصور شہید کر دیے گئے، البتہ یہ رنج و غم ضرور ہے کہ ہماری سرزمینِ رب کا نام لینے والے شریفوں کے لئے تنگ اور شریروں کے لئے وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ اربابِ علم خطرے میں اور اصحابِ ستم مزے میں ہیں۔ نیکوکار منہ چھپائے اور برے سینہ پھیلائے پھر رہے ہیں۔ یہ منظر ایک سلیم الفطرت اور باشعور شخص کے لئے تو بہرحال مکروہ اور قابلِ نفرت ہے۔ اس دھرتی پر قاتلوں کو کوئی خطرہ نہیں، قتل کی دہائی دینے والا نشانۂ جبر بن رہے ہیں، جو لوگ عوام الناس کے مالوں کا آدھے سے زیادہ حصہ ہضم کر گئے، آج تک انہیں ایک بھی کھٹی ڈکار نہیں آئی، مگر جنہوں نے لٹنے پر اظہارِ غم کیا وہ خود سراپا الم بن گئے، عوام کو لوٹنے والوں کے ہاں لڈو پھوٹ رہے ہیں، اگر کسی نے پردہ چاک کر دیا تو اس پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

مولانا خان بادشاہؒ جس راہ کے راہی تھے، اس سفر کی آخری منزل شہادت ہے۔ آفریں ہے ان پر کہ انہوں نے بالآخر اپنی منزل پر پہنچ کر ہی دم لیا، ورنہ بڑے بڑے لوگ بڑی دھوم دھام سے اس قافلے کے ساتھ اس سفر پر نکلے، کچھ اپنا انجام بھانپ گئے، کچھ گردِ سفر کی نذر ہو گئے۔ کچھ ان میں ایسے ہیں جو سینہ سپر ہو گئے، مولانا خان بادشاہؒ اس آخری کارواں کے مسافر تھے۔

آپ صوبہ سرحد کے ضلع چارسدہ کے مکین با تمکین تھے، جب سے حضرت شیخ القرآنؒ سے تعلق جوڑا۔ تادمِ آخر ان کے مشن پر کاربند رہے۔ ضلع چارسدہ سے شرک و بدعت کے پودوں کو اکھاڑ پھینکا، توحید و سنت کے باغ کی آبیاری کی اور توحید و سنت کے

پھولوں کی خوشبوؤں کی مہک سے علاقہ کو معطر فرما گئے۔

کبھی کسی سے خوف کی بنا پر مسلہ کو نہیں چھوڑا، خصوصاً جب یہ معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ مخالفین کی مخالفت زیادہ ہے تو وہیں تشریف لے جا کر خطاب فرماتے اور کھول کھول کر مسئلے کو بیان کرتے۔

اپنے علاقے میں دروسِ قرآن کا جو شاندار سلسلہ جاری فرمائے ہوئے تھے، اب ان کے تلامذہ و متعلقین اُن دروس کو بطریقِ احسن چلا رہے ہیں۔ ان کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب باجوڑ ایجنسی، حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب جو شہید آذانؒ کے جانشین بھی ہیں، قابلِ ذکر ہیں۔ شہید آذانؒ کی سوانح حیات حضرت مولانا مفتی محمد مسلم صاحب نے لکھی ہے، مگر افسوس کہ ہمیں نہ مل سکی۔

بہر حال مختصر الفاظ میں یہ کہیں گے کہ :

شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کا یہ عظیم شاگرد چارسدہ کے شرکیات و بدعات سے بھرپور ماحول میں ایک ایسے عظیم داعیٔ قرآن تھے کہ جنہوں نے مبتدعین کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ شیخ خان بادشاہؒ کا بیانِ حق اُن مبتدعین علماءِ سوء اور پیرانِ باطل کی رگوں میں زہر کی مانند گھولتا تھا۔ اُن کا جرار اور بے باک انداز کئی اہلِ باطل کے ماتھوں پر پسینہ لا دیتا۔ تبھی ان مبتدعین نے اپنی گھٹیا روش سے اپنی ذہنی سطح لوگوں پر عیاں کر دی اور دھوکے سے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ جانا تو سبھی نے اس دارِ فنا سے ہے مگر کہتے ہیں بے غیرت مر جائے تو اس کی بے غیرتی باقی رہ جاتی ہے اور غیرت مند مر جائے تو اس کی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ شیخ خان بادشاہؒ کی دینی خدمات آج بھی زندہ ہیں اور تاریخ اُنہیں اچھے الفاظ میں یاد کرتی ہے۔ اللہ انہیں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرزاق صاحبؒ (واں بھچراں)

آپ حضرت امام الموحدین مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کے لختِ جگر تھے۔ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں مولانا شاہ نور محمد کشمیریؒ سے اور درسِ نظامی کی کتابیں مولانا محمد امیر صاحب سے پڑھیں اور تکمیل حضرت مولانا ولی اللہ صاحب انہی والا سے کی۔ حدیث اپنے والد ماجد حضرت مولانا حسین علیؒ سے پڑھی اور ان کے ہاتھ پر مجددی طریق میں بیعت کی اور اجازت سے بھی مشرف ہوئے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے اپنے والدؒ کی طرزِ خاص پر تین مرتبہ دورۂ تفسیر پڑھا۔ ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۲ء) میں دورۂ تفسیر کے بعد شیخ نے خصوصی سند عطاء فرمائی۔ درسِ قرآن آپ کا خاص عمل تھا۔ مسئلہ توحید کے اظہار و بیان میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے، عمر بھر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ سے وابستہ رہے اور مرکزی مجلسِ عاملہ و مقننہ کے رُکن رہے۔ شیخ القرآنؒ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور اکرام فرماتے۔ دورانِ درس اپنی مسند کے پیچھے بٹھاتے اور سندات پر دستخط بھی کراتے۔ آپ کا شمار شیخ القرآنؒ کے معتمد شاگردوں میں ہوتا ہے۔ انتہائی سادہ مزاج اور مخلص عالم تھے۔ اپنے والد گرامی سے اجازت کے باوجود کسی کو بیعت نہ کرتے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی عمر حیات ڈیرویؒ

تاریخ و مقامِ پیدائش :

حضرت مولانا عمر حیات صاحبؒ ڈیرہ اسماعیل خان میں ضلع ٹانک کے ایک پسماندہ گاؤں گرہ شادہ ڈاکخانہ شیخ اُتار میں ۱۹۵۶ء کو ملک سوھنا خان کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم :

حضرت کے والد صاحب کا پیشہ مویشی پالنا تھا۔ آپ کے والد کا شمار علاقہ کے بااثر افراد میں ہوتا تھا لیکن اکثر اُٹھنا بیٹھنا حفاظ اور علماءِ کرام کے ساتھ زیادہ تھا۔ گھر کے قریب مسجد میں امام حضرت مولانا محمد عارف صاحب کے مشورہ سے اپنے دونوں بیٹے عمر حیات اور عبدالرحمٰن کو صبح و شام مسجد میں قاعدہ پڑھنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ ان کی ذہانت دیکھ کر مولانا محمد عارف صاحب نے مشورہ دیا کہ ان کو باقاعدہ حفظِ قرآن مجید اور دینی کتب کے لئے دو (۲) کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع بستی ''روڑی''، تحصیل کلاچی میں حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کا مدرسہ ہے اور اس سے ملحق شیخ عطاءاللہ صاحب کی مسجد بھی ہے اور یہ دونوں حضرات اس علاقہ میں علمِ دین کی ایک ساتھ بٹھانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا عبدالرحمٰن اور عمر حیات کو مدرسہ تعلیم القرآن ابراہیمیہ روڑی میں داخل کیا جائے۔ طویل غور و خوض کے بعد ان کے والد صاحب بھی آمادہ ہوگئے اور داخل کرا دیا۔ عرصہ دو سال میں الحمدللہ اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ناظرہ قرآن مجید کے ساتھ حفظِ قرآن مجید بھی

پڑھالیا جبکہ دوسرا بھائی عبدالرحمن اپنا حفظ بھی مکمل نہ کر سکا اور واپس گاؤں چلا گیا۔

شعبۂ کتب :

حفظ کی تکمیل کے بعد اسی مدرسہ میں حضرت مولانا حسن المآب صاحب فاضل نوجوان اور حضرت مولانا سراج الدین صاحب مدظلہٗ سے ابتدائی کتب صرف ونحو اور منطق وغیرہ پڑھیں۔

طلبِ علم کے لئے میانوالی کا سفر :

مدرسہ ابراہیمیہ کے مہتمم حضرت مولانا ابراہیم شہیدؒ اور شیخ عطاء اللہ صاحب دونوں حضرات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ صاحب کے برگزیدہ احباب میں سے تھے۔ اپنے مدرسے کے لئے ہر سال قابل علماءِ کرام تلاش کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے علاقے سے علماء پیدا کرنے کے لئے مصمم ارادہ کیا تھا کہ مدرسہ ہذا کے تین طلباء جو کہ بہت ذہین ہیں مگر غریب ترین ہیں کو اپنے ذاتی خرچہ پر بڑے مدارس میں داخلہ دلوایا جائے اور ان کو عالم بنوایا جائے۔ چنانچہ ایک طالب علم حضرت مولانا ابراہیم صاحب کا بیٹا (۱) حضرت مولانا اسماعیل صاحب مرحوم تھے، جن کو اپنے ہم عصر اور اساتذہ کرام ٹیپ ریکارڈ کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا حافظہ دیا تھا کہ گھنٹوں کی تقریر کو وہ لفظ بہ لفظ یاد کر لیتے تھے لیکن حیاتِ عارضی نے ان کے ساتھ وفا نہ کی۔ ۱۹۹۵ء کو دل کا دورہ پڑنے سے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ (۲) دوسرے طالب علم حضرت مولانا عمر حیات صاحب تھے اور (۳) تیسرے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ حال مقیم گرمتہ تھے۔

اس زمانہ میں قریب کے شہروں میں کوئی خاص درسگاہ نہ تھی جہاں ان کو داخل کیا جاتا۔ مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد میاں سلطان علی مرحوم محلہ میانہ میانوالی (ایک مشہور

دینی درسگاہ تھی جو کہ دور دراز سے آنے والے تشنگانِ علم کو آبِ حیات مہیا کرتی تھی) میں حضرت مولانا محمد امیر صاحب میانوالی کے ہاں مزید علم حاصل کرنے کے لئے داخلہ دلوایا گیا۔ جہاں ان تینوں احباب نے بڑی دلجمعی، محنت ومشقت کے ساتھ ہدایہ اوّلین تک کی کتب پڑھیں۔ پھر حضرت شیخ عطاء اللہ مرحوم نے ان تینوں کو اپنے دیرینہ تعلقات کی بناء پر دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ دلوا دیا تا کہ تکمیلِ درسِ نظامی کے ساتھ دورۂ تفسیر القرآن بھی حضرت شیخ القرآن سے پڑھ لیں۔

چنانچہ پہلے سال تو حضرت شیخ القرآنؒ کے درسِ تفسیر کا صرف سماع کیا اور اگلے سال باضابطہ طور پر دورۂ تفسیر القرآن پڑھنے کا ارادہ تھا۔ دورانِ سال حضرت شیخؒ سے اسباق پڑھے۔ مدرسہ میں موجود دوسرے اساتذۂ کرام سے بھی موقوف علیہ کی کتب پڑھیں۔ شعبان المعظم سے قبل حضرت شیخؒ اپنے تبلیغی دورے پر متحدہ عرب امارات چلے گئے۔ جہاں ان کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ چنانچہ یہ تینوں احباب دورۂ تفسیر القرآن کی دیرینہ خواہش اور اپنے علمی پیاس کو کامل طور پر شیخؒ سے نہ بجھا سکے۔ البتہ اس سال موقوف علیہ مکمل کیا اور آخری دو ماہ میں شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ محدث گوجرانوالہ سے دورۂ تفسیر القرآن پڑھا، اور ۱۹۸۱ء کو اسی مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔ دوران طالب علمی میں جانشین شیخ القرآنؒ حضرت مولانا قاضی احسان الحقؒ صاحب، باقی طلباء کی نسبت مولانا عمر حیات ڈیروی صاحبؒ کے علم وعمل اور اخلاقِ حسنہ سے بہت متاثر تھے، اکثر جامعہ کے اُمورِ انتظامیہ ان کے حوالے کئے تھے۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان الحقؒ نے تدریس کے لئے اور ماہنامہ تعلیم القرآن اور فتاویٰ تعلیم القرآن میں بطورِ مرتب کام کرنے کے لئے حکم فرمایا جس کو حضرت نے اپنے لئے باعثِ افتخار تصور کیا اور بسر وچشم قبول فرمالیا۔

اسی زمانہ میں فتاویٰ تعلیم القرآن کی دو جلدوں کو ترتیب دیا جس کی اب تک کل ۱۲ جلدیں ہو چکی ہیں۔ مزید ۱۳ سال تک ماہنامہ تعلیم القرآن کے نائب مدیر بھی رہے ہیں۔

شوقِ افتاء:

علم دوستی تو آپ کا ورثۂ حیات تھا' چونکہ شب و روز فتاویٰ جات کی ترتیب میں لگے رہتے تھے۔ افتاء کا بہت زیادہ شوق ہو گیا۔ چنانچہ تعلیم القرآن کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحبؒ سے تخصص فی الفقہ کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزیؒ سے سندِ افتاء حاصل کی۔

دارالعلوم فاروقیہ سٹی صدر سے جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی تک:

طویل عرصہ سے حضرت مولانا عبدالستار توحیدیؒ کے صاحبزادگان مولانا عمر حیات صاحب کو اپنے مدرسے میں تدریس کے لئے دعوت دے رہے تھے' مگر حضرت صاحب کثرتِ مشاغل کا عارضہ پیش کر دیتے تھے۔ یکا یک دارالعلوم تعلیم القرآن کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ساتھ کسی بات پر تلخی آئی تو توحیدی برادران کے لئے مسرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ فوراً حضرت مفتی صاحب کو اپنے پاس بلوا لیا۔ تقریباً دو سال کا عرصہ حضرت مولاناؒ نے جامعہ فاروقیہ میں تدریس کی اسی دوران محلہ عثمان پورہ کی مسجد عثمانیہ کے امام و خطیب جناب حافظ نور حسین جب علیل ہو گئے اور بالآخر وہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے تو مسجد کی تمام تر ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحبؒ کے سر آپڑی اور ساتھ ہی الجامعۃ الاسلامیہ صدر راولپنڈی کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہٗ نے آپ کو اپنے مدرسہ میں آنے کی دعوت دی۔ چونکہ وہ ایک معیاری ادارہ ہے اور طلباء کی تعداد بھی زیادہ ہے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کی

درخواست کو منظور فرمایا لیا۔ ہر درجہ میں حضرتؒ نے مختلف کتب کی تدریس کی۔ البتہ چند سالوں سے دورۂ حدیث کے اسباق بھی پڑھا رہے تھے ....

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(رومی)

اوقاتِ کار :

حضرت مفتی صاحبؒ ہر روز صبح اذانوں سے پہلے اُٹھتے تھے، نوافل اور تلاوت قرآنِ کریم کرتے رہتے تھے۔ بعد ازیں حدیث کی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے فوراً بعد پھولوں والی مسجد کے قریب مدرسۃ البنات میں حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب کے ہاں اسباق پڑھانے جایا کرتے تھے اور تقریباً 7:30 بجے وہاں سے واپس ہوتے تو سیدھے جامعہ اسلامیہ کامران مارکیٹ صدر میں اسباق میں حاضری دینے چلے جاتے تھے۔ جامعہ کا نظام الاوقات چونکہ خود تیار کرتے تھے، اس لئے آخری گھنٹہ ہر سال خالی رکھتے تھے۔ تقریباً 12:00 بجے جامعہ سے واپس ہوتے اور بابا عبدالشکور صاحب کے کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی میں چلے جاتے تھے۔ ظہر کی اذانوں تک نئی آنے والی کتب کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ بہت سے مصنفین اپنی کتب تصحیح و تبصرہ کے لئے ان کو دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار تصانیف پر حضرت مفتیؒ کی تقاریظ ثبت ہیں۔ پھر نمازِ ظہر کے لئے مسجد عثمانیہ محلّہ عثمان پورہ میں آجاتے تھے۔ معمولی سا آرام کرنے کے بعد درسی وغیرہ درسی کتب کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد محلّے کے لوگ گھریلو مسائل میں راہنمائی اور دینی مسائل میں ہدایات پوچھتے تھے، پھر اگر کوئی وقت مطالعہ سے بچ جاتا تو مختلف موضوعات پر قلم اُٹھا کر لکھا کرتے تھے ....

مصروف طائرانِ چمن ہیں کلیل میں　　　صیاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

تصنیفات :

درسی مشاغل کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ نے چند اہم مسائل پر نہایت اچھے انداز میں لکھا ہے، جن میں ان کی مایہ ناز تصانیف درج ذیل ہیں :

(۱) اسلامی عقائد و خواتین کے شرعی احکام و مسائل (۲) ایک مجلس کی تین طلاقوں کی شرعی حیثیت (۳) وسیلہ کی شرعی حیثیت (۴) نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت (۵) قربانی کے شرعی احکام و مسائل (۶) مروّجہ حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت (۷) چہل احادیث (۸) اعتکاف کے شرعی احکام و مسائل (۹) زکوٰۃ کے شرعی احکام و مسائل وغیرہ علاوہ ازیں رسائل و جرائد میں اہم موضوعات پر مضامین نویسی بھی حضرت کے مشاغل کا حصہ رہا ہے۔

پسندیدہ مضمون :

الحمد للہ حضرت مفتی صاحبؒ تمام درسی مضامین صرف و نحو، منطق، ادب عربی، میراث، حدیث، تفسیر و فقہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ باوجود اس کے ان کا قلبی میلان زیادہ تر حدیث، تفسیر اور فقہ کی طرف تھا اور یہی مضامین علومِ دینیہ میں اُصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہر سال ایک سبق تفسیر کا اور ایک حدیث کا اور باقی کتب فقہ میں مشکل و دقیق کتب کی تدریس اپنے ذمہ لیا کرتے تھے۔ نیز ان کی تصانیف سے بھی اندازہ کیا جاتا ہے کہ ان کو شرعی فقہی مسائل میں تحقیق کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

شرع پسندی :

حضرت مفتی صاحبؒ الحمد للہ خود بڑے باشرع متقی و پرہیزگار انسان تھے اور تقریباً ایسے آدمی کو (متبع شریعت کو) بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے جبکہ خلاف شرع

معمولی سی بات پر بھی برہم ہو جایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے حلقۂ احباب میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، شادی، غمی وغیرہ میں ظاہری وضع قطع، داڑھی، لباس اور سر کے بال ودیگر ایسے اسلامی اُمور پر کڑی نظر رکھا کرتے تھے اور ذرا سی غفلت پر سخت تنبیہ کیا کرتے تھے اگر اس معاملہ میں کسی کو ایک دفعہ ڈانٹا ہو اور وہ دوبارہ اسی حالت میں آپؒ کی خدمت میں آتا تو اس کی طرف شفقت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اس کے ساتھ تو بات کرنا بھی گوارہ نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ اپنی خامی دور نہ کر لیتا تھا۔

ہر سال وفاق المدارس کے امتحانات میں نگرانِ اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔ امتحان میں شریک طلباء کی بہت غلطیاں صرفِ نظر کر دیتے تھے لیکن لباس اور داڑھی کے معاملہ میں کوتاہی کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایسے طالبِ علم کا پیپر کینسل کر کے اُسے عبرتناک سزا دیا کرتے تھے اور ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو آدمی شوق سے دین نہیں سیکھتا۔ اسے جبراً دین اور اسلام پڑھانے کا کیا فائدہ ہوگا بلکہ ایسا آدمی بعد میں اہلِ اسلام کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے اور تمام علماءِ کرام ایک ایسے آدمی کی وجہ سے بدنام ہو جاتے ہیں۔

انسلاک :

حضرت مولانا مفتی عمر حیات صاحبؒ مسلکِ احناف میں تمام علماءِ دیوبند کے بے حد گرویدہ تھے۔ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والی ہر تنظیم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کو عقیدتاً اور جمعیت علماءِ اسلام کو سیاستاً بہت پسند کرتے تھے۔ آپ کا قلبی میلان ان دونوں جماعتوں کے اکابرین کی طرف بہت زیادہ تھا' بڑے جھوم کر ان کا تذکرہ کرتے اور سنتے ہوتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنی کلاسوں میں اعتدال کے ساتھ جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کا مؤقف پیش کرتے تھے جبکہ ظاہراً

حافظ حسین احمد صاحب مدظلہ کے مثیل تھے۔ یوں مولانا حسین علیؒ کے عقیدہ اور مولانا حسین مدنیؒ کی ساست کے حسین امتزاج کا مظہر تھے۔

بیعت :

اس سلسلہ میں بھی پیر طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کی بیعت حاصل کر چکنے کے بعد حضرت مدنیؒ کے صاحبزادے سید اسعد مدنیؒ سے بیعت کی۔ تا کہ عقیدہ کی پختگی کے ساتھ جفاکشی کا مدنی رنگ بھی واضح نظر آئے۔ (سبحان اللہ)

اساتذۂ کرام :

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو احمد حسین سجاد بخاریؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر میانوالویؒ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ، شیخ القرآن مولانا عبدالسلام رستمی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالہادیؒ۔

چند مشہور تلامذہ :

مولانا محبوب الرحمٰن قریشی مدیر صدائے حریت راولپنڈی، حضرت مولانا شمس الہادی نائب امیر نوجوانانِ توحید و سنت صوبہ سرحد، نواسۂ شیخ القرآن حضرت مولانا شاکر محمود صاحب مرکزی نائب ناظمِ اعلیٰ نوجوانانِ توحید و سنت، حضرت مولانا شفیق الرحمٰن ہزاروی صاحب استاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی۔

بالآخر زندگی کے آخری دو سالوں میں حضرت مفتی صاحبؒ کو مختلف اندرونی بیماریوں نے گھیر لیا کہ دونوں گردے اور پھیپھڑے کام کرنا چھوڑ گئے۔ حتیٰ کہ ہیپاٹائٹس سی

اور بلڈ پریشر وغیرہ جیسی مرضیں بھی ساتھ مل گئیں لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی بیماری سے پوری طرح مقابلہ کیا اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ تکالیف کو اپنے سر بیتا۔ ذرہ برابر بھی بے صبری سے کام نہیں لیا۔ اُف اور ہائے کا کلمہ بھی کبھی منہ پر نہ لایا تھا۔ اپنی چھوٹی موٹی بیماری کی پرواہ کئے بغیر تمام مشاغل امامت و خطابت بھی اور بنین و بنات کی تدریس بھی کرتے رہتے تھے۔ بالآخر جب زندگی کی شام ہوگئی۔ اعضاء و قوئی جواب دے گئے، چلنا پھرنا تو کجا، اُٹھنا بیٹھنا بھی دوبھر ہوگیا تھا۔

چنانچہ ۲۰/اپریل بروزِ جمعرات حضرتؒ کی تکلیف بہت بڑھ گئی، جنہیں فوراً مسجد سے سول ہسپتال راولپنڈی ایمرجنسی وارڈ میں داخل کیا گیا۔ کمزوری بے حد تھی، ایک بوتل خون کی لگوائی پھر صبح تک کچھ طبیعت میں فرق تھا، واپس مسجد میں لے آئے۔ اب دن بدن مرض بڑھتا گیا۔ بروزِ منگل ۲۵/اپریل کو پھر ہسپتال لے گئے اور خون کی مزید ایک بوتل لگوائی جو ختم ہوئی تو آدھ گھنٹہ بعد جلے ہوئے خون کی اُلٹی آ گئی جس کے بعد حضرتؒ نے اصرار کیا کہ مجھے گھر پہنچاؤ۔ چنانچہ بروزِ بدھ ۲۶/اپریل کو صبح ایدھی ایمبولینس کے ذریعہ ان کے آبائی گاؤں گرہ شادہ پہنچایا گیا۔ وہاں گھر والوں کو ملے۔ ۲۶/اپریل سے ۳۰/اپریل تک گھر میں رہے، پھر ایک ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے ٹانک شہر لایا، جس نے ڈیرہ اسماعیل خان کے سول ہسپتال میں داخل کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ فی الفور مولانا کو ڈیرہ منتقل کیا گیا لیکن حال وہی تھا کہ مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔

۳۰/اپریل سے ۵/مئی بروزِ جمعہ تک سول ہسپتال ڈیرہ اسماعیل خان میں رہے۔

اسی دوران حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو کچھ نجی وصایا بھی کیں اور اپنی مسجد کے بقایا جات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوگئے۔ بالآخر ....

کش مکش چلتی رہی دن رات مرگ و زیست میں

انتہا میں موت جیتی اور ہاری بندگی

۵ مئی بروزِ جمعہ مغرب کی نماز سے پہلے حضرت مفتی صاحبؒ کی مقدس روح اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپؒ نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی اور دینی سعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے اور بڑی دعا یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ میں کوئی ان کا نعم البدل نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین) (مولانا محمد یعقوب ٹانکوی خطیب جامع مسجد عثمانیہ راولپنڈی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ (خوشاب)

شیخ التفسیر حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ خطیبِ خوشاب ۱۹۲۲ء میں پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین کے موضع کوٹ شیر محمد میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے چچا مولانا محمد رفیقؒ (مریدِ حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں) سے صَرف ونحو اور فارسی پڑھی۔ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب (انہیؒ) کے ہاں مدرسہ حسینیہ انہی میں تکمیلِ علوم کی۔ ۱۹۴۲ء میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا۔ ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ دوسرے اساتذہ میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، مولانا سید فخر الدینؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ (اکوڑہ خٹک) اور حضرت مولانا عبدالحق نافعؒ شامل ہیں۔

دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دستِ مبارک پر بیعتِ طریقت کی۔ دیوبند سے واپس آ کر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سلطان محمود کٹھیالویؒ سے ایک بار پھر دورۂ تفسیر پڑھا۔

عملی زندگی کا آغاز مدرسہ اشاعت القرآن گجرات سے کیا۔ ۱۹۵۳ء میں خوشاب میں مصباح العلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا سنگِ بنیاد رکھا اور گزشتہ نصف صدی سے اسی مدرسہ سے وابستہ ہیں اور اسی مدرسہ میں گزشتہ چالیس سال سے اپنے استاد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی طرز پر دورۂ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔ مولانا بشیر احمد صاحبؒ

اشاعت التوحید والسنہ کے رکنِ رکین ہیں، عمر بھر اسی جماعت سے وابستہ رہے۔ مسئلہ توحید کی دعوت وشاعت کے سلسلے میں بڑا عمدہ کام کیا ہے۔ مدرسہ مصباح العلوم کے اہتمام کے علاوہ جامع مسجد میں خطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ ہزاروں علماء کے استاد ہیں۔ عجز وانکساری، بے نفسی، فروتنی کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے، عمر بھر دین کی خدمت انتہائی خاموشی اور خلوص ولگن کے ساتھ کیا۔ (حیات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ص ۴۷۰)

موت ایک اٹل حقیقت ہے، ہر ذی روح کو اسے چکھنا ہے۔ مولانا موصوف ؒ بھی چند ماہ پہلے دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قبر کو منور فرمائے اور جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۳

قائدِ انقلاب شیخ القرآن

مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

آپ ضلع صوابی کے مشہور ومعروف قریہ پنج پیر میں امام المفسرین، شیخ العرب والعجم شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مولانا محمد طاہر نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں ۳؍مارچ ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک تک عصری علوم کے بعد ۱۹۷۵ء میں دینی علوم وفنون کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ ابتدائی کتب اور ترجمۂ قرآن مجید اپنے عظیم والدؒ کے سرپرستی میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ میں پڑھے۔ بعد ازاں چار سال تک علمِ صرف ونحو کی کتب امام الصرف والنحو مولانا گل شہزادہ صاحب عرف سرکئی بابا سے سرکئی ستاکوٹ میں پڑھی۔ اس کے بعد محدثِ دوراں سابق مدرس دار العلوم دیوبند قاضی شمس الدینؒ سے استفادہ کیا۔ منطق وفلسفہ مولانا عبد الحکیم جاگوی سے ضلع کوہستان میں پڑھا، پھر علمِ معانی و اُصول فقہ دیسہ کا ملپو رانک میں شیخ القرآن والحدیث مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہم سے پڑھیں پورے بارہ سال فنون سیکھنے کے بعد دورۂ حدیث اپنے عظیم والد کے قائم کردہ مدرسہ جامعۃ الامام محمد طاہرؒ دار القرآن پنج پیر میں اپنے عظیم شیخ القرآن والحدیث امام الانقلاب داعی التوحید والسنۃ قاطع الشرک والبدعۃ مولانا محمد طاہرؒ اور ولی کامل شیخ الحدیث مولانا محمد یار بادشاہ دامت برکاتہم سے پڑھ کر ۲۵؍مارچ ۱۹۸۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی اور اسی دن اپنے والد کے ہاتھ سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔

آپ نے اپنے والد سے ۳۰ مرتبہ قرآن پڑھا ہے اور ایک حیرت انگیز بات ہے کہ آپ نے دورانِ طالبعلمی سے ہی درسِ قرآن و کتب شروع کر لیا تھا۔ قابلیت کا یہ عالم ہے کہ دورانِ طالب علمی ہمیشہ رمضان، شعبان اور شوال میں طلبہ کو درسِ قرآن کا تکرار اپنے والد گرامی کے طرز پر کرتے رہے ہیں، ہو بہو وہی نکتے اور وہی علمی مباحث جیسا کہ شیخ القرآنؒ کا تھا۔

۲۹ر مارچ ۱۹۸۷ء کو جب شیخ القرآنؒ اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے تو آپ کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ انہی دنوں جماعت اشاعت والسنۃ پاکستان کا اجلاس بلایا گیا تو انتخابِ امیر کے لئے سب کی نگاہیں مولانا پر ٹھہریں سو بالاتفاقِ اراکین وہ امیرِ جماعت منتخب ہو گئے بحمد اللہ آج تک پوری جماعت ان کی امارت پر متفق ہے اور سب آپ کی امارت پر فخر کرتے ہیں۔

قائدِ محترم نہایت شریف الطبع، معتدل مزاج، خوش اخلاق، قابل و مخلص عالمِ دین اور مسلمانوں کے مربی و ہمدرد ہیں۔ آپ کے اوصافِ جمیلہ اور حسنِ تدبیر کی وجہ سے جماعت دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مولانا صاحب بیان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ اسلوب مصنف اور صحافی بھی ہیں۔ آپ کے زیرِ ادارت ہر ماہ ''التوحید والسنۃ'' کے نام سے ایک رسالہ باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔ مولانا کی چند تصنیفات و تالیفات کے اسماء یہ ہیں :

کتاب الجهاد، مسلک الاکابر دمدمة القهزیه علی دندنة الدهریه، القطوف الدانیه فی تفسیر سورة الوافیه، ازالة الاوهام، کلمة حق، مشکلات القرآن، الطیب الموصول فی شرح عبد الرسول، مخزن انوار من افادات صاحب سمط الدرر۔

(۱) کتاب الجہاد میں مولانا مدظلہ نے اقسامِ جہاد کو قرآنی آیات کی روشنی میں نہایت سلیس انداز میں مرتب کیا ہے۔

(۲) **مسلک الاکابر** : اس کتاب میں مولانا نے اکابرینِ دیوبند کے مسلک وعقیدہ کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ کتاب بعض مخالفین کے باطل پروپیگنڈوں کے باعث پیدا شدہ اُلجھنوں کے ازالے کی خاطر لکھی گئی تھی، اس میں عدمِ سماع الموتی اور حیات النبیؐ کے متعلق انتہائی معتبر حوالہ جات کے ذریعے اکابرین علماءِ دیوبند کے صحیح مسلک کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۳) **دمدمة القهريه على دندنة الدهريه** : یہ کتاب دہریوں کے رد میں لکھی گئی ہے۔

(۴) **القطوف الدانيه فى تفسير سورة الوافيه** : سورۂ فاتحہ کی شاندار تفسیر پر مشتمل ہے۔

(۵) **ازالة الاوهام** : اس کتاب میں بعض شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، جو کہ عام طور جماعت اشاعت کے مخالفین جماعت کے متعلق پیدا کرتے رہتے تھے کہ یہ اشاعت التوحید والے فلاں فلاں عبادت کا ثواب کا کام نہیں مانتے، بہترین انداز میں تمام شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

(۶) **کلمۂ حق** : یہ ان اداریوں اور مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ ''التوحید والسنہ'' میں باقاعدگی سے کلمۂ حق کے نام پر شائع ہوتے رہے۔ ملکی حالات اور حالاتِ حاضرہ پر سیر حاصل تبصرہ اور اُمت مسلمہ کو درپیش مسائل کے بارے میں مضامین کا حسین مرقع ومجموعہ ہے۔

(۷) **مشکلات القرآن** : دورۂ تفسیر میں مولانا صاحب کی مشکل آیات کی تفسیر پر مشتمل مجموعہ جسے طلباء نے از خود مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

(۸) الطیب الموصول شرح عبد الرسول :

(۹) مخزن الدرر من افادات صاحب سمط الدرر : اس کتاب میں قائدِ محترم مدظلہ نے حضرت شیخؒ کے افادات وتفسیری نکات وغیرہ کو جمع کیا۔ واقعی یہ کتاب بہترین موتیوں کا خزانہ ہے۔ کتاب اتنی سہل ہے کہ عام وخاص بھی اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ بیاض قرآن مجید بھی ہے جو علماء وطلبا اور عوام کے لئے یکساں مفید ہے۔

عرب وعجم کا شائد ہی کوئی ایسا ادارہ ہو جہاں مولانا کو جانے اور بات کرنے اور توحید وسنت کا پیغام عام کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ مولانا صاحب چونکہ ایک انقلابی لیڈر ہیں، اس لئے ان کا علم خشک نہیں بلکہ زندہ وتوانا جذبہ سے بھرپور ہے۔ جسے وہ شرق وغرب میں بانٹتے پھرتے ہیں۔ دبئی، ابوظبی، شارجہ، العین رسول خیمہ، سعودی عرب، ریاض، طائف، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ، قطر اور دوحہ وغیرہ میں درسِ قرآن کے ساتھ ساتھ جماعت کی دعوت پر بھی تشریف لے جاچکے ہیں اور مولانا کے حسنِ بیان کی وجہ سے لوگ شرک وبدعت سے توبہ تائب ہو توحید وسنت کی روشنی میں جوق در جوق داخل ہوچکے ہیں۔ اللھم زد فزد۔

امیرِ محترم سیرتاً وصورتاً حضرت شیخؒ کے جانشین ہیں، اللہ کریم آپ کی عمر میں برکت ڈالے، آپ کا سایہ اُمت پر تادیر قائم رکھے اور جماعت کو آپ کی زیرِ قیادت دن دگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

ہم نے دل جلا کے سرِ راہ رکھ دیا
اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہٗ

سادہ طبیعت، درمیانہ قد، کھلتا ہوا گندمی رنگ، آپ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، مگر سنجیدہ مزاج ہیں' گویا یہ خوش اخلاقی، سنجیدگی، وضع داری اور نستعلیقیت والد ماجدؒ سے ورثے میں ملی ہے۔ آپ نے تعلیم اپنے مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن اور مدرسہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ میں حاصل کی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا قاضی احسان الحق ؒ کی وفات اور مولانا حسین علی صاحب مدظلہٗ کی طویل علالت کے باعث مسجد و مدرسہ کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آن پڑیں، جسے بطریقِ احسن نبھا رہے ہیں۔ اپنے والد ماجدؒ کی حیات میں ان کے مہمانوں کی بہت خدمت وقدر کیا کرتے تھے۔ انہیں تجارت سے بھی چونکہ خاص رغبت تھی، اس لئے بہت کامیاب تاجر رہے۔ اشاعت والتوحید والسنۃ کے مرکزی نائب امیر ہیں۔ ان کی سرپرستی میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی سے ماہنامہ تعلیم القرآن بھی شائع ہوتا ہے۔

(ملخص از حیات شیخ القرآن)

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ ان کو دوسرے برادر سمیت صحت وعمرِ دراز سے نوازے اور اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے اہلِ تعلق سے استقامت کے ساتھ، تعلق استوار رکھنے کے ساتھ توحید وسنت کے احیاء کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب (مدظلہ العالی)

حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کے بیٹے اور قاضی شمس الدینؒ کے بھتیجے ہیں۔ اکثر کتب اپنے شیخین سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث اپنے چچا سے کیا۔ اعلیٰ پائے کے مناظر ہیں۔ کسی بھی مناظرہ میں حضرتِ قاضی صاحب کی موجودگی اہلِ حق کی فتح تصور ہے۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ پر کافی دسترس حاصل ہے۔ دورۂ تفسیر کے دوران بڑے مشکل ابحاث کو آسان ترین بنا دیتے ہیں۔ تا حال جامعہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر کے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ عصرِ حاضر کے بڑے بڑے مدرسین، مقررین، مبلغین اور مناظرین کے استاذ اور شیخ ہیں۔ آپ جمعیت اشاعت التوحید والسنت صوبہ پنجاب کے امیر ہیں۔ اللہ کریم اُن کی سرپرستی کا سایہ جماعت پر تا دیر قائم رکھے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مناظر اہلسنت، ماہر فی فن اسماء الرجال، محقق العصر، کشمیریِ وقت
شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا
سلطان غنی عارف الطاہری مدظلھم و فیوضھم

حضرت الاستاذ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔
آپ کا علمی رسوخ، دینی بصیرت، ذوقِ مطالعہ، انابت الی اللہ، اتباعِ سنت، تفقہ فی الدین، جرأت وشجاعت، سوزِ دروں، رقتِ لب، مثالی استقامت، عدیم المثال تواضع و بے نفسی، اخلاص وللّٰہیت، حکیمانہ طرزِ استدلال، وسعتِ قلبی، دین کی حفاظت اور اشاعت کے سلسلہ میں ان کی مجددانہ کوششیں، ان تمام پہلوؤں کی صحیح منظر کشی اور بیان پر تو ہزار صفحات لکھے جاسکتے ہیں، لیکن اس مختصر بیان میں جس پہلو کا بھی تذکرہ ہو جائے ہم جیسے طالب علموں کے لئے ان شاءاللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا ....۔

میری محفل میں آنہ سکے گی دنیا
لاکھ ڈھونڈے مجھ سا نہ پا سکے گی دنیا

درس وتدریس ایک عبادت اور لازوال سعادت ہے۔ عرفانِ حق اور خدارسی کا ایک ذریعہ ہے۔ ہمارے اکابر کا تعلیم وتدریس کی نشرواشاعت سے ایسا شغف تھا کہ برصغیر پاک وہند کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا بچا ہو، جہاں سفر کی سختیاں اور مشقتیں خندہ جبینی کے ساتھ برداشت نہ کی ہو۔
حضرت الاستاد بھی انہی نابغۂ روزگار اور فقید المثال علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

آپ مسند تدریس کے تاجدار ہیں، دقیق و غامض مضامین کے سمجھانے کا بہترین ملکہ خداوندِ عالم نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حضرت الاستاد موصوف مدظلہٗ نے ایک عرصہ تک مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی کتابوں کے درس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ کی مختلف کتابوں کا درس بھی دیتے رہے ہیں۔ تدریس کی لائن میں آپ کو شانِ محبوبیت حاصل ہے آپ نے سوات و مردان کے مختلف دینی درسگاہوں کے علاوہ سعودی عرب ریاض میں بھی درسی خدمات انجام دی ہیں، فنِ اسماء الرجال اور علمِ حدیث پر مہارتِ تامہ رکھتے ہیں، اگر اس دور کا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ وہی علامہ کشمیریؒ جن کو اس دور کا ابن حجرؒ کہا جاتا تھا۔

حضرت الاستاد مدظلہٗ اپنے تلامذہ سے بہت شفقت ومحبت فرماتے ہیں۔ ان کا تعلق طلباء سے ایسے ہوتا ہے' جیسا کسی باپ کا اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ آپ اپنے شاگردوں کو اپنا کنبہ سمجھتے ہیں۔ احقر کے ساتھ آپ کا معاملہ ایسا ہی رہا ہے۔ آپ نے جتنی شفقت ومحبت ہم کو دی ہے ایک مشفق باپ بھی اپنے بیٹوں کو نہیں دے سکتا۔ استادِ محترم کی طبیعت میں قدرت نے بہت سے اوصافِ جمیلہ ودیعت فرمائے ہیں۔ حافظہ بھی بلا کا ہے آپ کا درس ہو یا وعظ، سوال و جواب کی مجلس ہو یا مناظرہ کا میدان، ہر جگہ علوم و معارف کا دریا بہا دیتے ہیں۔ کوئی بھی عنوان ہو اُن کو محدثین، آئمہؒ اربعہ، فقہائے مذاہب اربعہ اور آئمہ علم الکلام کے سینکڑوں حوالہ جات اس طرح مستحضر ہیں جیسے کتابیں ان کے سامنے کھلی پڑی ہوں۔

حضرت الاستاد نہایت وجیہ اور پُرنور چہرے کے مالک ہیں، بولتے ہیں تو شفقت ومحبت میں ڈوبی ہوئی آواز سے، سراپا متبع سنت، گنجان داڑھی، برابر قد والے

سوچتا ہوں کن الفاظ سے اپنے حضرت کا تعارف کراؤں

کیسے الفاظ کے سانچے میں ڈھلے گا یہ جمال
سوچتا ہوں کہ ترے حسن کی توہین نہ ہو

بندہ راقم خطیب العصر حضرت مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہٗ (ویسہ اٹک) کے ہاں گیا تھا، تو آپ نے اُستادِ محترم کے بارے میں فرمایا کہ :

''مولانا سلطان غنی عارف اس دور کے حافظ الحدیث ہیں''۔

آپ جناب عبدالعلی مرحوم کے ہاں ۱۹۵۰ء میں کھوئی برمول کاٹلنگ ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ پرائمری اور مڈل تک عصری علوم آپ نے اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس دوران آپ جب سکول جاتے تو آپ کی ملاقات علاقہ کے ایک جید عالم مولانا عبدالحلیم صاحبؒ سے ہوتی۔ اس زمانہ میں عام لوگوں کے تأثرات یہ تھے کہ علماء کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا اپنے لئے سعادت وخوش قسمتی سمجھتے تھے تو آپ کا بھی مولانا عبدالحلیمؒ کے ساتھ اسی بناء پر تعلق تھا۔ آپ اکثر ان کے ساتھ سوال و جواب کی نشست رکھتے اور بالآخران سے سوال و جواب نے آپ کو دینی علوم سیکھنے کے لئے راغب کر دیا۔ مڈل تک پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ نے ہدایۃ النحو تک کتابیں ان سے پڑھیں۔ منطق میں ایساغوجی، قال اقول، مجموعہ منطق اور فقہ میں کنز الدقائق اور فارسی ادب میں گلستان، بوستان مولاناؒ سے پڑھیں۔

آٹھویں جماعت کے بعد آپ میٹرک کے لئے کاٹلنگ تشریف لے گئے تو ایک سال آپ گاؤں آتے اور مولانا مرحوم سے پڑھتے رہتے۔ دوسرے سال یہ زمانہ تقریباً ۱۹۶۱ء کا تھا۔ آپ متہ میں مولانا کے ہاں رہنے لگے اور ان سے بعض اسباق پڑھیں۔ جب آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو آپ کے والد صاحبؒ کی خواہش تھی کہ سرکاری ملازمت کریں اور مولانا عبدالحلیمؒ کی صحبت کی وجہ سے دینی علوم کی طرف رغبت رکھتے تھے تو آپ گھر سے بغیر پوچھے لائل پور (فیصل آباد) چلے گئے اور دارالعلوم اشاعت العلوم کے مہتمم مولانا سیاح الدین کاکاخیل صاحب (آپ کا تعلق جماعت اسلامی کے ذیلی شاخ

اتحاد العلماء سے تھا) کے ہاں چونکہ آپ کے اور گاؤں والے طلباء بھی پڑھتے تھے کے ہاں داخلہ لیا۔ وہاں کے اساتذہ مولانا فتح الجمیل، درگئی کے مولوی صاحب اور ہندوستانی علماء سے فصولِ اکبری، ترکیب اور بعض دیگر کتابیں پڑھنے کے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ کے علاقہ فلور میں ایک مدرسہ تھا جس کا نام جامعہ ربانیہ میں ایک سال گذارا۔ اس دوران آپ نے گھر سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ ڈیڑھ سال بعد جب گھر سے رابطہ کیا تو والد صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ ''تم اپنے اسباق پڑھو، مگر گاؤں آ جانا'' گھر تشریف لائے، پھر آپ چار باغ سوات تشریف لے گئے۔ وہاں تین سال گذارے۔ اس دوران آپ نے شرح جامی، مختصر المعانی، نور الانوار، کنز آخیر وغیرہ پڑھیں۔ آپ جب چھٹیوں میں گاؤں تشریف لائے، تو اپنے استاد مولانا عبد الحلیم صاحبؒ سے نور الانوار بھی پڑھتے۔

اس کے بعد آپ شاہ پور تشریف لے گئے اور یہ وہ زمانہ تھا جب آپ راولپنڈی تشریف لے گئے اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا تھا۔ دوسرے سال ۱۹۶۹ء میں دوبارہ دورۂ تفسیر کے لئے پنڈی تشریف لے گئے، تو وہاں حضرت شیخؒ پنج پیر اپنے ایک شاگرد کے بیاہ کے سلسلے میں پنڈی تشریف لائے تھے تو آپ کے ایک ساتھی نے حضرت شیخؒ سے کئی سوالات پوچھے۔ حضرت شیخؒ نے جوابات دیئے، پھر حضرت شیخؒ نے بھی آپ سے ایک دو سوالات پوچھے۔ اسی تھوڑی سی محفل کی برکت سے آپ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء تک ہر سال مسلسل چھوٹے دورے، اور بڑے دورے میں شرکت کرتے رہتے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد بھی کئی مرتبہ چھوٹے دورے میں شرکت فرمایا اور حضرت شیخ القرآنؒ سے خصوصی تعلق جوڑا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخؒ آپ کو اپنے جگہ بیانات اور بعض دیگر اُمور کے لئے بھیجتے۔

شاہ پور میں آپ کے اساتذہ مولانا منارس خان صاحبؒ ان سے آپ نے کافیہ ان کے طرز پر دوبارہ پڑھی۔ شافیہ، ہدایۃ الحکمۃ اور عبد الغفور بھی ان سے پڑھیں۔ شیخ شاہ پور

حضرت مولانا محمد افضل خانؒ سے آپ نے دوبارہ شافیہ، نورالانوار اور تلخیص پڑھیں، شافیہ پڑھنے کے بعد شیخ شاہ پورؒ سے آپ نے عقود پڑھیں۔ استادِ محترم فرماتے ہیں کہ :

''شیخ شاہ پورؒ نے ہمارا امتحان لیا اور میں نے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کیا اور وہ عقود ابھی تک مجھے یاد ہے''۔

تین سال آپ نے مارتونگ میں گزارے وہاں آپ کے اساتذہ مولانا رشید احمدؒ اور مولانا امان اللہؒ تھے۔ خلاصۃ الحساب ریاضی وغیرہ مولانا سنگارؒ سے پڑھیں۔

چارباغ میں آپ کے اساتذہ مولانا محمد ادریسؒ چکیسرے، مولانا خونہ گلؒ کیمبلپور چارباغ تھے۔ مولانا اندر گلؒ عرفِ شنگرے مولوی صاحب سے بعض کتابیں پڑھیں اور ان کے ترجمہ (درسِ قرآن) میں بھی بیٹھتے۔ آپ اس وجہ سے کہ یہ شیخ القرآنؒ راولپنڈی کے شاگرد ہیں، کے درس میں بیٹھتے۔ مولانا جہانزیبؒ چارباغ سے بھی استفادہ کیا۔

تفسیر میں آپ کے دو اساتذہ ہیں۔ ایک شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ اور شیخ شاہ پورؒ سے بھی تفسیر میں کافی استفادہ کیا ہے۔

آپ جب گاؤں تشریف لائے تو آپ پہلے شخص تھے کہ علاقہ اتمان خیل ...... و خنک میں مسئلہ توحید بیان کیا۔ آپ جب کسی مسجد میں بیان کرتے تو لوگ نہیں بیٹھتے اور لڑکے آپ کو پتھروں سے مارتے۔ گاؤں کے لوگوں کے تعلقات بہت خراب تھے۔ ایک زمانہ میں جب مرکز سے مودودیوں سے بائیکاٹ کے بارے میں دو رسالے شائع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ سوات مینگورہ میں قیام پذیر تھے۔ مودودیوں نے جلسہ منعقد کیا تھا۔ اس میں مولوی عبدالرحیم اور مولانا عنایت الرحمٰن مدعو کئے گئے تھے۔ جلسہ میں مولوی عبدالرحیم نے شیخ القرآنؒ کے بارے میں کچھ کہا تو آپ نے بیان کے دوران کھڑے ہو کر فرمایا کہ :

''مولوی صاحب ! جاؤ گے نہیں مجھ سے مناظرہ کرو گے''۔

جھگڑا شروع ہوا۔ آپ اکیلے تھے اور مودودیوں کی پوری جماعت تھی، تو اس دوران بجلی چلی گئی اور آپ کے ساتھ ایک لکڑی کا ڈنڈا تھی، بس جس کے ساتھ بھی وہ لکڑی ہوتی، مودودی اس کو مارتے۔ اللہ کے خصوصی فضل وکرم سے آپ صحیح سلامت مسجد سے باہر نکلے اور مودودیوں نے ایک دوسرے کی خوب پٹھائی کی۔

۱۹۶۹ء میں جب آپ راولپنڈی تشریف لے گئے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ (علامہ سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ) راولپنڈی تشریف لائے ہوئے تھے اور تین گھنٹے طلباء کو حیاۃ النبی ﷺ کے موضوع پر درس دیتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسئلہ حیات النبی ﷺ نہایت زور وشور پر تھا۔ اسی دوران آپ نے حضرت پیر مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ سے بیعت کی اور ان کی وفات تک ان سے تعلق رکھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ حضرت الاستاد کا نہایت خیال رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب حضرت شاہ صاحبؒ کے فرزند حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری سے بھی آپ کا یہی تعلق ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے پہلے آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ سے بیعت کی تھی۔

حضرت الاستاد مرکزی شوریٰ اور صوبائی شوریٰ کے رکن ہیں۔ حضرت شیخؒ کے زمانہ میں جو مقننہ تیار ہوا تھا، اس کا عملہ گیارہ علماء پر مشتمل تھا۔ اس میں ایک حضرت الاستاد بھی تھے۔ جب جماعت اور جمیعت کے سطح پر بحث شروع تھی تو آپ نے حضرت مولانا سید سجاد بخاریؒ کے ساتھ اس موضوع پر علمی بحث اور رائے کا اظہار کیا تھا۔

حضرت الاستاد ایک صاحب قلم شخصیت بھی ہیں۔ ابھی تک آپ کے نوکِ قلم سے کئی کتابیں نکلی ہیں۔ جس میں بعض درج ذیل ہیں :

(۱) دودھ کا دودھ پانی کا پانی' روئیدادِ مناظرہ پیین کانی : اس رسالہ میں حضرت

الاستاد نے پیپن کانی کے مناظرہ کی روئیداد بیان کی ہے۔ مخالفین نے مناظرہ سے پہلے چند صفے تقسیم کئے تھے۔ اسی کا رداور حقیقتِ حال ہے۔

(۲) تبیین الحقیقت : بعض مبتدعین نے مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ سے منسوب فتویٰ دوبارہ شائع کیا تھا۔ جس کا ''الانتصار'' میں رد ہے' کی رد میں ایک رسالہ ہے مگر ساتھیوں نے ایک پوسٹر کی شکل میں شائع کیا۔

(۳) تحقیق الحق : متہ کے صاحبان نے چند مسائل معرّٰی اور بے دلیل لکھے تھے۔ اس کے رد میں آپ نے یہ کتاب لکھی ہے اور ۱۵ مسئلوں پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

(۴) صیانة المستهدی عن وسوسة بن شندی : یہ کتاب حضرت الاستاد نے مولانا خان بادشاہ صاحب کے رد میں لکھی ہے۔ استادِ محترم نے قائدِ محترم کو چند صفحات بطورِ نصیحت لکھے، جسے قائد نے مولانا خان بادشاہ صاحب پاس بھیجا اور آپ نے اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا۔ حضرت الاستاد نے اسی رسالہ کے رد میں یہ کتاب لکھی ہے۔ تقریباً چار سو (۴۰۰) سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ استادِ محترم نے نہایت اچھے انداز میں لکھا ہے۔ یہ کتاب حضرت الاستاد عنقریب چھاپ رہے ہیں۔ علماء کی آراء میں اکثر اختلاف ہوتا رہتا ہے' مگر اس اختلاف کو عوام الناس کی سطح پر نہیں لانا چاہئے۔ علماء اپنے دلائل سے ایک دوسرے کے شبہات حل کریں' تو اس میں اُمت کو فائدہ ہوتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں۔ مولانا موصوف نے حضرت الاستاد کے رد میں کتاب کیوں لکھی یا حضرت الاستاد نے مولانا صاحب کے رد میں کیوں لکھی؟ میرا مقصد یہ ہے کہ ان کی رقابت اور دوستانہ تعلقات کے ساتھ جماعت کے مشن کو ٹھیس نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کے دلائل معاصرانہ چشمک سے نہیں حق کا مثال زندہ کرتے ہوئے بنظرِ انصاف مطالعہ فرمائیں۔ تاکہ ان کی یہ صلاحیتیں جماعت کے مشن پر خرچ ہوں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو طویل عمر نصیب فرمائے۔

(۵) ردمحاکمہ : جس کا نام محاکمہ ہے کا بہترین انداز میں رد کیا ہے۔ غیر مطبوع حالت میں آپ کے ساتھ محفوظ ہے۔

(۶) تفسیر بطرز امام سندھیؒ : امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے طرز پر قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اب تک غیر مطبوع ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب منظر عام پر آئیگا۔

(۷) ایھا المسلمون فی مشارق الارض ومغاربھا :

(۸) من ادرک الرکوع فقد ادرک الرکعۃ : فقہی مسئلہ ہے کہ جس نے رکوع میں امام کے ساتھ شرکت کی، کیا اس کی رکعت ہوگئی یا نہیں؟ پر ایک رسالہ غیر مطبوع ہے۔

اس کے علاوہ حضرت الاستاد صاحب مدظلہم نے اپنے اساتذہ سے مختلف کتابوں کی تقاریر قلمبند کئے ہیں، وہ بھی آپ کے ساتھ محفوظ ہیں اور اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اللمعان اور العرفان بھی ہے، جو آپ نے ابتدائی دورِ طالب علمی میں حضرت شیخؒ کے افادات سے لکھی تھی، جسے بعد میں حضرت شیخؒ نے شائع کیا ہے۔

احقر راقم الحروف کی دلی خواہش یہ ہے کہ حضرت الاستاد سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کرے مگر میرے خیال میں تصنیف وتالیف ہی ایک ایسا شعبہ ہے جس سے لوگ استفادہ بھی زیادہ کرتے ہیں اور انسان کو زندہ بھی رکھتا ہے۔ خدا کرے استادِ محترم زیادہ سے زیادہ لکھیں۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ حضرت الاستاد دامت برکاتہم وفیوضہم کا سایہ اُمت پر تادیر قائم رکھے اور آپ کا فیض چاردانگ عالم میں پھیلے اور بندہ پر آپ کی شفقت ومحبت کا یہ رشتہ تاحیات قائم ہو۔ (آمین یا رب العلمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وکیل احناف، ناقد الرجال

مولانا خان بادشاہ صاحب مدظلہ

آپ کے والد ماجد کا نام شاندی گل ہے۔ آپ علاقہ کوہاٹ کے ایک معزز و محترم خاندان کے فردِ فرید ہیں۔ آپ مسلکاً و مشرباً حنفی، دیو بندی، اشاعتی پنج پیری ہیں۔ رب ذوالجلال نے آپ کو بے شمار اوصافِ جمیلہ سے نوازا ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ نہایت ذہین وفطین اور محنتی ہیں۔ اساتذہ کی توجہات اور شفقتیں میسر آئیں تو جوہرِ قابل نے جلد ہی اپنا مقام بنالیا، بالخصوص شیخ العرب والعجم مولانا محمد طاہرؒ کے درس وصحبت' اصلاح وتربیت میں تو مردم سازی کی بڑی شان تھی۔ دورِ طالب علمی میں آپ کو حضرت شیخؒ کی سرپرستی حاصل رہی۔

آپ کو اللہ نے تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کا بے مثال ملکہ عطا فرمایا ہے۔ آپ کے قلم میں بلا کی روانی، طوفان کی تیزی اور تلوار کی کاٹ ہے۔ یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ اسماء الرجال کے فن میں آپ یقیناً اس وقت امامت کے درجے تک پہنچ چکے ہیں۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا لکھنے کا حق ادا کردیا، آپ نہایت انوکھے اور اچھوتے انداز میں لکھتے اور دلائل وبراہین کے انبار لگادیتے ہیں۔ تصنیف وتالیف کا ذوق اور ملکہ ایک وہبی چیز ہے۔ کتاب پڑھنا جس قدر آسان ہے لکھنا اسی قدر مشکل، مگر اللہ نے زہد وورع، تقویٰ وپرہیزگاری، قوتِ حافظہ، ذہانت وذکاوت کی دولت کے ساتھ ساتھ ادبی اور تصنیفی ذوق وافر عطاء فرمایا ہے۔ قرآن وحدیث میں تحقیق کے میدان میں آپ نے اچھے

اچھوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

آپ کا اندازِ تحریر نہایت ناقدانہ ہے۔حتیٰ کہ اپنے جماعت کے ساتھیوں پر بھی نقد فرمانے سے نہیں ہچکچاتے۔آپ کے قلم بفضلِ تعالیٰ سے اب تک پچاس سے زائد تصانیف وتالیفات منظرِ عام پر آئیں۔ذیل میں ان کی تصانیف کی طویل فہرست ہدیۂ قارئین ہے:

(۱) ارشاد الناظر فیما افتری به الفوی الفاجر علی الائمة الاکابر (عربی) (۲) الصواعق المرسله علی الملا الداجوی و اتباعه الطاغیة (۳) الیواقیت الخفیه علی الاعتراضات الداجویة . (۴) تطهیر الجنان واللسان (۵) رفع اعلام عن المأموم و الامام (۶) السکین (۷) الفتاویٰ (۸) اشهاب الناریة علی من رد علی العقیدة السلفیة (۹) القول المبین فی اثبات التراویح العشرین (۱۰) فصل الخطاب علی من یحر السواد بالخضاب (۱۱) تشریح فتویٰ خطیب مکة المکرمه (۱۲) مسرة علی من یقول بوجوب الصلوتین (۱۳) حقیقة المناظره فی دارالعلوم تهل (۱۴) الشهاب المبین (۱۵) تحفة الکرام بمن تکرم فی المهد بالکلام و هو عیسیٰ علیه السلام (۱۶) المسامیر الناریه علی المقالات الفریدیه (۱۷) الارشاد المفید لعلماء اشاعة التوحید (۱۸) التحفة العجیه لاهل السنة والشیعه (۱۹) الصارم المسلول علی من بفضل الولی علی الرسول (۲۰) التنبیه الطالب علی عدم نفاق ثعلبة بن حاطبؓ (۲۱) الصارم المسلول علی من بدل دین الرسول (۲۲) تسکین الخاطر لاعمال مولانا محمد طاهرؒ (۲۳) قرة العیون بما علیه السلف الصالحون (۲۴) السیف السقیل علی ابن نیلاک الذلیل (۲۵) تدقیق الکلام علی تدقیقات مولوی عبدالسلام (۲۶) اقامة البرهان علی مکائد الشیطان

(۳۳) قلائد العقیان فی عجائب اہل الزمان (۳۴) الجواهر الثمین فی تحقیق المسائل عشرین (۳۵) الدرة النفسیه فی المسائل الحدیثه (۳۶) الرسالة اللامعة لمضل الرابطه (۳۷)مقامع الحدید علی من یکفر اهل التقلید (۳۸)الیاقوت الحمراء علی من ینسب الشرک الی آدم و حوا علیهما السلام (۳۹) النبی المغفور سماه الظالمون بالمسحور (۴۰) کشف الغطاء عن علم آصف بن برخیا (۴۱) اللؤلؤ والمرجان فی حل مشکلات القرآن (۴۲) جواهر الحسان فی تفسیر القرآن بالقرآن (۴۳)السیف الشهیر علی من ترک المذهب لدراهم و الدنانیر (۴۴)المقامع الحدید به علی خرافات الصفدریه (۴۵) الرد المنظوم فی مناقب الامام المظلوم (۴۶) قرة العینین فی تحقیق المسئلتین (۴۷)الجواب المحرق السری علی شاطن المهجور الغوی (۴۸) التفقید الجوهری علی خرافات سردار جی (۴۹) اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم (۵۰) البرهان الجلی علی مسنونیة الذکر الخفی۔

حضرت علامہ ماشاء اللہ سے ابھی حیات ہیں۔ اللہ ان کی عمر میں برکت ڈالے تاکہ قرآن وسنت کے سلسلے میں اسی طرح تحقیقی وتعمیری کام کرتے رہیں اور ہم جیسے فقیر طالب علموں ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہے۔

حضرت علامہ مدظلہٗ عرصۂ دراز سے دولۃ قطر میں مقیم ہیں۔ وہاں آپ کو حکومت کی طرف سے ایک بڑے عہدہ پر فائز کیا گیا ہے۔ آپ کا ذخیرۂ کتب نہایت شاندار ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر تصنیف وتالیف مبرہن ومدلل ہوا کرتی ہے۔

آپ نے مسئلۂ توحید، رد شرک و بدعت میں نہایت تکلیفیں برداشت کی ہیں، یہاں تک کہ کسی نام نہاد مفتی کے فتویٰ کی وجہ سے آپ کا گھر تک جلا کر آپ کو علاقہ بدر کر دیا گیا۔

اہلِ بدعت کے ساتھ مناظرے بھی ہوئے ہیں۔ان میں بعض مناظروں کی آپ نے اپنی تصنیفات میں منظر کشی بھی کی ہے۔جیسے حقیقۃ المناظرہ فی دارالعلوم تھل وغیرہ اور بعض ایسے مکاتبتی بحث ہوئے جسے انہوں نے مسامیر وغیرہ کتابوں میں شامل کر دیا ہے۔

مولانا موصوف بہت سے اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔اہلِ باطل سے ہار ماننا گویا ان کی سرشت میں ہی نہیں۔بڑے بڑے اہلِ بدعت ان کے تحریرات کے مقابل قطعاً بے بس اور لاجواب ہو کر خاموش ہو چکے ہیں اور ہمارا یہ تبصرہ مبالغہ آرائی قطعاً نہیں بلکہ واقعۃً یہی ہے۔شیخ خان بادشاہ جماعت اشاعت کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔خصوصاً ایسے دور میں جب دینِ اسلام کے خلاف نبرد آزما قوتوں نے دین کا لبادہ اوڑھ کر پیغمبری تعلیمات کو مسخ کرنے کی مذموم کوششیں اپنی انتہاء پر ہیں۔ایسے حالات میں شیخ خان بادشاہ اور ان جیسے دوسرے علمائے اشاعت کا وجود ربِ کریم کا اُمت پر ایک بہت بڑا احسان ہے، جنہوں نے اللہ کی نصرت سے اپنے علم اور بے پناہ تحقیق کی صلاحیتوں کو پوری قوت سے استعمال کرتے ہوئے باطل کی بنائی گئی بھول بھلیوں کے طلسم کو توڑ کر رکھ دیا۔علامہ خان بادشاہؒ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق بحث کرنا کم از کم مجھ جیسے حقیر وفقیر طالب العلم کے لئے تو نہایت دشوار ہے۔البتہ ان کی مدح وتعریف میں یہ جو سطور تحریر کر پایا ہوں، ان شاء اللہ ہم جیسے طالب علموں کے لئے فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔

مولانا مدظلہٗ نے اَن گنت اور محقق تصنیفات لکھ کر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کی گویا یاد تازہ کر دی۔ہماری دلی دعا ہے کہ خدا ان کے علم وقلم کو یونہی جوان اور سدا بہار رکھے اور ان کی عمر میں طول عطاء فرمائے تا کہ اُمت ان کے فیض سے کئی زیادہ مستفید ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا

محمد یار بادشاہ صاحب مدظلہٗ

آپ کا تعلق باجوڑ ایجنسی سے ہے۔ حضرت شیخ القرآنؒ کے خصوصی تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نہایت رقیق القلب انسان ہیں، خوف وخشیت من اللہ کا طبیعت پر اکثر غلبہ رہتا ہے، کافی عرصہ سے دار القرآن پنج پیر میں احادیث نبویہ ﷺ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ اعلیٰ پایہ کے ایک گمنام شیخ الحدیث ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر میں اس وقت علمی طور پر آپ سے بڑا شیخ الحدیث موجود نہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کو ان کے قریب جا کر پرکھا جاسکتا ہے۔ آپ جیسے مایہ ناز عالم ہیں اتنے ہی عارف بھی ہیں۔

عارفی کچھ دل کی خلوت ہی میں ملتا ہے سکون
جب کبھی دنیا کے ہنگاموں سے گھبراتا ہوں میں

آپ بجا طور پر ایک خدا مست اور عباد الرحمٰن کی عملی تفسیر ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کے نماز سے محبت کے بارے میں سننے میں آیا ہے کہ آپ جماعت اور پابندیٔ وقت کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" کے معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔ ان کی حالاتِ زندگی انہی کے الفاظ میں نذر قارئین ہیں۔

نام، ولدیت، تاریخِ پیدائش، سکونت :

ابونعمت اللہ محمد یار بادشاہ بن سید احمد عرف میاں گل صاحب بن سید قمر شاہ عرف

بادشاہ صاحب، تاریخِ پیدائش ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۵ء، سکونت باجوڑ ایجنسی سلارزئی گاؤں بڈمالی قریب فشت۔

ابتدائی تعلیم :

اپنے والد ماجد سے ناظرہ قرآن پڑھا۔ خلاصہ، منیۃ المصلی، اردو فارسی مولانا محمد امین المعروف مولانا خال صاحب سے پڑھیں۔ صرف ونحو مولانا گل شہزادہ صاحب المعروف سرکئی بابا سے سرکئی سخا کوٹ میں پڑھیں۔ کافیہ اور مسائلِ منطق مولانا عنایت اللہ صاحب اور مولانا محمد شعیب چکیسر والے سے پڑھیں، اُصولِ فقہ اور فقہ مولانا محمد صدیق المعروف اجمیر بابا سے قلیل عرصہ میں پڑھیں، اکثر اُصولِ فقہ اور فقہ مولانا محمد صدیق چونگی بابا اور میراث اور ادب کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں اور موقوف علیہ مولانا عنایت الرحمٰن صاحبؒ سے اور پھر انہی سے مشکوٰۃ، بیضاوی، مسلم الثبوت، تلویح بھی پڑھا۔ ہدایہ، جلالین اور بعض کتب مولانا نقیب احمد صاحب سے پڑھیں اور تفسیر قرآن پاک مسلسل تین چار سال شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحبؒ سے پڑھتے رہے۔

واقعہ :

دورۂ تفسیر کے دوسرے سال قرأت کا مقابلہ ہوا۔ باجوڑ کے طلبہ کے ساتھ مولانا ضیاء الرحمٰن کوثری نے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم بھی قرأت کے مقابلہ میں شریک ہو جاؤ۔ میں نے عذر پیش کیا کہ میں دورۂ تفسیر کی کتابت کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر ان کے اصرار پر شرکت کرنے پر مجبور ہو گیا، مقابلہ شروع ہوا۔ پہلے دن مقابلہ کرنے والے زیادہ تھے۔ دوسرے دن چار باقی رہے۔ تیسرے دن ایک میں رہ گیا، دوسرا تیراہ کا ایک قاری تھا، پھر شیخ القرآنؒ نے اس کو بھی مقابلے سے باہر کر دیا۔ شاید اس لئے کہ شیخ القرآنؒ

اونچی آواز اور عجلتِ قرأت پسند کرتے تھے۔طلبہ نے پوچھا کہ کیا تم حافظِ قرآن ہو؟میں نے کہا کہ والد صاحب سے قرآن ضبط کیا اور عادتِ تلاوت سے یہ فیض حاصل ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہمیشہ میں ہی قاری رہا۔شیخ القرآنؒ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

دورۂ حدیث اورسنِ فراغت :

۱۹۷۲ء میں دورۂ حدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی زیرنگرانی شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مینوی صاحب اور مولانا عبدالمنان صاحب سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

شیخ القرآنؒ سے دوبارہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پڑھے اور ساتھ ساتھ دورۂ تفسیر بھی پڑھا۔

تدریسی خدمات :

شیخ یار بادشاہ صاحب نے فرمایا :

''جب میں فارغ ہوا تو بعض کتب کی تکمیل کے لئے سوات چلا گیا۔شیخ القرآنؒ نے بعض طلبہ کو میرے نام خط دے کر سوات بھیجا۔اس خط میں تحریر تھا کہ تورڈھیر چلے آؤ، تورڈھیر والوں نے شیخ القرآنؒ کے حکم پر مجھ سے درسِ قرآن کا مطالبہ کیا۔میں نے دو سال درسِ قرآن پڑھایا، پھر ۱۹۷۳ء میں شیخ القرآنؒ نے بلا کر فرمایا کہ :

''تم دارالقرآن میں دورۂ حدیث پڑھاؤ۔اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں۔اب صرف دورۂ تفسیر پڑھاؤں گا اور تم اس لئے تدریس شروع کردو کہ ہمارے طلبہ دوسری جماعتوں کے مدارس میں جب جاکر پڑھتے ہیں تو ذہنی طور پر وہاں کے مدرسین کا اثر قبول کرجاتے ہیں''۔

میں نے عرض کیا کہ میں پہلے فنون پڑھانا چاہتا ہوں' پھر دورۂ حدیث پڑھاؤں گا' اس پر شیخ القرآنؒ نے بڑے لطیف پیرائے میں فرمایا کہ :

''جب گھوڑے کی سواری کی سہولت تمہیں ہے تو گدھے پر کیوں سوار ہونا چاہتے ہو''۔

حضرت شیخ القرآنؒ کے حکم سے مجبور ہو کر میں تورڈھیر سے پنج پیر چلا آیا۔ دورۂ حدیث میں شیخ القرآن کے ذمہ بخاری و مسلم اور میرے ذمہ ترمذی اور ابوداؤد کی کلاسز تھیں۔

دو تین سال فنون بھی پڑھائے۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ میں فنون کو چھوڑ کر صرف دورۂ حدیث پڑھاؤں لیکن ادب کی وجہ سے میں شیخ القرآنؒ سے اظہار نہ کر سکا، لیکن شیخ القرآنؒ میری تمنا کو بھانپ کر مجھے کہا کہ چلو فنون چھوڑ دو اور صرف دورۂ حدیث پڑھاؤ۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا میں نے شیخ القرآنؒ کے بخاری و مسلم کے امالی بھی قلمبند کیے۔

حضرت شیخ القرآنؒ جب دنیا سے رحلت فرما گئے تو دورۂ حدیث کی تمام کتب میرے ذمہ ہو گئیں۔ دو سال میں اکیلے پڑھاتا رہا، پھر دو سال بعد میں نے دو کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری مولانا محمد طیب صاحب کے حوالے کی۔ چند سال بعد جب مفتی صاحب (مفتی سراج الدین صاحب) نے موقوف علیہ پڑھانا مکمل کیا تو ابوداؤد اور مسلم جلد ثانی ان کے حوالہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ بندہ نے ۱۹۷۳ء سے دورۂ حدیث کا پڑھانا شروع کیا۔ ۳۲ سال بحمد اللہ حدیث کی خدمت کی اور اس عرصہ دار القرآن سے ۲۰۰۰ سے زائد طلبہ فارغ ہوئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم تادمِ آخر مجھ سے احادیث نبویہ کی خدمت لے''۔ (آمین)

بیعت ومجاز :

فرماتے ہیں :

''میں شیخ القرآنؒ سے بیعت بھی ہوں اور اُن ہی کا خلیفہ مجاز بھی ہوں''۔

جماعتی عہدہ :

شیخ الحدیث باچا صاحب کو جماعت اشاعت التوحید صوبہ سرحد کی جانب سے امارت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ اللہ کریم سے دُعا ہے کہ شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی عمر میں برکت ڈالے تاکہ تشنگانِ علومِ حدیث ان کے فیض سے مستفیض ہوتے رہیں۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خطیب العصر شیخ الحدیث والقرآن

مولانا غلام حبیب صاحب

علم و فضل، راست گفتاری، اصول پسندی، استغنا، امانت و دیانت، ایمان و یقین عزم و ہمت، فصاحت و بلاغت، بیان و خطابت، شخصیت کی دلآ ویزی، خلقی و فطری محبوبیت اسلاف سے بے مثال محبت، حکمت و تدبر اور خلوص کا ایک دریائے بیکراں ان تمام عناصر کو یکجا کرنے سے جو انسانی تصویر اُبھرتی ہے وہ ہے حضرت مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہم جیسی شخصیت کی تصویر .... ؎

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

آپ اشاعت التوحید والسنۃ کے عظیم مبلغ و داعی اور مفکر ہیں۔ صوبہ سرحد کی امارت بھی ان کے ذمہ ہیں، گویا یہ سمجھئے کہ آپ صوبہ سرحد میں جماعت کے روحِ رواں ہیں۔

درس و تدریس میں خداوندِ قدوس نے ایک بلا کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ دور دراز سے طلباء کی جم غفیر ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ بالخصوص دورۂ تفسیر اور دورۃ الصغریٰ (موقوف علیہ) میں تو آپ کو شانِ محبوبیت حاصل ہے۔

آپ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے ارشد تلامذہ میں سے شمار ہوتے ہیں، وہ جنہوں اپنے کے مسلک و مشرب پر قائم رہ کر اپنے

اساتذہ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اسی مشن کو زندہ کرنے کے لئے آپ نے ویسہ اٹک میں ایک مرکزِ علمی ''مدرسہ جواہر القرآن'' کے نام سے قائم کیا ہے اور وہیں آپ لوگوں کے عقائد کی درستگی کے لئے رجال کو تیار فرما رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ دور دراز کے علاقوں میں بیانِ توحید وسنت اور ردشرک وبدعت کے لئے لوگوں کی دعوت پر باوجود بیماری کے (اللہ کریم صحتِ کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے) تشریف لے جاتے ہیں۔

الغرض ...... حضرت شیخ مدظلہ، سراپا متبع سنت وداعی توحید وسنت اور اکابر کے مشن کے عظیم علمبردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

احقر کو اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کہ اس کو حضرت شیخ صاحب مدظلہ کے تفصیلی حالات نہ مل سکے۔ حضرت شیخ کے فرزندوں سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ حضرت کے حالات بھیج دیں تاکہ آئندہ انشاء اللہ شامل اشاعت ہو۔

شیخ صاحب مدظلہ کے چند مشہور تلامذہ کی فہرست درج ذیل ہیں :

☆ قائد انقلاب، شیخ القرآن بن شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب مدظلہ ☆ شیخ القرآن مولانا امیر حسین باچا ☆ مفتی حبیب اللہ کوئٹہ ☆ مولانا عبدالقدس باچا ☆ مولانا عبدالوکیل صاحب ☆ مفتی مجتبیٰ صاحب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ القرآن حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب

عرفِ خطیب اوگی

اکابر کی سوانح اپنے الفاظ میں لکھنا ''کارے دارد'' انتہائی نازک ومشکل کام ہے۔احقر کو اپنی کج فہمی اور کم مایگی کا اعتراف ہے اور بے ادبی بھی سمجھتا ہوں کہ اکابر کی حالات اپنے الفاظ میں لکھوں لیکن بہر حال اب یہ بے ادبی عادت بن گئی ہے مگر پھر بھی مخدوم ومکرم اُستاذ العلماء، بقیۃ السلف شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب عرفِ الخطیب صاحب کے سوانح وحالات انہی کے قلم سے نذرِ قارئین ہے، اس لئے کہ اس میں تاثیر زیادہ ہوگی ....

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنیٰ کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

....

حامداً ومصلیاً!

چونکہ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحنان رحمۃ اللہ علیہ نہایت مفلس اور مسکین تھے، اس لئے ۱۲ سال کی طالب علمی میں احقر گھر کی امداد سے محروم رہا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ کی وفات جو کہ ۵۰ سال قبل نہایت سردی میں ہوئی تھی، اُسی سال استادِ محترم ولی کامل صاحب کشف وکرامات حضرت احمد علی لاہوریؒ نے میری مفلسی اور انتہائی غربت کو دیکھ کر لنڈا بازار سے پرانا کمبل منگوا کر اپنے ہاتھ مبارک سے دیدیا، جس

کو سردیوں میں اوپر اوڑتا اور گرمیوں میں نیچے بچھاتا اور چار اینٹ میرا سرہانہ تھا، اگرچہ کمبل یقیناً پرانا تھا، ذرا سوچو دنیا کے مقابل یہی میرا حقیقی خزانہ تھا اور قاسم العلوم میں حضرت لاہوریؒ کا دیدار میرا بہانا تھا۔ عیش و عشرت کجا کپڑوں میں کئی پیوند اور گرھے لگے ہوئے تھے، بوٹ و چپل تو درکنار ننگے پاؤں پھرتا تھا، مگر علم کی از حد محبت اور شوق میں پہاڑوں کے راستوں کو چیرتا تھا۔ مدرسہ قاسم العلوم حضرت لاہوریؒ کے پاس دو سال رہ کر فارغ وقت میں کافیہ کے لئے برادرم محترم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کے پاس روزانہ جامعہ اشرفیہ ننگے پاؤں پیدل جایا کرتا تھا تاکہ آئندہ سال جامعہ اشرفیہ میں شرح ملا جامی کے لئے داخلہ مل جائے۔

سو قاسم العلوم کے دفتر والوں کو پتہ چلا تو میرا وظیفہ بند کر دیا۔ پس عاجز فقیر دنیا کے مسکین نے دیکھا کہ جیب میں صرف دو روپیہ موجود ہے اور سالانہ امتحان کو ایک ماہ باقی ہے تو دو روپیہ کا چنا لے کر عوض میں دو روپیہ دے کر علم کی ایک عظیم محبت دامن گیر ہو کر گذارہ شروع کیا۔ درس اور مطالعہ حسبِ معمول جاری تھا اور کافیہ کا سرور ساری تھا اور حضرت لاہوریؒ نے جمعہ کی نماز کے وقت موٹر سائیکلوں اور سائیکلوں کے لئے ایک بڑا ہال مقرر فرمایا تھا تو مجھے فرمایا کہ بجے ایک گھنٹہ اس کی حفاظت کر کے پھر نماز کے لئے دروازہ بند کر کے آؤ اس خدمت پر مجھے حضرت لاہوریؒ کی طرف سے صرف چار آنے ملتے تھے، وہ دو روپیہ اور اس چونی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت ڈالی کہ ایک ماہ چنا کھا کر گذر گیا مگر علم کی محبت میں کمی نہیں آئی اور میں نے روٹی وغیرہ کچھ نہیں کھایا اور نہ شکایت کی اور نہ دوستوں کو بتایا۔ رنگ میں فرق پڑ گیا مگر اللہ نے علم کا ذوق سکھایا جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام خاندان میں جملہ علوم و فنون کا ہلچل پیدا ہوا اور عاجز فقیر نے ہزاروں دفعہ کہہ دیا کہ اگر پاکستان کی حکومت بغیر ووٹ اور نوٹ اور کوٹ اور بغیر پانچ سالہ .... (بے پیسو بے قصو) ہمیشہ کے لئے اس شرط پر مجھے دے کہ علم کی خدمت چھوڑ دوں تو میں اس سودا کے لئے تیار نہیں اور شاید خفگی

سے دل پٹ جائے ۔ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

تاہم مدرسہ قاسم العلوم لاہور کے امتحان میں بحمد للہ اوّل پوزیشن حاصل کر کے اوگی آنے کی فکر ہوئی کہ جیب شریف تو خالی ہے (ڈ میر دین جماعت دیے) اور پانچ روپیہ کرایہ ہے ۔سو حوض کے قریب بیٹھ کر وضو بنا تا ہوں کہ دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے پانچ روپیہ کا کرایہ مانگوں ۔اچانک ایک شخص آیا اور مجھے نیا (کڑاکدار) نوٹ پانچ روپیہ دے کر واپس چلا گیا۔ چنگا بھلا میں نے اللہ کا شکر ادا کر کے (زوڑ) جیب شریف میں محفوظ کر کے اوپر ہاتھ رکھا، پھر نکالا کہ پانچ ہے یا ایک اس لئے کہ پانچ تو بڑی شئی ہے۔ غور سے دیکھا کہ پانچ ہے، نہایت ہی خوش ہوا، صرف کرایہ ہو کر بغیر کھانا کھائے گھر آیا۔

اگست ۱۹۵۹ء میں میری شادی تھی تو بوجہ غربت والد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پڑوسی سے پگڑی اور جوتا عاریۃً لیا تو دو دن کے بعد وہ مجھ سے لے لیا۔ سو میں نے حسب سابق بغیر پگڑی اور ننگے پاؤں پھرتا رہا اور ساتھ یہ بھی کہتا رہا (پردے کٹ ترنیمے شپے وی)۔

۱۹۶۳ء موضع جھجوی میں نے توحید پر تقریر کی تو تمام گاؤں والے قتل کے لئے کھڑے ہوئے اور سب نے کہا مارو۔ اس کافر گمراہ وہابی کو سب کا پکا ارادہ تھا، مگر میرے گاؤں والے اور قرابت کے حضرات موجود تھے۔ میرے چچا شمس الرحمٰن جو کہ ینگ نوجوان تھے کھڑے ہو کر کہنے لگے (زما رورا ہ تہ کۂ چا څۂ اووے بنځه به ترے واخلم) اس کا بڑا بیٹا اللہ تعالیٰ نے اس کہنے کی وجہ سے ایک بہترین قابلِ فخر عالم باعمل بنایا جو کہ دار العلوم حقانیہ کے سابق مفتی اور اب جامعہ عثمانیہ کے مہتمم برادرم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مفتی غلام الرحمٰن جو کہ میرے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔

اس کے بعد میں نے تبلیغ والوں سے کہا کہ اس گاؤں میں زیادہ محنت کر، شاید بہتر ہو جائے ۔ چنانچہ اس دفعہ ۲۰۰۶ء ایام الزلزال میں میں نے رائے ونڈ میں سینکڑوں دیکھ

لئے، اللہ تعالیٰ رائے ونڈ والوں اور تمام مدارس اور علماء وطلباء ومجاہدین اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

دسمبر ۱۹۶۵ء جنگ کے دوران اوگی ایف سی مسجد آیا تو دس سال بغیر تنخواہ کے بھوکا پیاسا امامت، خطابت اور قرآن ومشکوٰۃ کا درس دیتا رہا اور مسجد کے وضوء خانوں اور غسلخانوں اور استنجاء خانوں اور صحن کی صفائی کرتا رہا، دور سے پانی خود لاکر لوٹوں کو باقاعدہ بھرتا رہا۔ سڑک پر گذرنے والوں سے کہتا رہا کہ آؤ نماز پڑھو، مجھ سے نہ لڑو، گذرنے والے کہتے کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو بلکہ ہمیشہ اس سے لڑو، یہ میرا داستان ہے کچھ حصہ اس کا پڑھو۔

ایف سی مسجد میں دو اکوڑ کے درخت تھے، خود پھل جاڑ کر صاف کر کے فروخت کرنے کے بعد رقم پر لوٹے خرید کر مسجد میں رکھتا تھا، شبہے کی وجہ سے خود استعمال نہیں کیا توحید وسنت دینی علمی خدمات کے لیے محتاجی، فقر وفاقہ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

کئی مسجدوں سے بار بار اطلاع آئی کہ آپ فقیر محتاج، عیالدار ہیں اور کوئی بندوبست بھی نہیں۔ ہم آپ کو ان شاء اللہ سب کچھ دیں گے تو میں نے کہا یہ بھی تو مسجد اور اللہ کا گھر ہے، جنت کی چوڑائی کا بہت بڑا اَبر ہے، وہ انسان بے غیرت ہے جو دنیوی مفاد کے لئے اللہ کا گھر چھوڑے (خلق بنځه نۀ پر بړدی او زۀ دَ خدائے جماعت پسر بړدم) اور مقصد ہو صرف دنیوی چند جوڑے اور اب بھی ۱۲ سال سے مسجد ابن عباس کی امامت اور درس یقیناً بلا تنخواہ وبلا مفاد کرتا ہوں اور اللہ کی بخشش سے جھولی بھرتا ہوں، پھر اور کیا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا اور جھولی ہمیشہ بھرتا رہوں گا، پھر کیا کروں گا، سال بھر قرآن و حدیث کا درس ہوتا ہے، کوئی پیار سے سننے والا اور کوئی سوتا ہے، کسی نے فائدہ لیا اور کوئی کرنے کے بعد روتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اللہ کرتا ہے، سو وہی ہوتا ہے۔

ہائی سکول اوگی کے ہیڈ ماسٹر فرید خان نے میری غربت محتاجی، شکستہ حالی کو دیکھ کر مجھے شوق سے کہا کہ آپ کی سند جامعہ اشرفیہ کی ہے جو کہ بہت ہی معتبر ہے، ہم آپ کو نوکری دے دیں گے۔ باوجودیکہ چار پانچ گھروں سے وظیفہ آ کر اس پر گذارا کر کے بغیر چائے وغیرہ دس سال نہایت ہی شاق اور تکلیف سے گذارے، مگر سکول کی نوکری قبول نہیں بفضل اللہ نتیجہ یہ نکلا جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اوگی کے جامعہ سے بلاواسطہ ہزاروں علماء، قراء، حفاظ اور دین کے درد رکھنے والے خادم نکلے اور ایف سی آنے کے بعد قرآن وحدیث کے درس کے صلہ میں دس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرا انتظام بنایا اور مجھے ماہانہ ۱۰۰ روپے تنخواہ ملی جبکہ میری ناگفتہ بہ حالت کے باوجود اہل بدعت نے بھاری رشوت دے کر ظالمانہ بہیمانہ حرکت کی جو نہ چلی۔

اور دوستوں کے اصرار پر دس سال بعد مدرسہ سے ۴۰ روپیہ تنخواہ پہلی بار شروع ہوئی اور دل میں ارادہ تھا اور گھر کے بچوں کو کہہ دیا کہ جب کبھی توفیق ہوئی تو مدرسہ کی سب تنخواہیں واپس دیں گے اور اگر توفیق نہ ہوئی تو اس کہنے کا ثواب ضرور ملے گا۔ اس لئے کہ انما الاعمال بالنیات۔

توحید وسنت کی احیاء اور شرک وبدعت کی تردید کے دوران زیادتیاں

کئی بار قتل کا منصوبہ بنایا گیا اور دھمکیاں بھی دی گئیں اور اذیتیں دینا تو بے شمار ہیں۔ ۳۶ سال پہلے ایک جگہ توحید کا مسئلہ سنایا تو گاؤں کے بڑوں نے بچوں سے کہا کہ ان کو گاؤں سے نکال کر پتھروں سے مارو۔ الحمد للہ طائف کی سنت زندہ ہوئی۔

اور ایک جگہ اسی دورانِ بیان توحید کے مسئلہ پر ایک شخص نے بندوق سامنے کر کے فائر کا ارادہ کیا، مگر پورا نہ ہو سکا اور دوسرے وقت خود دشمنوں کے ہاتھوں سے بندوق کے ذریعہ پنڈلیوں پر مارے گئے اور گاؤں سے نکالے گئے جو کہ قرآن کا معجزہ ہے۔

تاہم اس جیسے سینکڑوں گاؤں میں ایسا ہی ہوا، مگر ان تمام گاؤں میں ابھی ہزاروں تلامذہ اور شاگرد پیدا ہو کر آمد پر پُرجوش استقبال کرتے ہیں۔ اوگی کے چوک میں ایک آدمی آیا بڑے شوق میں اور میرے چہرے پر تھوک دیا، بڑے ذوق میں تو احقر نے دل میں کہا سوچ میں کہ اگر کچھ کردوں تو شاید بڑی لڑائی اور قتل مقاتلہ کا سبب بنے، تو کیا یہ اچھا نہیں کہ اس کو چھوڑ دوں۔ یہیں سو اس کا فائدہ ملے گا وہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھوک بھی اور خاک و پتھر بھی پھینکے گئے تھے، میں تو وہ نہیں ہوں، صبر کیا اور پھر وہی آدمی کچھ وقت کے بعد اپنی آنکھوں سے دیوانہ دیکھا۔

باہر کے ایک آفیسر نے اوگی میں اپنے نوکر سے کہا جو کہ اوگی کے تھے کہ اس مولوی صاحب سے کہہ دو کہ میں بٹگرام سے واپس آؤں تو یہ لوڈ سپیکر اور اس کا کنبہ وغیرہ اور اس پر درس نہ رہے۔ صبح کے درس کے وقت وہ نوکر آیا اور پیغام پہنچایا تو میں نے درسِ قرآن کے وقت طلباء سے کہہ دیا کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیدے اور گر عند اللہ ہدایت کا قابل نہیں تو اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ کے اندر اس کا جسم جوڑوں سے جدا کرے۔ سو بڑی عظیم بیماری لگی۔ اوگی سے ایبٹ آباد اور پھر فوراً لاہور بڑے ہسپتال پہنچائے گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کا جسم جوڑوں سے جدا کر دیا اور ہفتہ میں مر گئے اور پھر اس کی بیوی میرے گھر میں آ کر کہنے لگی: خطیب صاحب! میرے اور میرے بچوں کے لئے دعا کریں میں معافی مانگتی ہوں اور جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔

اس کے بعد دوسرا آفیسر پٹھان سوات سے تبدیل ہو کر آیا اور سنتے ہی پیار اور محبت کا اظہار کیا کہ مجھ سے ہو سکے میں خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے کنویں کے متعلق کہہ دیا کہ کنواں بنوایا ہے، مگر کنبہ اور میٹر بجلی کا بندوبست نہیں ہے، کرنے والے نہیں کرتے ہیں، تو ۲۵ سال پہلے چار ہزار کی رقم خرچ کر کے کنبہ اور میٹر خرید

کر بجلی کا بندوبست ہو گیا جو کہ اب بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

فنون کئی جگہوں اور مختلف علماء سے پڑھیں اور بالخصوص والد محترم استاد کل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ سے تصریح شروح چغمنی خلاصۃ الحساب صدرا قاضی اُمور عامہ سراجی شریفیہ مثنوی مولوی اور برادرم مفتی عزیز الرحمٰن سے ملا جلال میر زاہد اور حرز الامان اور قاری عطاء اللہ اور قاری شاکر اور قاری زاکر سے روایت حفص اور قرأۃ سبعہ عشرہ اور شاطبی۔ اور ۶۳۔۱۹۶۴ء میں حدیث کی کتابیں دنیا کے عظیم بڑے علماء شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ اور استاد کل فی الکل شیخ المشائخ حضرت علامہ محمد رسول خانؒ سے اور قرآن کی تفسیر شیخ القرآن علامہ حضرت غلام اللہ خانؒ اور شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد طاہر رحمہم اللہ سے پڑھی اور شیخ القرآن علامہ محمد طاہرؒ اور پیر طریقت حضرت علامہ عنایت اللہ سے بیعت مجاز ہوں اور دیانتداری، امانت داری اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں حضرت مفتی محمد حسنؒ جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ محمد یوسف بنوریؒ اور شیخ احمد علی لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بہت ہی متاثر ہوں۔

شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے درس کا بہار

۵۰ سال قبل شیخ القرآنؒ کے درس کے حوالہ جات سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً قرآن یاد کرنا شروع کیا، اکثر ایک پاؤ کبھی نصف پارہ اور بہت کم ایک پارہ اور چار ماہ میں کامل قرآن یاد کر کے متصل رمضان میں سنایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اب بفضل اللہ کل خاندان میں بچے بچیاں سب حفاظ، قراء اور علماء ہیں جبکہ پہلے صرف علم کا خاندان تھا۔

احقر الافقر سعید الرحمٰن اوگی خادم العلم والعلماء ۳۰ رشوال ۱۴۲۷ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مناظر اشاعت مولانا فضل حق صاحب

آپ کا تعلق ضلع سوات سے ہے۔ حضرات شیخینؒ کے تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا موصوف معقولات پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ مشہور مناظر بھی ہیں۔ شیخ القرآنؒ اپنی جگہ ان کو مناظروں کے لئے بھیجا کرتے۔ بقولِ استادِ مکرم مولانا سلطان غنی عارف الطاہری کے کہ :

''شیخ القرآنؒ کے تلامذہ میں یہ شرف مجھے اور مولانا فضل حق کو حاصل ہے کہ شیخ القرآنؒ نے ہمیں اپنے قائم مقام مناظروں کے لئے بھیجا''۔ پھر واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ نے تہکال پشاور میں دورانِ بیان غیر مقلدین پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ :

''جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی''۔

اس پر اگر کوئی مناظرہ کرتا ہے تو میرے دو طالب علموں سے مناظرہ کرے، پھر مجھے (شیخ عارف) اور مولانا فضل حق صاحب کو مناظرہ کے لئے بھیجا، مگر غیر مقلدین اپنی عادت کے مطابق مناظرہ کے لئے نہیں آئے۔

واقعی یہ بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے کہ استاد کا اعتماد شاگرد کو حاصل ہو۔ مولانا مدظلہ بے شمار اوصاف کے مالک ہیں، جس میں صاف گوئی وحق جوئی، شجاعت و بہادری جیسے اہم اوصاف موجود ہیں۔ آپ نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ کے مرکزی رہنماؤں میں سے تھے اور اس سلسلہ میں کئی دفعہ جیل گئے ہیں اور اشاعت التوحید والسنۃ صوبہ سرحد کے مرکزی رہنماؤں میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ہر سال شعبان و رمضان میں دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں، جس سے سینکڑوں عوام وخواص مستفید ہوتے ہیں۔

شیخ القرآن مولانا ولی اللہ کابلگرامی

آپ ضلع شانگلہ کے کابلگرام کے رہنے والے ہیں۔ حضرات شیخینؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی سے دورہ حدیث کر کے سندِ فراغت حاصل کی، پھر درس و تدریس کے ساتھ منسلک ہوئے اور کابلگرام میں مدرسہ قائم کر کے دورۂ صغریٰ تک کتب پڑھاتے ہیں۔ آپ کو ربّ ذوالجلال نے علمِ تفسیر میں ایک بے مثال ملکہ عطاء فرمایا ہے۔ اس وجہ سے سینکڑوں تشنگانِ علمِ تفسیر اپنے پیاس بجھانے کے لئے ہر سال شعبان، رمضان میں ان کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ کا شمار نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے کئی سال جیل بھی کاٹی۔

اشاعت التوحید والسنّت کے مرکزی رہنماؤں میں آپ کا ایک الگ نام ومقام ہے۔ مولانا مدظلہٗ نہایت شجاع و بہادر انسان ہیں۔ بیانِ مسئلہ کے دوران کسی کا پروا نہیں کرتے۔ آپ کے قلم سے اب تک کئی کتابیں لکھی کی گئی ہیں، جس میں بعض درج ذیل ہیں:

(۱) اعلام الاعلام بمفهوم الدين والاسلام ورفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب : یہ کتاب ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا نے دین اور اسلام کی لغوی ومعنوی تحقیق کے ساتھ شرعی تعریف بھی ذکر کیا ہے۔ دین اور اسلام کے بعض ضروری احکام کا ذکر کرنا مستزاد۔ مولانا نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ جمہوریت کا سرے سے اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ جمہوریت اسلام ہے اور نہ

اسلام میں جمہوریت ہے۔ غرض مولانا نے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ کتاب چونکہ عربی میں ہے، عام لوگوں کے لئے اس سے استفادہ مشکل ہے تو اس ضرورت کے پیش نظر احبابِ اشاعت اکیڈمی پشاور نے احقر راقم الحروف کو اردو ترجمہ کے لئے کتاب تفویض کیا ہے۔ اللہ کریم بندہ کے لئے یہ کام سہل فرمائیں تاکہ مولانا کی بات کی اچھی طرح وضاحت کر سکے۔ وماذلک علی اللّٰہ بعزیز۔

(۲) خبرے شل اور سر ئی یو : یہ کتاب پشتو میں ہے۔ اس میں مولانا مدظلہ نے یہ واضح کیا ہے دینِ الٰہی کیا ہے؟ اور لوگ اسے کیا سمجھتے ہیں؟ اس کے علاوہ قانونِ الٰہی اور شریعتِ محمدی کا بسط وضبط کے ساتھ وضاحت کیا گیا ہے۔

(۳) یاحسرۃً علی العباد : اس کتاب میں مولانا مدظلہ نے لوگوں پر افسوس کیا ہے کہ تم کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ اور تم کیا کر رہے ہو؟ امت پر اپنے غم و درد کا اظہار کیا ہے اور غمی وخوشی کے موقع پر ہونے والے بدعات کی تردید اور اس کے بالمقابل آنحضور ﷺ کا سنت طریقہ ذکر کیا۔

(۴) عقیدہ، مونخ او ضروری مسئلے : یہ کتاب بھی پشتو میں ہے۔ اس میں مولانا نے عقیدہ، نماز اور ضروری مسائل ذکر کئے ہیں جو عوام کے لئے نہایت مفید ہے۔

(۵) ورقات النعمامہ بجمع روایات العمامہ . (۶) سبق الغایات الی جمع روایات الالویتہ والرایات . (۷) روایات سد الابواب الجھاد (۸) جواھر الملتقۃ من الکتب المعتبرہ . (المسمی بالبحوث التفسیریہ)

اللہ کریم مولانا موصوف کی تمام مساعی جمیلہ قبول فرما کر دارین میں نجات اور اُمت کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

شیخ القرآن مولانا عبدالجبار صاحب مدظلہٗ

نام و تاریخ پیدائش :

شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد عبدالجبار صاحب مدظلہٗ العالی اعلیٰ صفات و اخلاق سے سرشار علم وعمل کی پیکر ہیں ۔نہایت خاکسار، معتدل مزاج، متقی و پرہیزگار اور بہت سی اوصافِ جمیلہ کے مالک ہیں ۔ان کی پیدائش تقریباً ۱۹۴۴ء یا ۱۹۴۵ء میں باجوڑ ایجنسی علاقہ لوئی ماموند اپنی آبائی گاؤں گواٹی میں ایک علمی اور مذہبی گھرانے میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اور درسِ نظامی :

انہوں نے ناظرہ قرآن اپنے والد محترم اور مختلف اساتذۂ کرام سے پڑھا۔ ناظرہ قرآن کے بعد ابتدائی کتب بھی انہوں نے مختلف اساتذۂ کرام سے پڑھی جن میں سرفہرست جناب مولانا عبدالجلیل مرحوم فاضل امینیہ دہلی اور جناب مولانا صاحب الحق اور جناب مولانا نصراللہ صاحب ہیں۔خط وکتابت اور گلستان بوستان جیسی کتابیں انہوں نے اپنے چچا محترم الحاج مرزا فضل احد مرحوم سے پڑھی ہیں جو ترخو گاؤں میں حکومتِ افغانستان کی طرف سے ایک مکتب میں معلم تھے اور چچا کی عدم موجودگی اور غیبت کے زمانے میں مولانا صاحب مکتب کا نگران ہوتے تھے۔

۱۳۹۱ھ سے ۱۳۸۴ھ تک باقاعدہ سفر کا آغاز کر کے گلاب خانہ اور ڈھکی دالگران پشاور اور پھر جامعہ قاسمیہ میں نحومیر سے لے کر شرح جامی تک اور کنزالدقائق سے لے کر ہدایہ تک اور میزان سے لے کر مراح تک کتابیں مندرجہ ذیل اساتذہ سے پڑھیں۔مولانا

ثاب گل، مولانا نور محمد ننگر ہاری، مولانا عبدالواسع پشاوری، مولانا فضل احد شابلین، مولانا محمد حنیف صاحب سواتی، مولانا میاں حیاء الدین صاحب باجوڑی، مولانا مظفر شاہ صاحب ہزاروی، مولانا حسن الابرار صاحب چکیسر، مولانا عزیز صاحب باجوڑی۔

دورۂ تفسیر :

سب سے پہلے انہوں نے دورۂ تفسیر مولانا میاں حیاء الدین صاحب باجوڑی کے ساتھ جامعہ اشرفیہ میں کیا، پھر ان کی ترغیب سے مولانا ممدوح صاحب ۱۳۸۶ھ میں ماہِ رجب، شعبان، رمضان میں دورۂ تفسیر کے لئے صوبہ سرحد کی مشہور درسگاہ پنج پیر چلے گئے اور وہاں انہوں نے شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد طاہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور ان کے خاص الخاص اور مقرب ترین شاگردوں میں سے ہو گئے اور اس دن سے وہ شیخ مرحوم کی زلف کے اسیر ہو گئے اور ان سے جو عہد کیا تھا اور جس نصب العین کو قبول کیا تھا، اس پر الحمد للہ آج تک قائم ہیں، اگرچہ بہت سارے بھٹکے۔

دورۂ تفسیر کے بعد مولانا ممدوح صاحب پشاور تشریف لائے اور جامعہ کریم پورہ میں انہوں نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے موقوف علیہ تک باقی کتب کی تکمیل کر لی۔ یہ ۱۳۸۶ھ اور ۱۳۸۷ھ کی بات ہے۔

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبد الغفور صاحب معروف بجار باباؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم چترالی صاحب، حضرت مولانا خان بادشاہ صاحب شہیدِ اذانؒ، حضرت مولانا فضلِ حق کوہستانی، حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب۔

فراغت :

پھر شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد کے مطابق موقوف علیہ اور پھر دورۂ حدیث کے لئے جامعہ رحمانیہ ضلع مردان خوشحال گڑھ تشریف لے

گئے،وہاں انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عنایت الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے زیر سایہ ۱۳۹۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

تاسیسِ مدرسہ :

۲۳رذی الحجہ ۱۳۹۰ھ میں رشتہ داروں احباب اور علاقے کے بااثر لوگوں کی اصرار سے جامعہ دارالعلوم تعلیم القرآن ترخو باجوڑ ایجنسی کی داغ بیل ڈالی، یہاں انہوں نے ۲۹ سال علومِ بیکراں و بے پایاں درسِ قرآن و مواعظ سے طلبہ علومِ نبوت اور عوام و خواص کو مستفیض کیا، پھر کچھ نامساعد حالات کی بنا پر جامعہ ترخو گاؤں سے باہر۔علماءِ کرام اور اساتذۂ کرام سے مشورہ کے بعد بروزِ جمعرات ۱۱رجب ۱۴۲۰ھ میں منتقل ہو کر نئی مدرسہ ہٰذا کے لئے نئی تعمیر کی بنیاد رکھ دی مولانا صاحب کے اخلاص احباب اور اساتذۂ کرام کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے یہ مدرسہ کچی آبادی سے پکی آبادی میں تبدیل کر کے بہت جلد پایہ تکمیل تک پہنچا دیا کہ جو چار بڑے بڑے ہال اور ۹ کمروں پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی مدرسۃ البنات اور مسجد کا بھی انتظام ہوگیا، مولانا صاحب نے اپنی ذاتی رقم اور مخلص احباب کی تعاون سے مدرسہ کے جوار میں اپنے لئے رہائش گاہ تعمیر کی۔ اللھم زد فزد۔

دورۂ تفسیر کی ابتداء :

۱۳۹۰ھ میں انہوں نے اپنی آبائی گاؤں گوائی میں دورۂ تفسیر کا آغاز کیا، پھر آئندہ سال ۱۳۹۱ھ میں ترخو مدرسہ میں دورۂ تفسیر پڑھایا۔اب یہ دورۂ تفسیر ہر سال رمضان میں جو الحمدللہ تا حال جاری ہے، جس میں علماءِ کرام، طلباء اور عوام دور دراز سے جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ہر ہفتہ و پیر کے دن ۱۴۰۹ھ سے لے کر آج تک مقامی علماءِ کرام کے اصرار سے ایجنسی کے مرکز خار باجوڑ ایجنسی میراعلی مسجد میں دورۂ تفسیر پڑھایا جاتا ہے، جس میں قریب اور دور دراز سے علماءِ کرام، طلباءِ عظام اور عوام

شرکت کر کے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں۔ گویا مولانا صاحب باجوڑ میں قصرِ درس قرآن کے لئے
خشتِ اوّل ثابت ہوئے جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔

مدرسہ میں موقوف علیہ و دورۂ حدیث کا آغاز :

کچھ سالوں تک تو مولانا صاحب مدرسہ میں فنون، حفظ، بمع دوسرے اساتذہ پڑھاتے رہے، پھر اس کے بعد موقوف علیہ شروع کرایا اور پھر با قاعدہ ۱۴۱۹ھ میں باصرارِ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو تراب دوست محمد صاحب دورۂ حدیث کا آغاز فرمایا، یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اس سال ۱۴۲۶ھ دورۂ حدیث میں ۳۷ طلباء شریک ہوئے، جبکہ موقوف علیہ میں ۱۷ طلباء ہیں۔ موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کی کتابیں مولانا ممدوح صاحب اور جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا دوست محمد صاحب پڑھاتے ہیں۔

مولانا ممدوح درس و تدریس تالیفِ مدرسہ کی ہمہ قسم سرپرستی اور تنظیمی اُمور کے ساتھ ساتھ علاقے کے لوگوں کی ہر قسم خوشی اور غم میں شریک ہوتے رہتے ہیں، کیونکہ لوگ مولانا ممدوح صاحب کی شرکت کو اپنے لئے مایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ مولانا صاحب ہمہ وقت نہایت ہی مصروف رہتے ہیں۔ مولانا صاحب باجوڑ ایجنسی کے جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے مرکزی ناظم ہونے کی حیثیت سے ساتھیوں کو متحرک و بیدار کرنے کے لئے ہر اجتماع میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

ردِ بدعات و رسومات اور ترویجِ سنت کے لئے بے پناہ جدوجہد :

مولانا صاحب نے جب ۱۳۹۰ھ میں فراغت کے بعد اپنے علاقے میں قدم رکھا تو پورا علاقہ بدعات، رسومات اور شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھیرا ہوا تھا جو کہ مولانا صاحب کے لئے بہت بڑا چیلنج تھا۔ لہٰذا انہوں نے ان منکرات کے خلاف اپنی جدوجہد شروع کردی، جلسوں جلوسوں میں۔ اس کے علاوہ جمعۃ المبارک، جنازوں اور استسقاء کے اجتماعات میں، تبلیغی سہ روزوں کے ذریعے اور مناظروں کے ذریعے رد کرنا شروع

کردیا، سو جیسے روایت چلی آرہی ہے کہ جیسے ہی انہوں نے ان بدعات اور رسومات پر رد کرنے کے لئے صدا بلند کی ہر طرف سے مخالفتیں شروع ہوگئیں یہاں تک کہ لوگ ان کے اوران کے رشتہ داروں کے گھروں پر لشکر کشی کرنے اور جلانے کو تیار ہوگئے تھے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کردیا اور اپنے فضل سے ان کے ذریعے شرک و بدعت کے محلات میں لرزہ پیدا کردیا۔ توحید و سنت کی مشعل نے سارے علاقے کو منور کردیا۔ اب الحمدللہ مولانا ممدوح صاحب کے ہزاروں شاگرد ہر جگہ پھیلے ہوئے درسِ قرآن و حدیث اور درسِ فقہ میں مشغول ہیں۔

حج باسعادت :

مولانا ممدوح کو اللہ تعالیٰ نے چار مرتبہ حج اور ایک مرتبہ عمرہ کی سعادت سے نواز پہلی مرتبہ ۱۴۱۱ھ میں، دوسری مرتبہ ۱۴۱۵ھ میں، تیسری مرتبہ ۱۴۱۸ھ میں اور چوتھی مرتبہ ۱۴۱۳ھ میں مولانا صاحب بے اولاد ہیں لیکن بقولِ تھانویؒ اولاد نہ ہونا بھی نعمت ہے، اگرچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار روحانی اولاد نصیب فرمائے ہیں۔

تصنیف و تالیف :

کسی شخص کو اگر اللہ تعالیٰ نے ملکہ خطابت اور صاحبِ قلم ہونے سے نوازا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے قلم کی عظمت کا اندازہ تو اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قلم کی قسم کھا کر اسے زمانے پر گواہ کیا ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے :

''جس کے اندر قوتِ تقریر و تحریر ہو دین کی خدمت بخوبی کرسکتا ہے''۔

سو مولانا ممدوح صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ملکۂ خطابت کے ساتھ ساتھ زیورِ تصنیف و تالیف سے بھی نوازا ہے، انہوں نے اپنے قلم سے ۲۱ سے زیادہ گرانقدر تصانیف

اپنے بعد میں آنے والوں کے افادہ کے لئے لکھ چھوڑی ہیں۔ ان میں سے ۱۵ تصانیف مطبوع ہیں اور باقی غیر مطبوع۔ ان تصانیف میں سے ہر ایک تصنیف اپنے اندر ایک مستقل داستان رکھے ہوئے ہے لیکن الھام الرحمن فی حل مشکلات القرآن اور التعلیق الصحیح علی مشکوٰۃ المصابیح ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ کتب کی فہرست درج ذیل ہے :

(۱) الھام الرحمٰن فی حل مشکلات القران (دو جلد) (۲) التعلیق الصحیح علٰی مشکوۃ المصابیح (۳) تحفۃ المجاھدین فی تردید الملحدین (۴) اصول الجھاد لدفع اھل الشرک والالحاد (۵) تحفۃ الاحباب فی عصمۃ الانبیاء وحفاظۃ الاصحاب (۶) جھاد فی سبیل اللّٰہ (۷) ہجرت اور نصرت (۸) ردِ بدعات (۹) تحفۃ الفقیر لمجاھدین جموں و کشمیر (۱۰) اسلام میں عورت کا مقام (۱۱) فیض الودود علی سنن ابی داؤد (۲ جلد) (۱۲) التنبیہ الضروری (۱۳) المسلک الشذی علی مقدمۃ الترمذی (۱۴) تحفۃ الباجوری لمن اراد ان یتبحر فی الصحیح للامام البخاری (۱۵) زمامستعار ژوند (حیوۃ المستعار) (۱۶) خیر المسالک فی احکام المناسک (۱۷) انعام الرحمن فی اصول القرآن (۱۸) غایۃ الاصلاح لمنکرات النکاح (۱۹) دَ کفر خوخول کفر دے کفر پسند کرنا کفر ہے (۲۰) جہادِ افغانستان (۲۱) خطبۂ استقبالیہ۔

اللہ کریم مولانا ممدوح کا سایہ اُمت پر تا دیر قائم رکھے تا کہ لوگ ان کے علوم و فیوض سے مستفید ہوتے رہیں۔ (آمین) (مقدمہ ردِ بدعات سے ماخوذ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی سراج الدین صاحب

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سراج الدین صاحب دامت برکاتہم جامعۃ الامام علامہ محمد طاہرؒ دارالقرآن پنج پیر صوابی میں عرصہ دراز سے مدرس ہیں۔ آپ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دارالقرآن پنج پیر کے دارالافتاء کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ مفتی صاحب مدظلہٗ حضرت شیخ القرآنؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں اور ان کے قائم کردہ اُصول وضوابطِ جماعت پر کارفرما ہیں۔ مفتی صاحب مدظلہٗ نہایت باصلاحیت انسان ہیں۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ اب تک آپ کے قلم سے درجن سے زائد کتابیں نکلی ہوئی ہیں۔

ان میں سے (۱) الزمرد الاحضر فی تفسیر سورۃ الکوثر: جس میں آپ نے سورۂ کوثر جو قرآن کریم کی چھوٹی سورت کی تفسیر بیان کی ہے۔

(۲) رفع الغبار عن النکاح الشغار: پٹھانوں کے بعض علاقوں میں نکاح شغار کا مسئلہ نہایت زور وشور پر ہے کہ جائز ہے یا ناجائز۔ مفتی صاحب نے نہایت مدلل انداز میں اس مسئلہ کے غبار کو صاف کر کے آئینہ کی طرح صاف کر دیا ہے۔

(۳) ضروری سوالونہ او جوابونہ: یہ کتاب پشتو میں ہے ضروری سوالات کے جوابات ہیں۔

(۴) نقشہ عوامل النحو: علم النحو کے عوامل کا نقشہ ہے۔

(۵) آداب التعلیم: تعلیم کے اداب کے بارے میں نہایت ضروری کتاب

اپنے طرز کی البیلی۔

اس کے علاوہ نعم الاثاث فی تفسیر سورۃ الثلاث ، فتاویٰ، الطامۃ الکبریٰ، حکم المتعال فی الطلقات الثلث ، ادعیۃ ماثورہ ، الاستفتاء من علماء الجبال، مقدمۃ الکافیہ، فصل الخطاب فی تفسیر سورۃ الاحزاب ، اللؤلؤ المکنون فی الذب عن قرۃ العیون۔

ان کی بے مثال تصانیف ہیں۔ اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ہماری یہ دلی آرزو ہے اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے مفتی صاحب کے لئے وسائل مہیا فرمادیں تاکہ اُن کی اپنی حیات میں ہی تمام کتب شائع ہوسکیں۔ مصنفین حضرات کے لئے یہ بات یقیناً خوشی کا باعث ہوتی ہے کہ ان کی حیات میں کتاب طبع کے مرحلے کو پہنچے اور لوگوں کو اس سے مستفید ہوتے پائیں۔

مولانا محمد یعقوب شرودی

آپ ۱۹۳۰ء میں بلوچستان کے ضلع چاغی کے گاؤں والبندین میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا فتح محمدؒ فاضلِ دیوبند اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا شرودی نے ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ فنون کی کتابیں منگو ضلع قلات کے مولانا کمال الدینؒ اور شاہدرہ ضلع کوئٹہ کے مولانا عبدالغفورؒ سے پڑھیں۔ ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھا اور اوّل آئے۔ دوسرے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا سید فخر الدین اور مولانا حمید الدین بھی شامل ہیں۔

دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد حضرت مدنیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں دیوبند سے واپس آ کر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا۔ ۱۹۵۷ء میں ہی موضع پنگی گرگینہ ضلع قلات میں مدرسہ دارالہدیٰ کی بنیاد رکھی اور سترہ برس تک یہاں دوسرے علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ کے طرز پر دورۂ تفسیر پڑھایا۔ بلوچستان، ایران اور افغانستان کے سینکڑوں علماء آپ سے فضیاب ہوئے۔ ۱۹۷۴ء میں شیخ القرآن کی ایماء پر سرکی روڈ کوئٹہ میں ''جامعہ رشیدیہ تدریس القرآن'' کی نیو اُٹھائی، جو صوبائی دارالحکومت کی بڑی دینی درسگاہ اور توحید وسنت کا عظیم مرکز ہے۔ ۱۹۷۴ء سے کوئٹہ میں دورۂ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔

آپ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے آٹھ سال تک صوبائی امیر رہے۔ آپ

اردو، براہوی ور پشتو زبانوں کے بے مثل خطیب ہیں۔ مسئلہ توحید سے خاص شغف ہے اور جمعہ کے خطبات میں اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ شرک و بدعت اور رسوم واوہام کے ردّ میں بے نظیر کام کیا۔ تفسیر وتدریسِ قرآن آپ کا اصل میدان ہے۔ تصنیف وتالیف سے بھی علاقہ ہے۔ براہوی زبان میں بیس (۲۰) جلدوں پر مشتمل "تفسیر کشف القرآن" آپ کا شہرۂ آفاق اور عظیم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ مرأۃ الایات' البینات فی رد البدعات، صدائے حق بجواب مظہر حق (ردّ بدعت) اسنیٰ الذری فی تحقیق الجمعہ فی القریٰ' البسالتہ الطارقہ علی الرسالتہ الفارقہ (۲۲ مسائل کا جواب) اور "گوسفند بزرگاں" اردو تصانیف ہیں جبکہ "مواعظ شرودی" براہوی زبان میں ہے۔ مولانا شرودی قادر الکلام شاعر بھی ہیں "شکر پارہ اور نغمات شرودی" براہوی شاعری کے مجموعے ہیں۔ پشتو زبان کا ایک دیوان بھی آپ کے ذوقِ شاعری کا شاہکار ہے۔

مولانا شرودی کوئٹہ اور بلوچستان کے علاقوں میں توحید وسنت اور دعوت الی القرآن کی ایک مضبوط آواز ہیں۔ مولانا شرودی نے ایامِ جوانی میں سیاست میں حصہ لیا اور جمعیت العلمائے اسلام کے صوبائی ناظم رہے۔ جبکہ اب بھی آپ کا صاحبزادہ حافظ حسین احمد شرودی جمعیت العلمائے اسلام کے صوبائی ناظمِ اعلیٰ اور ممبر صوبائی اسمبلی ہے۔

(حیات شیخ القرآن، از: میاں محمد الیاس ص ۲۷۰، ۲۷۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زیب صاحب مدظلہٗ

آپ حضرات شیخینؒ کے شاگرد ہیں۔ علاقہ بونیر صوبہ سرحد سے تعلق ہے۔ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہے۔ کئی سال جامعہ فاروقیہ کراچی میں پڑھاتے رہے۔ بعد میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تشریف لائے اور عرصہ دراز سے وہاں احادیثِ مطہرہ کی خدمت کر رہے ہیں اور تشنگانِ علومِ نبوت کو سیراب کر رہے ہیں۔ آپ نے تنِ تنہا کراچی میں خوب ڈھٹ کر مسئلہ توحید بیان کیا۔ جہاں مخالفت زیادہ ہوتی وہیں جا کر بیانات کرتے۔

حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ کو ربِّ ذوالجلال نے بے شمار گوناگوں اوصاف کے ساتھ متصف فرمایا ہے جس کا احاطہ مجھ جیسے کج فہم و کم علم کے لئے ناممکن ہے۔ حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ کو چونکہ ذاتی طور پر جانتا ہوں تو اس لئے جو کچھ لکھوں گا، مبالغہ نہیں ہوگا بلکہ حقیقت پر محمل ہوگا۔

آپ کی زندگی کا ممتاز ترین وصف ان کا علمی انہماک اور ذوقِ مطالعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے مسجد جہاں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں (جامع مسجد الصخرہ خالد بن ولید روڈ کراچی) میں بڑا کتب خانہ قائم کیا ہے اور یہی آپ کا مقصد ہے، یہی منزل ہے۔

آپ کا عشق و محبت، طاعت و جذبات، شعور و فکر اور زندگی کا ہر زاویہ شوقِ علم اور مطالعاتی انہماک سے وابستہ ہے۔ آج کے دور میں شاید کسی کو یہ باتیں ناممکن معلوم ہوں،

ممکن ہے کوئی ان باتوں کو مبالغہ پر حمل کرے، مگر ہمارے اسلاف و اکابر کی تاریخ یہی ہے، ہمارے اکابر کے مطالعاتی ذوق کو ان کے تذکرہ نگاروں نے مستقل بابوں میں لکھا ہے۔

حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ ہر سال رمضان المبارک میں اپنے مشائخ کے طرز پر دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں جس سے سینکڑوں طلباء اپنی تشنگی کو بجھا دیتے ہیں۔اس کے علاوہ آپ کراچی میں کئی اسلامک سکولوں اور دینی جامعات کے سرپرست بھی ہیں۔حضرت مدظلہم کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے، بہت سے قابلِ فخر، بلند پایہ عالموں کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، جو ملک و بیرونِ ملک اسلام کی جلیل القدر خدمات میں سرگرمِ عمل ہیں۔

احقر راقم الحروف کے ماموں مفتی مشتاق احمد صاحب مدظلہٗ (استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن و خطیب جامع مدنی مسجد جناح کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی) حضرت مدظلہم کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور آپ کے داماد بھی ہیں۔آپ کی سرپرستی میں ماشاء اللہ بہت کام کر رہے ہیں۔اللہ کریم آپ کی تمام دینی مساعی قبول فرمائیں اور آپ کا سایہ اُمت پر تادیر قائم ہو اور ہم فقیروں کو ان کی سرپرستی حاصل ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ القرآن مولانا امیر حسین باچا صاحب

آپ ۱۹۶۲ء میں ضلع صوابی کے نواحی علاقہ جلبئی میں سید عبدالرحمٰن کے ہاں پیدا ہوئے۔ چونکہ بچپن ہی سے دینی علوم کے بڑے شوقین تھے، اس لئے ابتدائی دینی تربیت شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے خصوصی شاگرد مولانا غلام اللہ صاحب نے کی۔ موقوف علیہ تک درسِ نظامی شیخ القرآن مولانا محمد رفیق عرف تنار صاحبؒ کے مدرسہ تعلیم القرآن توردھیر ضلع صوابی میں پڑھی۔ موقوف علیہ کے بعد رئیس المفسرین مولانا محمد طاہرؒ سے دورۂ حدیث اور تفسیر القرآن کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مدرسہ تعلیم القرآن رستم ضلع مردان تشریف لے گئے اور شیخ القرآن مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہٗ سے تفسیر القرآن پڑھی۔ دوبارہ دورۂ حدیث کے لئے آپ شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان صاحب مدظلہٗ کے مدرسہ امداد العلوم پشاور صدر تشریف لے گئے اور وہاں سے ۷ر شعبان ۱۴۰۸ھ کو سندِ فراغت حاصل کی۔

دورانِ طالب علمی مدرسہ جواہر القرآن اٹک ویسہ کاملپور تفسیر قرآن میں شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہٗ سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ آپ ولی کامل شیخ القرآن والحدیث مولانا عنایت اللہ شاہ بخاریؒ سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ جیؒ کے بعد آپ نے روحانی تعلق مولانا فقیر محمد صاحب پشاوریؒ سے جوڑا۔

خدمتِ دین اور بیانِ توحید کے لئے آپ ۱۹۸۰ء میں درۂ آدم خیل تشریف لے گئے۔ پہلے پہل تو گاؤں کے کچھ لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے کر مسئلۂ توحید اپنے مخصوص

انداز میں بیان کرتے رہے۔ اس کے بعد عزیز خان مارکیٹ درۂ آدم خیل میں حاجی رضا خان کے ساتھ سکونت اختیار کی اور درسِ قرآن دیتے رہے۔ آخرکار ساتھیوں کے مشورہ سے حاجی ملک قیمت خان کے مسجد میں درسِ قرآن کا باقاعدہ اجراء ہوا جو بحمد اللہ آج تک جاری وساری ہے۔ رمضان المبارک میں سینکڑوں، ہزاروں طلباء اپنی پیاس بجھانے کے لئے دور دراز سے آتے ہیں۔ جناب استادِ محترم کو ابتدائی دور میں بہت تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ نے توحیدی مسئلے کا بیان نہیں چھوڑا۔ ان کی ثابت قدمی اور اللہ کے کرم سے آج وہاں ایک مدرسہ کی صورت میں قائم ہو چکا ہے، جس سے حفاظ اور علماء فارغ ہوتے ہیں۔

استادِ محترم کو اللہ ربّ العزت نے بے شمار صفات سے نوازا ہے۔ تقویٰ وللّٰہیت، خشیت وانابت، دانائے شریعت، فصیح البیان خطیب، عاملِ قرآن، چراغِ محفل عرفان، اور داعی الی اللہ جیسی قیمتی اوصاف آپ بیک وقت استادِ محترم میں پا سکتے ہیں۔ مولانا صاحب بڑے خوش بیان خطیب ہیں۔ جب تقریر کے لئے منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو مجمع پر گویا چھا جاتے ہیں۔ آپ کے وعظ وتبلیغ کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے انابت الی اللہ اختیار کی۔

آپ بڑے نازک طبع اور رقیق القلب انسان ہیں، خوف وخشیت من اللہ کا اکثر طبیعت پر غلبہ رہتا ہے۔ نماز بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے اور توبہ واستغفار کی سخت تاکید فرماتے ہیں۔ حضرت الاستاد مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے بردباری، حلم، حوصلہ اور صبر وتحمل کے جن اعلیٰ صفات سے متصف فرمایا ہے، ایسا نہایت کم ہی مشاہدہ میں آتا ہے ......

پیدا کہاں اے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

استادِ محترم مدظلہٗ نے اپنے درسی وتدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف سے رشتہ جوڑ کر درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں :

(۱) مسنون دعائیں واذکار (۲) دَ جناتو او سحر جادو علاج په قرآنی آیاتو نوسره (۳) اُصولِ تفسیر القرآن۔

اللہ کریم استادِ محترم مدظلہٗ کے تمام دینی مساعی قبول فرما کر اپنے رضا کا سبب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالمقدس باچا صاحب

آپ ۱۹۵۸ء کو جناب ناصر شاہ مرحوم بن نظر شاہ بن احمد شاہ کے ہاں گاؤں جلبئی محلہ سیدان ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کے افراد نہایت عبادت گذار اور تہجد گذار ہیں۔ آپ کے والد نہایت مہمان نواز تھے، مسئلہ توحید کی حقیقت جاننے کے بعد ہمیشہ تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے علوم دینیہ کی طرف توجہ کی کہانی اس طرح ہے کہ آپ کے قریہ میں شیخ القرآن پنج پیرؒ کے شاگرد مولانا عبدالخالق شاہ صاحب تھے جو قرآن پڑھانے اور مسئلۂ توحید بیان کرنے کے لئے افراد کو تلاش کرتے رہتے، آخرکار آپ کے بڑے بھائی حاجی سلطانِ روم باچا صاحب ہاتھ لگے، چند ماہ کے بعد حضرت مولانا مدظلہٗ نے آپ سے قرآن کریم بالتفسیر والترجمہ پڑھنا شروع کیا جس کی وجہ سے آپ کا شوق علومِ دینیہ کی طرف پیدا ہوا۔

مولانا عبدالخالق اور بعض اساتذہ سے خلاصہ کیدانی، میزان، نحومیر پڑھا۔ پھر آپ شیخ القرآن مولانا محمد رفیق صاحبؒ عرف تنز مولانا کے آغوشِ تربیت میں آئے۔ کافیہ، شرح جامی، مجموعہ منطق، شرح تہذیب اور مطوّل مولانا شہزادہ صاحب آف مانسہرہ سے اُصول الشاشی، نور الانوار اور نفحۃ العرب شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب مدظلہٗ سے حسامی، تلخیص اور مختصر المعانی مولانا رشید احمد صاحب مہتمم دار العلوم تعلیم الاسلام کاملپو رویسہ سے، سبع معلقہ، متنبی، حماسہ مولانا حبیب الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف آلائی، سلم، قطبی اور ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ مولانا فضلِ حق کوہستانی اور مولانا محمد فیروز صاحب کوہستانی سے پڑھی۔ موقوف علیہ دار العلوم تعلیم القرآن تورڈھیر میں شیخ القرآن مولانا محمد رفیق صاحبؒ سے اور

دورۂ حدیث امداد العلوم صدر پشاور میں شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب مدظلہٗ سے پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کا ارادہ تھا کہ دوبارہ دورۂ حدیث شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد طاہرؒ سے پڑھوں گا، مگر حضرت شیخؒ اسی سال رحلت فرما گئے۔

ایک مرتبہ آپ شیخ الحدیث قاضی شمس الدین صاحب سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے ہاں ڈاکٹر عثمانی کے بارے میں فتویٰ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ قاضی صاحبؒ نے فتویٰ لکھنے کے بعد فرمایا کہ انوار التبیان فی اسرار القرآن خرید لو، اس پر آپ نے جواباً عرض کیا کہ اللہ کو منظور ہوا تو میں آپ سے دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے آؤں گا اور یہ کتاب آپ سے بطورِ انعام حاصل کروں گا، مگر ہائے افسوس ! کہ قاضی صاحب بھی اس دارِ فنا سے ۱۹۸۵ء میں رحلت فرما گئے۔

آپ نے ترجمہ وتفسیر دو مرتبہ مولانا عبدالخالق شاہ صاحب سے، مولانا غلام اللہ صاحب آف تورڈھیر سے کچھ پارے، شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب سے کچھ پارے شیخ القرآن مولانا محمد رفیق صاحبؒ سے کئی مرتبہ، شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحبؒ آف شاہ پور سوات سے دو مرتبہ، شیخ القرآن مولانا عبدالسلام صاحب سے دو مرتبہ اور شیخ العرب والعجم شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد طاہرؒ سے پانچ مرتبہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

بیانِ توحید اور ترجمۂ قرآن میں پیش آمدہ تکالیف :

آپ نے جب مسئلہ توحید بیان کیا تو والد صاحب اور تمام گھر والے اقرباء ورشتہ دار مخالف ہوگئے۔ یہاں تک کہ والد صاحب نے باتیں بھی بند کر دیں اور آپ کے استاد مولانا عبدالخالق شاہ صاحب کو ہر وقت گالیاں دیتے رہے۔ یہاں تک استاد کو کہا اگر آپ میرے سامنے ان کو (مولانا اور ان کے بھائی جناب سلطان روم باچا) بسم اللہ بھی پڑھایا تو (درانتی ہاتھ میں تھی ہلا کر کہا) اس سے تمہارے پھیپھڑوں کو باہر نکال دوں گا۔ جب آپ

دونوں سبق پڑھنے کے لئے استاد کے ہاں تشریف لے گئے تو استاد نہایت غمزدہ اور پریشان نظر آئے۔ پوچھنے پر استاد نے سارا قصہ سنایا۔ بڑے بھائی سلطانِ روم نے کچھ دیر بعد استاد سے عرض کیا کہ اگر آپ نہیں پڑھانا چاہتے یہ تو الگ بات ہوگی، ورنہ ہم تو آپ سے پڑھنا نہیں چھوڑ سکتے، اس پر استاد نہایت خوش ہوئے اور دوبارہ پڑھانا شروع کردیا۔

آپ نے ابتدائی دور نہایت تکالیف، مشکلات ومصائب سے گذارا۔ تحصیلِ فراغت کے بعد دار العلوم تعلیم القرآن لاشاعت التوحید والسنۃ تورڈھیر میں پانچ سال تک نقہ اور مختلف فنون کے درس دیتے رہے اور مسجد میں طلبہ کو مشکوٰۃ شریف اور دیگر فنون کی کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۲ء سے آج تک روزانہ قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر کے خدمات کے علاوہ مستورات کو ترجمہ، شروط الصلوٰۃ، ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ المصابیح کا درس دے رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں آپ کی تقرری سرکاری ادارہ میں شعبۂ اسلامیات کے معلم کی حیثیت سے ہوئی۔

آپ درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ آپ کے تصنیفات وتالیفات کی تعداد تقریباً دس ہے۔ جن میں آپ کی پہلی علمی کاوش (۱) ''کشف اللثام و الخثیث عن وجوه بعض اهل الحدیث '' ہے، جس میں نام نہاد اہل حدیث کی تردید کے علاوہ بعض لوگ جنہوں نے دراہم ودنانیر کے لئے اپنے مسلک کو چھوڑا ہے، کا بھرپور انداز سے تعاقب کیا ہے۔

(۲) کشف الحجاب عن وجه المرتاب : یہ کتاب ایک حاسد مولوی کے کتاب جس کا نام ''ذحق توره ''یعنی حق کی تلوار ہے' کے جواب میں تحریر کی گئی۔

(۳) تانیب الکئیب : یہ کتاب بھی اسی مذکورہ مولوی کی کتاب کے جواب کا ایک حصہ ہے۔

(۴) قطع الورید عن عنق العنید : یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے اور پہلی دو کتابوں کی طرح اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔

(۵) منبع العاطشین شرح ریاض الصالحین : ریاض الصالحین کی شرح عربی زبان میں جو زیرِ طبع ہے۔

(۶) تبرید الخاطر فی توضیح ذکر الذاکر : فضیلتِ ذکر کے علاوہ حکم الذکر بالجہر کے ہر پہلو پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

(۷) کتاب الصبیان : اس کتاب میں بچے کی پیدائش سے لے کر منگنی اور شادی تک تمام احکامِ شرعیہ کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۸) تفسیر مقدس : قرآن کریم کی تفسیر عربی زبان میں، جو کہ زیرِ طبع ہے۔

(۹) تقاریر مقدسہ : مولانا کے خطبات و بیانات کا ایک حسین مجموعہ ہے جو زیرِ طبع ہے۔

(۱۰) ایک مبتدع کی کتاب الظہار الحق جو کہ دراصل تلبیس الحق کی تردید میں ہے، کتاب زیرِ تالیف ہے۔

آپ نے جہادی ٹریننگ حرکۃ الجہاد الاسلامی کے معسکر میں استاد ابوسعد شہیدؒ سے لی۔ افغانستان پر امریکہ کے حملہ اور پاکستان کے بے دین حکمرانوں کا امریکہ کا ساتھ دینے کے موقع پر مرکزی امیر اشاعت التوحید والسنۃ شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے حکم پر آپ نے جماعت کی طرف سے گیارہ لاکھ پچانوے ہزار روپے اور کچھ سونا پشاور قونسل میں جمع کیا جبکہ دو ٹرک سامان بھی دے گئے۔ آپ جماعت اشاعت التوحید والسنہ کے حلقہ نمبر ۲ کے امیر بھی ہے۔ اللہ کریم ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر دارین میں سعادت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) (ملخص از خط مرسلہ ڈاکٹر عابد)

مولانا ضیاء الرحمان الکوثری

آپ باجوڑ ایجنسی کے گاؤں کوثر میں مولانا عبدالباقیؒ بن مولانا محمد صدیقؒ کے ہاں ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا عبدالحق بہسودیؒ اور اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مولانا محمد علی سواتی، مولانا عبدالحلیم سواتی، مولانا ہاروت، مولانا تاج محمد سواتی اور مولانا شیر علی شاہ سے استفادہ کرنے کے بعد دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف سوات میں مولانا محمد ادریس چکیسری، مولانا رحیم اللہ اور مولانا عبداللہ کوہستانی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے مولانا عبدالخالق مصنف غنیۃ القاری شرح الصحیح البخاری (جو غیر مطبوع ہے) سے ماموند باجوڑ میں استفادہ کرنے کے بعد جامعہ اکوڑہ خٹک میں صاحب حق شاہ منصور اور طورو ضلع مردان میں مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا۔

۱۹۶۶ء میں شیخ المشائخ، استاد العلماء مولانا محمد طاہر نور اللہ مرقدہٗ سے تفسیر القرآن الکریم پڑھا۔ ۱۹۶۷ء میں محقق الاحناف مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بخاری شریف، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ سے مسلم شریف، ترمذی مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ سے، ابوداؤد مولانا فضل محمد سواتیؒ سے، مؤطائن مولانا مصباح اللہ شاہ ہزاروی سے، طحاوی مولانا بدیع الزمان سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں پڑھی۔ اس کے بعد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ سے تفسیر القرآن میں کسب فیض حاصل کیا، پھر کئی سال تجارت میں مشغول رہے۔ بعد میں شیخ المشائخ قاضی شمس الدینؒ سابق مدرس

دارالعلوم دیوبند سے کچھ حصہ بخاری و مسلم کا پڑھا۔ اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ سے ملاقات کی اور پھر کئی سال مدرسہ احیاء العلوم باجوڑ ایجنسی میں جلالین، مشکوٰۃ المصابیح، مولوی، شرح جامی، شافیہ، مقامات، حماسہ، نورالانوار وغیرہ پڑھاتے رہے۔

۱۹۸۲ء میں آپ کی تقرری سرکاری سکول میں عربی زبان کے معلم کی حیثیت سے ہوئی۔ ساتھ ساتھ روزانہ درسِ قرآن کے علاوہ تشنگانِ علومِ نبوت کو علومِ دینیہ بھی پڑھاتے رہے ہیں۔

خصوصاً رمضان المبارک میں اکثر طلباء میراث سیکھنے کے لئے آپ کے ہاں آتے ہیں اور اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔

آپ نے بعض کتابیں بھی تحریر ہیں جو کہ وسائل کی کمی کے باعث شائع نہ ہو سکے، البتہ طلبا فوٹوسٹیٹ کر کے اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ جن میں (۱) جهد المقل فی حلّ صور المیراث المتعلقه بمتن السراجی (۲) گہر منظوم فی خواص الابواب (۳) هدایة الحجاج الی الفجاج فی احکام الحج (۴) حل صور المیراث المتعلقه باالشریفیه شامل ہیں۔

اللہ کریم مولانا کی کاوشوں کو قبول فرما کر دارین میں اجر عظیم کا سبب بنائے اور آپ کی عمر کو دراز فرمائے تا کہ طلباء کو ان سے مستفید ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا غلام داؤد صاحب

آپ باجوڑ ایجنسی تحصیل ماموند گاؤں انعام خور چینگئی میں مولانا عجیب اللہ کے ہاں ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور علم صرف ونحو مولانا ماندل ٹوپ سے حاصل کی جواس وقت استاد الکل تھے۔

قاضی صاحب آف دوزخ شاہ باجوڑ ایجنسی سے صرف ونحو ومنطق کے علوم کا حصول کیا۔ اس کے بعد دار العلوم حقانیہ ضلع سوات تشریف لے گئے اور وہاں مولانا عبدالحلیم وڈیگرامی اور مولانا نملؒ سے استفادہ کرنے کے بعد دورۂ حدیث بھی انہی سے پڑھا۔ اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ کے ہاں غورغشتو علاقہ چھچھ ہزارہ تشریف لائے اور دوبارہ دورۂ حدیث پڑھنے کے بعد شیخ الحدیثؒ سے بیعت بھی کی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا جو دل کو ایسی بھائی کہ اس کے بعد تاحیاتِ شیخ القرآنؒ کے دورۂ تفسیر میں شرکت فرماتے رہے بلکہ حضرت شیخ القرآنؒ سے بیعت بھی ہوئے۔ شیخ القرآنؒ کے جانشین وصاحبزادے مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ سے بھی دورۂ تفسیر پڑھا۔

آپ نے کئی مرتبہ مشرکین ومبتدعین سے کامیاب مناظرے کئے اور ان کو شکست فاش کیا۔ کچھ مناظروں کے حالات ہدیۂ قارئین فرماتے ہیں۔

(۱) باجوڑ ایجنسی علاقہ سلارزئی گاؤں ڈان قول میں مناظرہ مقرر ہوا۔ جس میں تمام علاقے سے لشکروں کی شکل میں اقوام جمع ہوئے، جبکہ ہماری اشاعتی جماعت

والے صرف تیرہ (۱۳) افراد تھے باقی کے سینکڑوں ہزاروں مسلح ہمارے خلاف تھے اور قتل کی دھمکیاں بھی دے رہے تھے۔ ہم نے ان سے چند بنیادی باتیں کیں جس کے بعد حق ظاہر ہونے پر مبتدعین کو شکست فاش ہوئی۔ بعد میں صلح بھی ہوئی۔ یاد رہے کہ ہمارے ساتھیوں میں اُس وقت صرف ہی ایک شخص مسلح تھا اور یہ حالت مسئلۂ توحید کے بیان کرنے کے اوائل دور میں پیش آیا۔

(۲) مناظرہ امان کوٹ علاقہ ریاست۔

مبتدعین اور پیروں اور علماء نے ہمیں ایک حجرے میں گھیر لیا تھا، عصر تک ہم محصور رہے۔ بعد میں جب ہمارا محاصرہ ختم ہوا اور ساتھیوں نے ایمان افروز تقاریر شروع کر دیں تو فضا یکسر بدل گئی اور کافی لوگوں نے ہماری حمایت کی۔

مولانا صاحب باجوڑ ایجنسی کے امیر جماعت ہیں۔ اب بحمد اللہ باجوڑ ایجنسی میں جماعت کے دس (۱۰) حلقے ہیں۔ ماہانہ شوریٰ بھی پابندی سے ہوتا ہے۔ قریہ بہ قریہ درسِ قرآن روزانہ کی بنیاد پر منعقد ہوتے ہیں۔ الحمد للہ اب باجوڑ ایجنسی میں مبتدعین کا زور ٹوٹ چکا ہے بلکہ ایک طرح اُن کا نام ونشان تک ختم ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا بادشاہ منیر صاحب

آپ بروزِ جمعہ ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۸ء منصور آباد خال دیر پائیں میں جناب اختر منیر کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا خائستہ رحمان صاحب مدظلہ کے ہاں حاصل کی۔ درجہ رابعہ سے موقوف علیہ تک کتب حضرت مولانا عبد الشکور صاحب مدظلہ سے پڑھی، مولانا محمد وہاب صاحب سے ہدایہ رابع پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بالآخیر ۱۱۔۱۴۱۰ھ بمطابق ۹۱۔۱۹۹۰ء میں فراغت دارالعلوم کراچی سے ہوئی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا خائستہ رحمان صاحب، شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب، شیخ القرآن مولانا عبدالشکور صاحب، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب، شیخ القرآن مولانا عبدالسلام صاحب اور شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحب نوراللہ مرقدہٗ شامل ہیں۔

آپ دورانِ طالب علمی اسباق میں غیر حاضری کو طبعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاؤں پر کالا پھوڑا نکلا، جس کی وجہ سے سخت بخار بھی ہونے لگا، مگر اس کے باوجود مطوّل کے درس کو حاضر ہوئے اور استاد سے چھٹی لینا گوارہ نہ کیا، لیکن جب استاد حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ کی نظر پڑی تو انہوں نے تکلیف بھانپ لی اور دیگر ساتھیوں سے اجازت لے کر باقی ماندہ اسباق کی چھٹی دی۔

آپ فراغت کے بعد اپنے مادرِ علمی دارالعلوم تعلیم القرآن خال دیر میں درس؛

تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کئی مرتبہ مبتدعین سے مناظرے ہوئے۔ ایک مناظرے کا حال یوں لکھتے ہیں کہ :

ہم مناظرہ گاہ پہنچے تو مسجد کی بالائی منزل جائے مناظرہ مقرر ہوئی، مناظرہ شروع ہوا میں نے فریقِ مخالف سے پوچھا کہ "یہ حیلۂ مروجہ فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا مستحب؟ وہ لاجواب ہو کر چپ ہو گئے، بالآخر کہنے لگے "مستحب ہے"۔ میں نے مستحب کی تعریف پوچھی تو پھر چپ ہو گئے۔ وہاں موجود لوگ سمجھ گئے کہ مبتدعین باطل پر ہیں۔ یہ لوگ چپ چاپ نیچے اترے اور لوگوں کو اُکسانے اور اپنی خفت چھپانے کی غرض سے کہنے لگے کہ یہ پنج پیری ہیں ان کو مار ڈالو، ایک پنج پیری کا مار ڈالنا ستر ہندوؤں سے افضل ہے۔ جب ہم جائے مناظرہ سے نیچے اترے تو دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھ میں کلاشنکوفیں اور بندوقیں تھیں، اُن کے عزائم اچھے نظر نہیں آرہے تھے کہ انہی میں سے ایک شخص کو اللہ نے غیرت دلائی وہ یہ زیادتی برداشت نہ کر سکا۔ سو اکیلا اُن تمام کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور اُن کے حملے کو پسپا کر کے اُنہیں پیچھے دھکیلا، اس پر مخالفین نے پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ اللہ نے کرم کیا اور بخیر و عافیت واپس آ گئے۔ آج الحمدللہ وہ علاقہ موحدین کا علاقہ بن چکا ہے۔

مولانا بادشاہ میر صاحب جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے نائب ناظم نشر و اشاعت کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اللہ کریم آپ کی دینی خدمات و مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں مزید ترقی سے نوازے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد مسلم صاحب

آپ جماعت اشاعت التوحید والسنہ کے مخلص کارکن ہیں۔آپ ۱۹۵۶ء کو محترم عبدالقادر کے ہاں گاؤں پختانے قوم ملاخیل شیراہ ڈابوری اورکزئی ایجنسی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم شرفیہ تندوکرم ایجنسی میں حاصل کرنے کے بعد مفتاح العلوم ہنگو میں موقوف علیہ تک درسِ نظامی پڑھی اور ۱۹۸۱ء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے سند فراغت حاصل کی۔

تفسیر القرآن شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان تعلیم القرآن راولپنڈی، شیخ القرآن مولانا عبدالسلام رستم مردان اور تلمیذ شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحبؒ سے پڑھا۔آپ ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کے سلسلے میں شیعہ سنی لڑائی میں ۳۲ مرتبہ جیل جاچکے ہیں۔آپ نے جامعہ شریفیہ تندو میں اس کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن مشتی میلہ میں اور جامعہ خلفاء الراشدین ڈابوری میں درس و تدریس کے خدمات انجام دے چکے ہیں ساتھ ساتھ ملحق علاقوں میں درسِ قرآن بھی دیتے ہیں خصوصاً رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا حسین علی صاحب مدظلہٗ

آپ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے منجھلے فرزند ہیں۔آپ نے تمام درسِ نظامی کی کتب اپنے مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن میں پڑھیں۔دورۂ حدیث کے لئے مدرسہ خیر المدارس تشریف لے گئے اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔کئی مرتبہ دورۂ تفسیر اپنے عظیم والد شیخ القرآنؒ سے اُن کے مخصوص انداز میں پڑھا۔اس کے علاوہ حضرت مولانا عبدالغنی جاجرویؒ سے بھی دورۂ تفسیر پڑھا' درمیانہ قد' کھلتا ہوا گندمی رنگ' گفتگو میں وقار' اعتماد وفراست آمیز ٹھہراؤ۔

انجینئر میاں محمد الیاس صاحب اپنی شاہکار تصنیف حیاتِ شیخ القرآنؒ میں یوں رقمطراز ہیں کہ :

''اہلِ بصیرت ان کی صورت میں ایک اور غلام اللہ خان کو دیکھتے ہیں''۔

آپ بقید حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطاء فرمائے تاکہ اشاعت التوحید والسنۃ کی اسی شان سے سرپرستی کرتے رہیں۔(حیات شیخ القرآن)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا شاکر محمود صاحب

آپ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے نواسے ہیں۔ درجہ اولیٰ سے دورۂ حدیث تک تمام اسباق اپنے نانؒا کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن میں پڑھیں۔ آپ کے معروف اساتذہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر مؤمن پوریؒ، حضرت مولانا سید سجاد بخاریؒ اور حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلویؒ ہیں۔

آپ نوجوانانِ توحید وسنت کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ ایک اعلیٰ پایے کے خطیب بھی ہیں، جب تقریر کرتے ہیں تو مجمع پر ایسے چھا جاتے ہیں کہ مخاطبین کو سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتے اور اس تیزی سے سامعین کو اپنے بیان کے بہاؤ میں لے جاتے ہیں کہ ان میں حرکت یا جذبے کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد دارالعلومِ تعلیم القرآن میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے ساتھ جامع مسجد پرانا قلعہ راولپنڈی کی خطابت کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ ولی کامل پیر سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ سے اصلاحی تعلق تھا، اب ان کے صاحبزادے ولی بن ولی حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری صاحب مدظلہٗ سے تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔ آپ مسئلہ توحید کا بیان نہایت خوبصورت اور پرخلوص انداز میں کرتے ہیں۔ اللہ صحت وعافیت کے ساتھ عمرِ دراز سے نوازے۔ (حیات شیخ القرآن)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب

آپ حضرت مولانا سعید الرحمٰن الخطیب صاحب کے بھائی ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں اوگی ضلع مانسہرہ میں حضرت مولانا عبدالحنان بلیانی ؒ کے گھر میں آنکھ کھولی۔ فنون کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی سے پڑھیں۔ اوگی میں حفظ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب سے کیا۔ بعد میں راولپنڈی، مردان اور علاقہ چھچھ کے مختلف مدارس میں رہے۔ ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم تعلیم القرآن میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ صحاحِ ستہ میں آپ کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی اجازت دی ہے۔ دورۂ حدیث کے امتحان میں پوری جماعت میں دوسری پوزیشن حاصل کر کے خصوصی انعام کے مستحق ٹھہرے۔ اسی سال آپ نے قاری محمد اشرف صاحب سے تجوید کی کتابیں بھی پڑھیں، چنانچہ تجوید کے امتحان میں بھی دوسری پوزیشن لے کر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب ؒ نے اپنے ہاتھ سے انعام دیا۔ بعد میں وفاق المدارس العربیہ کے امتحان میں شریک ہوئے اور درجہ جید جدا کے مستحق ٹھہرے۔ تعلیم کے میدان میں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری کے حامل ہیں۔ جبکہ مولوی فاضل وغیرہ کے امتحانات بھی اچھے نمبروں میں پاس کئے اور جامعہ حکمۃ الاسلامیہ فیصل آباد سے حکمت کی سند بھی حاصل کی۔

فراغت کے بعد ”رزمک کیڈٹ کالج“ میں مقرر ہوئے جس میں ہر قسم کی مراعات میسر تھیں لیکن تین سال نوکری کرنے کے بعد تدریس کا مشغلہ اختیار کرنے کے

لے تمام سہولتوں کو خیر باد کہہ کر ''دار العلوم سعیدیہ'' میں چٹائیوں پر بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسول کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس قربانی کی برکت سے بحمد للہ آج نو عمری میں دورۂ حدیث میں مسلم اور ابوداؤد پڑھا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ''درجہ تخصص فی الفقہ'' کی پوری ذمہ داری بھی آپ نے اُٹھائی ہے جبکہ دار العلوم سعیدیہ کے نائب مہتمم اور دار الافتاء کی سرپرستی اس کے علاوہ ہے۔

اساتذہ میں والد مرحوم، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا سعید الرحمٰن کے علاوہ شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، شیخ القرآن مولانا عبد السلام، شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدینؒ اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ جیسے عظیم المرتبت حضرات سرفہرست ہیں۔

سیاسی میدان میں بھی ذوق وشوق رکھتے تھے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ میں حضرت مولانا سمیع الحق اور مولانا مفتی محمودؒ کی رفاقت میں ڈھائی مہینے ہری پور جیل میں رہے۔

وادیٔ اگرور میں اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر اور انجمن سپاہِ صحابہ کے جنرل سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں۔ روزِ اوّل سے جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے رکن رکین ہیں۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں آپ نے بیشتر کتابیں قلم بند کی ہیں۔ جس میں ''اسلام اور قوالی'' قربانی اور اس کی اہمیت' الازہار علی کتاب الآثار، ۲ جلد، امام ابوحنیفہؒ کی محدثانہ حیثیت، غیر سید سے سیدہ کی نکاح، اسلام اور منشیات وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

(حیات بیلیانیؒ ص:۸۴،۸۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مہمند ایجنسی

آپ کا تعلق مہمند ایجنسی کے ایک علمی خاندان سے ہے۔ آپ شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب اور شیخ القرآن، حضرت مولانا محمد افضل خان المروف شیخ شاہ پورؒ کے شاگرد ہیں کہ فنون کی تکمیل کے بعد دورۂ حدیث صوبہ سرحد کے عظیم دینی درسگاہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے کی۔

حضرت مولانا صاحب نہایت متقی و پرہیزگار عالم دین ہیں۔ فراغت سے لے کر اب تک درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ واقعتاً فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ منسلک ہونے سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔ موصوف صوبہ سرحد کے علمی شہر پشاور کے ایک بڑے ادارے "مدرسہ تعلیم القرآن باڑہ گیٹ" میں ۱۸ سال سے استادِ حدیث ہیں اور تقریباً ہر سال کے آخر میں (شعبان، رمضان) دورۂ تفسیر اپنے مشائخ کے خصوصی طرز پر پڑھاتے ہیں۔ دور دراز کے سینکڑوں طلباء اپنے علمی پیاس بجھانے کے لئے ان کے ہاں تشریف لاتے ہیں۔ آپ مہمند ایجنسی کے جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے سرپرست ہیں۔

ربِ کریم مولانا موصوف کے تمام تر دینی مسائل اپنی رضا کے لئے بنائے اور تاحیات اپنے مشائخ کے مشن پر قائم و دائم رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا قریب الرحمٰن صاحب

آپ ضلع مردان کے نواحی گاؤں گڑھی کپورہ کوٹ دولت زئی کے باشندے ہیں۔ حضرت شیخ القرآنؒ پنج پیر کے شاگرد ہیں۔ اشاعت التوحید والسنة ضلع مردان کے امیر بھی ہیں۔ ابتداء میں مسئلہ توحید اور ردّ بدعات میں انتہائی تکالیف سے دوچار ہوئے۔ اس لئے کہ گڑھی کپورہ شرک و بدعت اور بریلوی و بے دین پیروں و مولویوں کا گڑھ تھا۔ لوگ بزرگوں کے قبروں کو پوجتے اور ان کے ناموں کی نذریں مانتے اور ان کے قبروں پر شمعیں اور چراغ جلاتے۔ ایسے حالات میں آپ نے اور مولانا محمد سیار مدظلہ نے مسئلہ کو بیان کیا تو اپنے بھی پرائے ہوگئے اور لوگوں نے آپ دونوں کے ساتھ غمی خوشی چھوڑ دی۔ یہاں تک کہ اپنے والدین اور بھائی بھی مخالف ہوگئے، مگر آپ نے مسئلہ کو نہیں چھوڑا۔ اللہ کے فضل سے لوگ اب مسئلہ سمجھ گئے ہیں، مگر بعض لوگ عناد کی وجہ سے اب بھی مخالفت کرتے ہیں۔ ان دونوں کی محنت سے اللہ نے علاقے کو علماء دیئے، مثلاً اُستاذِ محترم مولانا محمد زادہ، مولانا حافظ عالمگیر، مولانا قاری محمد فیاض مولانا منظور علی، مولانا منظور رحمٰن اور ان جیسے اور ممتاز علماء، موصوف اکیلے روزانہ تین چار مساجد میں درسِ قرآن دیتے۔

حضرت الاستاد شہید سعید الرحمٰنؒ کے بھائی اور مولانا حافظ انعام اللہ شہیدؒ کے والد محترم ہیں۔ حافظ انعام اللہ شہیدؒ احقر راقم الحروف کے انتہائی مخلص دوست تھے۔ حافظ صاحبؒ افغانستان میں امریکیوں کے بمباری کی زد میں آکر شہید ہوگئے۔ موصوف دارالعلوم حقانیہ کے درجۂ موقوف علیہ کے طالب علم تھے۔ نہایت قابل اور ذہین تھے۔

خطابت کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ استادِ محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ ۲۰۰۰ء گڑھی کپورہ مدرسہ ضیاء القرآن تشریف لائے تھے تو حافظ صاحبؒ نے استقبالیہ پیش کیا اور کچھ اور کلمات بھی پڑھے، تو اس پر حضرت حقانی صاحب نے حافظ کو مخاطب ہو کر فرمایا :

''ماشاءاللہ ! آپ تو خطیب ہیں''۔

حقانی صاحب نے حافظ صاحبؒ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور پھر احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ :

''حبیب اللہ! مولانا کو ایک سال کے لئے اعزازی ماہنامہ ''القاسم'' بطورِ انعام جاری کراو۔ ان سے پتہ لے لو''۔

احقر راقم الحروف جب میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوا تو دنیا کے کاروبار میں لگ گیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد تبلیغی احباب کی ترغیب پر چار ماہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگائے تو حافظ صاحبؒ احقر کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ :

''میں تمہارے والد صاحب سے بات کرتا ہوں۔ تم مدرسہ میں داخلہ لے لو''۔

ان کی ترغیب سے احقر نے درسِ نظامی شروع کی اور کنڈھ خیرآباد نوشہرہ میں جہاں قاری محمد فیاض خطابت وامامت کے فرائض انجام دے رہے تھے، ڈیرا جمالیا اور اسباق کے لئے ان کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ آیا کرتا۔ اس وقت ہدایۃ النحو شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب سے پڑھی۔ بہرحال بات کہیں اور چلی گئی۔ حافظ صاحب شہیدؒ کو اللہ جنت الفردوس عطاء فرمائیں اور والدین کو صبر جمیل۔

حضرت الاستاد مولانا قریب الرحمٰن صاحب احقر اور احقر کے والد محترم کے بھی استاد ہیں۔ والد محترم آپ کے اور مولانا محمد سیار صاحب کے جب سے انہوں نے مسئلہ بیان کیا کے ساتھی ہیں۔ مولانا سیار صاحب مدظلہ نے بھی علاقہ میں مسئلہ توحید کا بہت کام

کیا۔ علاقہ گڑھی کپورہ کی مشہور بدعت اذان فی القبر کے بارے میں صاحب حق کو اپنے والد کے وفات کے موقع پر اذان سے منع کیا اور اس طرح اپنے غم سے بدعت کی بیخ کنی کی، اگرچہ اس وقت سب لوگ ان کے خلاف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو علماء وحفاظ بنائے۔ نہایت شفقت ومحبت سے پڑھاتے تھے۔ آپ سرکاری سکول میں اسلامیات وعربی کے استاد ہیں۔ اللہ آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے اور مزید توحید وسنت اور درسِ قرآن کی توفیق ارزانی نصیب ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبدالعزیز چترالی

آپ ایک قابل، متقی و پرہیزگار اور منکسر المزاج عالمِ دین ہیں۔ نوجوانانِ توحید وسنت چترال کے سرپرست، اشاعت التوحید والسنۃ ضلع مردان کے نائب امیر اور دارالعلوم تعلیم القرآن بابوزئی میاں خان روڈ کاٹلنگ مردان کے نائب مدیر و نگران ہیں۔ کہوئی برمول کے جامع مسجد پائندہ خیل کے خطیب بھی ہیں، نہایت باصلاحیت، مردِ مجاہد ہیں۔

آپ ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۴ء ضلع چترال کے علاقہ شیرائی شیشکوہ میں غلام شریف کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں شیرائی سکول میں حاصل کیا اور قاضی محمد ایوبؒ سے ناظرہ قرآن پڑھا۔ دو سال دارالعلوم درویش میں مولانا شیخ الاسلام کے ساتھ گذارے، پھر مدرسہ مظہر العلوم سوات میں مولانا زین العابدین سے دورۂ حدیث تک کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۸۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی اور اسی سال وفاق المدارس العربیہ سے شہادۃ العالمیہ کا امتحان دے کر سندِ امتیاز حاصل کیا۔ آپ نے تقریباً انہی ایام میں ایم۔ اے اسلامیات کی ڈگری پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ دو سال تک مینگورہ میں درسِ نظامی پڑھاتے رہے۔

۱۹۸۶ء میں سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور وہاں استادِ مکرم کشمیریٔ وقت، ماہر فی فن اسماء الرجال، شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ سلطان غنی عارف الطاہری دامت برکاتہم وفیوضہم سے ملاقات کی (اُستادِ محترم اس وقت ریاض میں درس وتدریس اور تحقیق و تدقیق کے سلسلہ میں مقیم تھے)

آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد طاہرؒ کے دورۂ تفسیر میں ۱۹۸۳ء میں شرکت کی۔ حضرت شیخؒ کے درس کے بارے میں آپ کا تأثر یہ ہے:

"جب میں دورۂ تفسیر میں شریک تھا تو ان دنوں گرمی کی شدت تھی۔ میں باہر دھوپ میں بیٹھا تھا اور شیخ القرآنؒ کا اندازِ درس کچھ اس طرح تھا کہ گویا قرآنِ کریم اب نازل ہو رہا ہو اور گرمی کا سرے سے احساس تک نہ ہوتا"۔

آپ بیانِ توحید اور ردِ شرک کے لئے ایران بھی تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"۱۹۹۵ء میں ایران کا ایک دعوتی و سیاحتی دورہ کیا۔ ہم تین ماہ ایران میں رہے، وہاں مختلف علماء سے شرفِ ملاقات نصیب ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا عبدالحمید آف زاہدان اور حضرت مولانا حسن صالحی آف توبت جام قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں حضرات حضرت شیخؒ کے تلامذہ میں سے تھے اور ان کے پاس حضرت شیخؒ کے کتابوں کا پورا سیٹ موجود تھا۔ وہاں جگہ جگہ توحید و سنت کے موضوع پر بیانات کرنے کا موقع ملا۔ دلچسپ بات یہ کہ ہم جہاں توحید و سنت کا مسئلہ بیان کرتے، تو لوگ ہمیں پنج پیری کہتے"۔

کئی سال آپ نے مناظرِ اسلام، وکیلِ احناف، فاتح غیر مقلدیت شیخ القرآن حضرت الاستاد علامہ سلطان غنی عارف الطاہری مدظلہم کے ساتھ طلباء کو پڑھاتے رہے اور انہی سالوں میں حضرت الاستاد سے شرف تلمذ فی التفسیر حاصل کیا۔

انہی ایام میں آپ نے حضرت الاستاد کے زیرِ سرپرستی جگہ جگہ مبتدعین سے

مقابلے کیے، جن میں کوئی شاہ متہ کا مناظرہ بھی شامل ہے۔ الحمدللہ مخالفین کو شکست سے دوچار کیا۔

تقریباً ۱۹۸۴ء میں آپ کی دعوت پر سب سے پہلے مرتبہ حضرت شیخ القرآن پنج پیرؒ چترال تشریف لے گئے تھے۔ حضرت شیخؒ کے ہمراہ مولانا فضل حق اور قائد انقلاب شیخ القرآن والحدیث حضرت الاستاد مولانا محمد طیب طاہری دامت برکاتہم تھے۔ اس وقت چترال میں درج ذیل رفقاء آپ کے ساتھ تھے :

حضرت مولانا محمد دین، سردار محمد، سردار علی، مولانا قاضی عبدالرؤف، قاری عبید الرحمٰن، قاری بہادر سید، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا حنیف، مولانا فضل اور سعید اللہ۔

آپ کے مشہور اساتذہ حضرت مولانا افضل خانؒ عرفِ شیخ شاہ پور شیخ القرآن مولانا ولی اللہ کا بلگرامی، مناظر اشاعت مولانا فضل حق اور مولانا محمد فیاض شامل ہیں۔

اللہ کریم مولانا موصوف کی تمام دینی مساعی قبول فرما کر دارین میں ذریعۂ نجات بنائیں۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضروری التماس !

بندہ نے اپنی بساط کے مطابق اکثر اکابر و مشاہیر کے نام خط بھیجا تھا۔ بعض کے جوابات موصول ہوئے ہیں، بعض کے نہیں، تاہم اگر آئندہ ایڈیشن کے لئے بھی اگر خط بھیجا جائے تو ان شاء اللہ شاملِ اشاعت کیا جائے گا۔ درج ذیل اکابر و مشاہیر خود یا ان کے متعلقین اگر ان کے حیاتِ مستعار کے حالات بھیج دیں تو بندہ ممنونِ احسان اور دعا گو رہے گا۔ بعض علماء نے اپنے احوال ارسال نہیں کئے تھے مگر ان پر مختصر مضمون لکھا ہے، وہ اگر احوال ارسال کرے تو بندہ شکر گذار رہے گا۔

☆ پیر طریقت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری صاحب — گجرات پنجاب

☆ مفتی محمد خان جاجروی صاحب — رحیم یار خان پنجاب

☆ مولانا عبد الرحمٰن صاحب — چارسدہ، صوبہ سرحد

☆ مولانا میر سمیع الحق صاحب — افغانستان حالاً پشاور

☆ مولانا رفیق اللہ خان صاحب — حالاً کراچی سندھ

☆ مولانا محمد زیب صاحب — بونیر حالاً کراچی

☆ مولانا عبد اللہ صاحب — چارباغ سوات سرحد

☆ مولانا فضل حق صاحب — مینگورہ سوات سرحد

☆ مولانا خلیل اللہ الرحمٰن حقانی صاحب — لاہور، پنجاب

☆ امام الصرف والنحو مولانا نصر اللہ خان صاحب — رحیم یار خان //

☆	مولانا خلیل احمد صاحب	واں بھچراں 〃
☆	مولانا ضیاء الرحمٰن ناصر	گجرات 〃
☆	مفتی عبدالعزیز صاحب	سرگودھا پنجاب
☆	مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب	〃 〃
☆	مولانا عبدالشکور صاحب	دیر سرحد
☆	مولانا محمد فیاض صاحب	شاہ پور سوات سرحد
☆	مولانا غلام حبیب صاحب	ویسہ اٹک پنجاب
☆	مولانا خان بادشاہ	قطر
☆	مفتی محمد مسلم صاحب	نستہ چارسدہ سرحد
☆	مولانا محمد انور صاحب	شاہ پور سوات
☆	مولانا غلام اللہ	چار باغ سوات
☆	مولانا احمد صاحب	بشام سرحد
☆	مولانا عبدالحلیم	کوہستان سرحد
☆	مولانا عبدالعزیز	کوہستان سرحد
☆	مولانا گل شہزادہ عرف سرکئی بابا جی	سخاکوٹ
☆	مولانا عبدالغفور صاحب المعروف جار قاضی	باجوڑ
☆	مولانا فضل حق المعروف ڈبر صاحب حق صاحب	〃
☆	مولانا نورالحق صاحب	رستم مردان
☆	مولانا روح الامین صاحب	شیوہ صوابی حالاً کراچی
☆	مولانا فضل الباری صاحب	ہزارہ مانسہرہ

اکابرین اشاعت التوحیدوالسنت کے کتب

ٹیلیگرام پرمکتبۃالاشاعت چینل سے

ڈاؤنلوڈکریں

لنک

https://t.me/joinchat/AAAAAD-Eb5bmuy8Xyhbwpg

منجانب سیدعبداللہ شاہ توحیدی الحنفی

03480984103
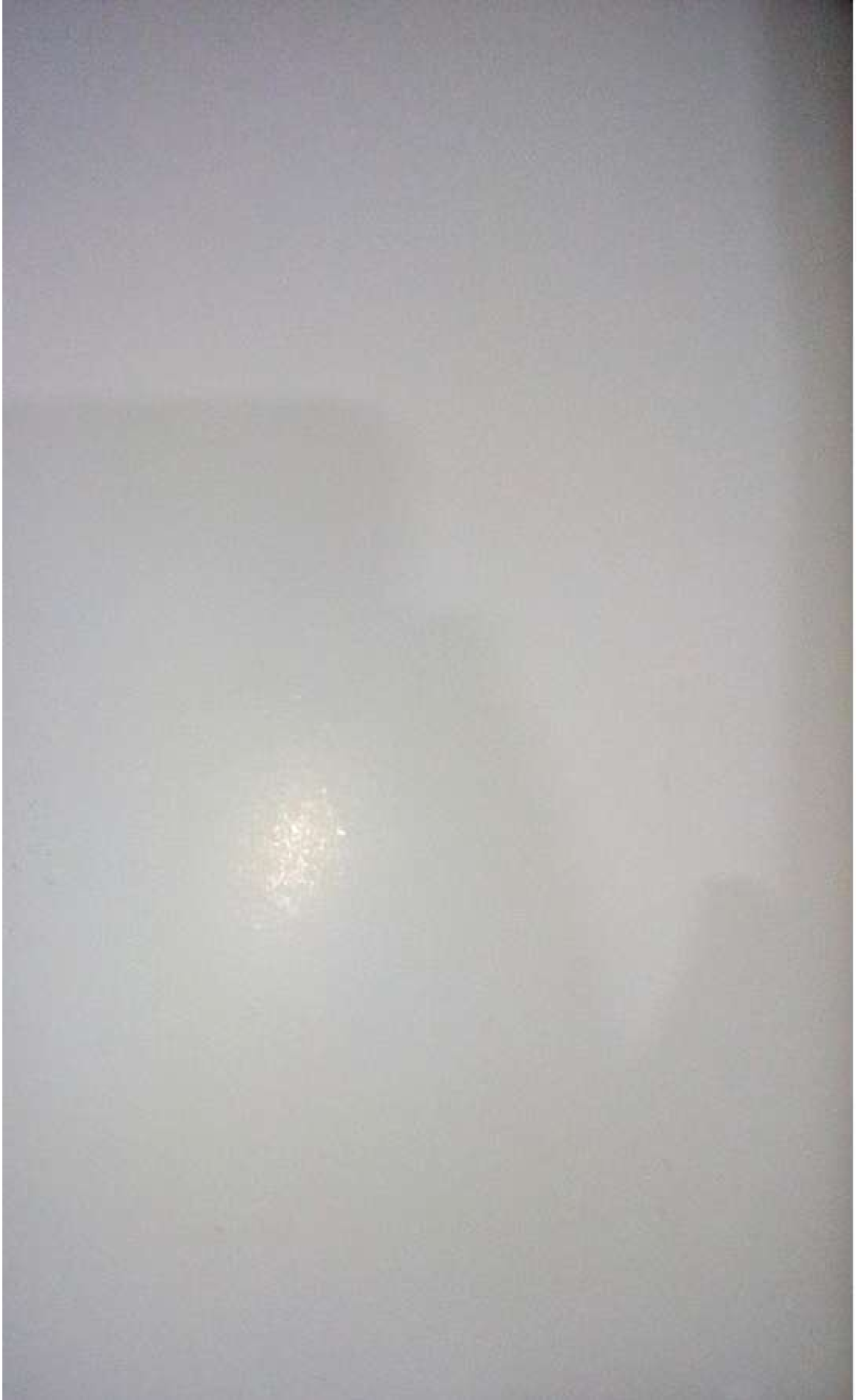
کتاب کے بارے میں اکابر مشائخ کی آراء

''علمائے اشاعت'' کے عنوان سے یہ مختصر تذکرہ وقت کی اہم ضرورت اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک دستاویز ہے۔ مولف نے تاریخ کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

(قائد انقلاب شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب طاہری مدظلہ)

''علمائے اشاعت'' نے توحید وسنت کا پیغام لے کر ملک کے کونے کونے تک پہنچادیا ہے۔ عزیزم مولوی حبیب اللہ مختار کی کتاب اس تحریک کی کامیابی وکامرانی کا شاہد عدل ہے۔ اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک درس عبرت ہے۔ (وکیل احناف حضرت علامہ مولانا سلطان غنی عارف الطاہری مدظلہ)

مؤلف محترم نے اکابرین ومشائخ علماء اشاعت التوحید والسنہ کے کوائف، حالات، کارنامے، دین کی محنت اور قرآن مجید سے محبت اور دل لگی کے احوال لکھے ہیں۔ مجھے مؤلف کا انداز تحریر بہت ہی پسند آیا۔

(خطیب العصر شیخ القرآن مولانا غلام حبیب صاحب)

اس تحریر کے ذریعے کوئی بت تراشنے کی کوشش ہرگز نہیں کی ہے۔ بلکہ یہ گمنام اولیاء کا تعارف ہے۔

(ابو معاویہ مولانا محمد ایاز صاحب)